

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مَكْتَبَةُ مَوْلَانَا مَوْلَى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْبَارِ
بِزَارِ قَزوين

جلد اول

الطَّائِفُ الْحَمْدُ

تفسير القرآن

از اضافات

حضرت قیام الملہ الدین امام الوقت مولانا مولوی محمد عبدالباری صاحب بدست فیضیہم
فرنگی علی لکھنوی

جسکو بوقت درس ملا روارشا و فرمایا

مرتبہ مولانا مولوی حاجی شیخ محمد الطواف الرحمن صاحب دانی ساکن بڑا گائون ضلع باونگی
باہتمام مکتبہ خواجه قمر الدین احمد بنجر

نامی پریشن لکھنؤ میں چھپتی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف المرسلين سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين
 کلام الہی جو کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اُسکے بہت سے نام ہیں مثلاً اُنکے تین نام
 ہم بیان پر ذکر کرتے ہیں۔ فرقان - تنزیل - قرآن۔

فرقان

فرقان بلکہ کل یہ تینوں نام مصدر ہیں مگر مقصد ان سے مشتق ہی فرقان کے معنی توجہ دائی کے ہیں یا جدا
 کرنے کے ہیں مگر نام اس کلام منزل کا فرقان اس وجہ سے ہوا ہے کہ اُسکے مضامین باہم جدا جدا اور
 حصے اُسکے علیحدہ علیحدہ سورتیں سورتیں ہیں یا اس وجہ سے اسکو فرقان کہتے ہیں کہ یہ فرق کرتا ہے
 حق و باطل کے درمیان یا اس سے فرق ہو جاتا ہے مسلم و کافر کا جو اسپر ایان لایا وہ مسلم ہو گیا جس نے
 اسکی تصدیق نہیں کی وہ کافر ہو گیا۔

تنزیل

تنزیل بالتفصیل کا مصدر ہے نزول اسکی اصل اور مادہ ہی نزول کے معنی اوپر سے اترنے کے ہیں جبوقت
 باب افعال میں جاتا ہے اور انزال مصدر ہوتا ہے تو اسکے معنی دفعۃً اُتارنے کے ہیں اور جب باب تفصیل
 میں جاتا ہے تو اسکے معنی تھوڑی تھوڑی دیر میں کچھ کچھ کسی شے کو اوپر سے اُتارنا ہو جاتے ہیں۔

اس کلام منزل کے لئے بھی ارشاد ہوتا ہو کہ ہم نے دفعۃً اُتار جیسا ارشاد ہوتا ہو انا انزلناہ فی لیلۃ القدر
ہم نے اسکو لیلۃ القدر میں اُتار دیا۔ اور یہ بھی ارشاد ہوتا ہو کہ خدا نے اسکو رفتہ رفتہ نازل فرمایا یہاں تک کہ
تَنْزِیلِ مِنْ حَکِیمٍ حَمِیدٍ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اسکے اُتارنے کے دونوں طریقے ہیں پہلے خدا کی ذات
لوح محفوظ میں دفعۃً نازل کیا گیا پھر جبرئیلؑ کی ذات میں رفتہ رفتہ کر کے نازل ہوا اور دنیا میں بھی دو
طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ سے حاصل کیا۔ ایک تو وہ طریقہ جسکو ہر شخص جانتا
ہو کہ جب کسی واقعہ میں نزول وحی کا خدا نے ارادہ کیا اُسکے متعلق آیت حضرت جبرئیلؑ سے آنحضرت
نے حاصل کر لی اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ہر سال رمضان شریف میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت
جبرئیلؑ دُور کرتے تھے اور جب وفات فرمانے والے ہوئے تو اُس سال دو بار دُور کیا یہ صورت اُتار
کی تھی اور وہ پہلی صورت تنزیل کی ہو چونکہ تنزیل کا تعلق عام مکلفین سے ہو اسواسلئے اُسکو تنزیل
کہنے لگے اور اس کلام کا نام تنزیل ہو گیا۔

اس بیان سے ہمارے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل قرآن قبل تنزیل کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب
میں القاء ہو چکا تھا مگر اُسکی تبلیغ کا حکم نہ تھا بلکہ تبلیغ کے لیے جو نزول ہوا ہو وہ رفتہ رفتہ ضرورت
کے اعتبار سے ہوا ہے۔

زمانہ رسالت میں کلام الہی جمع ہو چکا تھا

ہمارے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام الہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں جمع
ہو چکا تھا مگر تبلیغ کے لیے رفتہ رفتہ بھی نازل کیا گیا اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دو نزول صاف ہوئے بلکہ
وہ نزولِ قلب میں ہوا وہ بطور مذاکرہ کے تھا اور وہ نزول جو رفتہ رفتہ ہوا اور قلب سے زبان پر بھی
آیا وہ تدریجاً تھا اور اُسی کا اعتبار ہو اُسی کے لحاظ سے کہا جاتا ہو کہ فلان آیت کی ہو اور فلان مدنی
ہو یعنی قبل ہجرت کے ہو یا بعد ہجرت کے نازل ہوئی ہو۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ تنزیل کلام الہی جس طریقہ پر ہو وہ انزال کلام الہی کے مطابق
نہیں ہو بلکہ کبھی کوئی آیت نازل ہوئی مگر کلام الہی میں اُسکی جگہ اُس آیت کے بعد تھی جو اسوقت
تک نازل نہیں ہوا تھا پھر نازل ہوتا گیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسکو نزولِ قلبی اور مطابق
لوح محفوظ کے اُسکی جگہ پر رکھتے چلے گئے اور پوری تنزیل کو مطابق نزولِ قلبی اور ترقیم لوح کے
کر دیا پھر اُسکو اکثر صحابہ نے یاد کیا اور اسی ترتیب سے جس ترتیب کو نزولِ قلبی سے حضور نے
حاصل فرمایا تھا صحابہ کو اسکا علم دو طریقوں سے ہوا ایک یہ کہ جب آیت نازل ہوتی حضرت ۴

ارشاد فرمادیتے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ کی فلاں آیت کے بعد رکھ دو وہاں وہ قائم کر دیجائی
 دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خود حضرت تلاوت فرماتے خصوصاً نماز میں آپ سوتین پڑھتے جس سے معلوم
 ہو جاتا کہ اس سورت کی اس قدر آیتیں اور فلاں آیت کے بعد فلاں آیت ہو۔ خود حضرتؐ بھی
 صحابہؓ سے قرآن سنتے اسوجہ سے اُنکو پورے طور سے معلوم ہو جاتا کہ جو وہ پڑھتے ہیں وہ صحیح اور مرتب
 اسکے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب تلاوت فرماتے تو اکثر ترتیب سورتوں کی بھی ملحوظ
 رکھتے یہاں تک کہ عوف ابن مالکؓ دو دیگر صحابہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے تجد کی نماز میں پہلی رکعت میں
 سورہ بقرہ کو دوسری میں سورہ آل عمران یہ تین سورہ لیساً چوتھی میں سورہ مائدہ یا سورہ النعام
 پڑھی۔ اسی طرح دوسری سورتوں کے بارہ میں بھی روایت وارد ہوئی ہے مثلاً سورہ اعلیٰ پہلی میں
 سورہ غاشیہ دوسری میں پڑھی قل اعوذ برب الفلق پہلی میں قل اعوذ برب الناس دوسری
 میں پڑھی غرض کہ کلام الہی کو مطابق لوح محفوظ کے بعد تنزیل کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اپنے زمانہ میں کر دیا تھا۔

حضرت عثمان کو جامع القرآن کیون کہتے ہیں

مشہور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع قرآن ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ
 جامع سورہ ہیں قرآن کے ایک خاص حرف اور اسلوب پر جسکی سات قرأتیں ہیں واقعہ اسکا یہ ہے
 کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف کے صحابہ حافظ تھے بعض اُن میں سے پورے
 قرآن شریف کو حفظ کر چکے تھے جیسے عشرہ مبشرہ اور زید بن ثابت سالم مولیٰ خلیفہ اور عبد اللہ
 ابن مسعود وغیرہم اور بعض بعض حصہ کلام الہی کے حافظ تھے اکثر وہ تھے جو اس قدر یاد کرتے تھے جیسہ وہ
 عمل کر سکیں اور چونکہ سورہ بقرہ میں احکام بہت زیادہ ہیں جسکو یہ سورت یاد ہوتی اُسکو صحابہ بڑے
 مرتبہ کا سمجھتے تھے لہذا اوقات باہم فضیلت حفظ کلام الہی اور حفظ سورہ بقرہ کی وجہ سے ہوتی تھی چنانچہ
 حضرت سالم مولیٰ خلیفہ کو پورے قرآن شریف کے حافظ ہونیکے باعث حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ
 اگر وہ حیات ہوتے تو میں اپنے بعد اُنکو خلیفہ کر دیتا حضرت عبد اللہ بن جعفر کو لشکر کا افسر اسوجہ سے
 کیا گیا تھا کہ اُنکو سورہ بقرہ یا د تھی غرض کہ صحابہ کو بہت زیادہ اعتبار و اعتماد کلام الہی کے حفظ پر تھا
 اُنکو ضرورت کتابت کی نہ تھی باوجود اسکے جو طریقہ اُنکے زمانہ میں کتابت کا تھا اُسکے لحاظ سے
 کلام الہی کو انھوں نے لکھ بھی لیا تھا چنانچہ کاغذ بہت کیا ب تھا چین و ہند سے عرب میں کاغذ
 جاتا تھا جہاں تک دستیاب ہوا اُسپر کلام الہی لکھا گیا عرب ہڈی کے اوپر بھی لکھتے تھے چمڑے اور

پتھر پر بھی لکھتے تھے چنانچہ بعض جگہ اُسی پر لکھ لیا گیا لکڑی کے تختہ پر بھی لکھنے کی عادت تھی
اُسپر بھی قرآن لکھا گیا پتوں پر درختوں کے بھی لکھا کرتے تھے اُسپر بھی لکھا گیا غرض کہ جس قدر
طریقہ کتاب سے مقید کرنے کے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ سب عمل میں لائے گئے۔
کلام الہی سات حروف پر نازل ہوا تھا اور ہر حرف اُسکا کافی و شافی تھا حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ کے وقت میں زمانہ جنگ یا مہمہ بہت سے حفاظ شہید ہو گئے اس واسطے حضرت عمر رضی
حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک جگہ قرآن لکھ لیا جاوے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُسکا حکم دیا
اور ایک جگہ جمع ہو گیا مگر مختلف حروف سے قرآن تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں فتوحات ہوئے
لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے صحابہ کی شہادت و وفات ہونے لگی اور مختلف صحابہ کی مختلف قرأت
لوگوں کو انتشار ہوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا آپ نے اُن سات حروف میں سے ایک حرف جو
بہ لغت قریش تھا اور زیادہ فصیح تھا اُسکو قائم کر دیا اور دیگر حروف کو تلف کرنے کا حکم دیدیا کہ بجائے
نفع کے اُس سے نقصان کا اندیشہ تھا اُس ایک حرف پر امت نے اتفاق کر لیا اُسکی نقلین کی تکمیل
ایک مکہ میں ایک مدینہ میں ایک کتبہ میں ایک بصرہ میں ایک بحرین میں ایک شام میں ایک مصر میں روانہ
کر دی گئیں اُسکے راوی سات مشہور و متواتر ہیں اُنکی طرف سات متواتر قرأتیں منسوب ہوئیں انہیں سے ایک
قرأت عاصم کی ہمارے ملک میں رائج ہے ہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف جمع شدہ کو نقلین کر کے
ممالک میں بھیجا اور اس امر کا التزام کیا کہ وہ حروف سب عربیہ قرآن نازل ہوا تھا انہیں سے ایک حرف فصیح کو
تمام ممالک اسلامیہ میں رواج دیا جاوے اور دیگر حروف رائج نہ کیے جاوین تاکہ اختلاف نہ ہو اسکے التزام کے
باعث اور اس خدمت کے سبب سے جو نقول کر کے ممالک میں قرآن ارسال کیے گئے حضرت عثمان جامع قرآن شہ
ہوئے ورنہ قرآن شریف عہد نبوی میں مرتب ہو چکا تھا اور عہد صدیقی میں اُسکی نقل بھی البتہ اُس میں مختلف
حروف تھے وہ سب عہد عثمانی میں رد کر دیے گئے ایک حرف ثانی کافی رہ گیا جس میں نہ تبدیل ہوئی نہ تحریف
نہ زیادتی سے نہ کمی سے کسی طرح کی تحریف واقع نہیں ہوئی اجلہ حفاظ صحابہ نے جمع کیا اور اُس نے اجماع کیا۔

قرآن

اسکو قرآن کیوں کہتے ہیں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے اس واسطے کہ یہی نام اُسکا مشہور ہے۔ قرآن
کے معنی قرأت کے ہیں پڑھنا اُسکا مفہوم ہے یہ پڑھا جاتا ہو اور وحی متلو ہو اس واسطے اسکو قرآن کہتے
ہیں وحی اُس الفاظ کو کہتے ہیں جو نبی اُس انسان کو کہتے ہیں جسکو اللہ نے واسطے
احکام پہنچانے کے مبعوث کیا ہو یوں تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق دیا ہے کہ اپنے نیک و بد کی

تیز کرے اگر نیک و بد کی تمیز کرنے میں ایک وقت صرف ہوتا ہو جس سے اُسکے مطابق عمل کرنے کا وقت رائگان ہو جاتا ہو اسوجہ سے خدا کے فضل کا تقاضی یہ ہوا کہ نیک و بد کی تمیز بعض انسان کو عطا کر دی جاوے اور اُنکو بُرے اور اچھے افعال بتادیے جاوے تاکہ وہ لوگوں کو اُنکے مفید و مضر احکام دے سکیں اور لوگ اسکے مطابق عمل پیرا ہو کے اپنی صلاح و فلاح دنیا و آخرت کی حاصل کریں نالاش کی حاجت نہ رہے ان حضرات کو اللہ نے انسان کی نوع میں پیدا کیا ہو مگر انکی عقل و روح کو دیگر انسان کی عقل و روح سے بہت قوی کیا ہو جس شوق و عقل و روح سے حاصل کرتے ہیں اُسکو دوسرے نہیں حاصل کر سکتے ہیں انکی قوت بصیرت دیگر انسانوں کی قوت و بصیرت سے کہیں تیز ہو یہ اُس قوت سے اُن عالموں کو مشاہدہ کرتے ہیں جو دوسرے مشاہدہ نہیں کر سکتے اور یہ اُن عوالم کے افراد سے مل سکتے ہیں جنسے دوسرے انسان نہیں مل سکتے ہیں یہ اُن عوالم سے علوم حاصل کرتے ہیں جنسے دوسرے حاصل کرنے میں قاصر ہیں کیونکہ انکی عقل و روح تیز ہوتی ہو اور دوسرے انسانوں کی تواناے جسمانی تیز بھی ہوں تو قوت روحانی انکی ایسی تیز نہیں ہوتی ہو ایسی ہی انکی قوت خیالی اور حس باطنی میں بھی ایک زیادتی ہو جو دوسرے کو حاصل نہیں ہو انکا خیال واقعی ہوتا ہو اور انکا حس صحیح ہوتا ہو جہاں غلطی کے گزرنے کا شائبہ بھی نہیں ہو برخلاف دیگر انسانوں کے کہ اُنکے خیالات کبھی صحیح ہوتے ہیں کبھی غلط ہوتے ہیں لہذا انکی قوت جو بصیر و خیال کو حاصل ہو باعث انکے نبی ہونے کے ہو جاتی ہو اور یہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں اُسکو دوسرے نہ بظاہر نہ کھنکے مکلف ہوتے ہیں مگر انسان کے رد و بدو عالم مشاہدات ہیں اُنکو وہ اچھی طرح جانتا ہو اُسکے متعلق جو باتیں عمل سے تعلق نہیں رکھتی ہیں اُنکو نبی کہہ جاتا ہو اگر اُنکا ذکر بھی کرتا ہو تو اس غرض سے کہ اُنسے عبرت حاصل کی جاوے اسوجہ سے انبیاء کے ارشادات میں تم مسائل حکمیہ فلسفہ وغیرہ کے وہ امور کم دیکھو گے جبکہ عموماً عقل انسانی حاصل کر لیتی ہو مگر یہ عالم خیال و روحانی کی وہ باتیں بکثرت بیان کرتے ہیں جنکے ادراک سے عام عقلائے انسانی عاجز ہوتے ہیں کیونکہ مقصود اہم اُنکی تبلیغ کا یہ ہی ہوتا ہو اس سے تمکو واضح ہو گیا ہو گا کہ انسان کی تین طرح کی قوتیں ہیں ایک مشاہدات کی مدرک دوسری خیالات اور احساسات کی مدرک تیسری دراد خیالات و مشاہدات کی مدرک وہی عقل ہو اور اُسکے کمال کے ساتھ انبیاء کو بصیرت ہوتی ہو اسی طرح عالم بھی کم سے کم تین ہیں ایک عالم محسوسات جسکو عالم اجسام کہتے ہیں دوسرے عالم معقولات جو عالم مجردات ہیں تیسرے عالم مثال جو چیزیں عالم اجسام میں ہیں وہ متجز بھی ہیں اور مشاہد بھی ہیں اُنہیں خواہ اعراض ہوں یا جو اہر کل اپنا ایک خاص وجود رکھتے ہیں اور عالم مثال میں تمام اشیاء عالم اجسام کی بھی ہیں

اور عالم مجردات کے بھی ہیں ایک ہر اُس عالم کا عالم روحانی سے تعلق رکھتا ہے دوسرا عالم جسمانی سے یہ مجردات سے اشخاص کو حاصل کرتا ہے اور اُنکو وہ ذی صورت اور ممتاز کرتا ہے مجرد جب اس عالم میں ہوتا ہے تو ممتاز ہو جاتا ہے اور اُسکی ایک صورت بھی ہوتی ہے مگر وہ صورت مشابہ وسمت احاطہ کے ساتھ ہوتی ہے جو شان مجرد کی ہے اسی طرح جو حصہ عالم اجسام سے قریب ہو اُسین جسمانی موجودات جسم کے خواص سے مجرد ہونے کے پائے جاتے ہیں اور قائم بالذات ہوتے ہیں ایسوجہ سے عرض ہوا ہے بہ متمیز و ممتاز ہوتے ہیں جو حصہ اسکا اس عالم جسمانی سے تعلق رکھتا ہے اُسکو نیز کہتے ہیں بنی قوت باطنی سے نیز کہ دیکھتا ہے اور عالم مثال کو دیکھتا ہے جہاں اُسکو عالم روحانی کے اشخاص بھی ملتے ہیں اور عالم روحانی کو بھی دیکھتا ہے جہاں وہ روحانیات اُسے اُنکے وجود حقیقی سے اتصال کرتا ہے خدا کا مرتبہ فوق الفوق ہے وہ نہ روحانی ہے نہ جسمانی مگر روحانی کو ایک قرب ہے جو عالم جسمانی کو حاصل نہیں ہے اسی قرب کی وجہ سے جانب علی روحانی کہا جاتا ہے اگرچہ بطور لغت مکانیت کی ہے نہ کہ مکان کی ہے ایسوجہ سے جو القاء عالم روحانی سے ہوتا ہے اُسکو نزول سے تعبیر کرتے ہیں اب اگر عالم جسمانی کے موجود کو جسمانیات سے تجرد ہو گیا تو اُسکو بھی عالم مثال بلکہ عالم روحانی منکشف ہوتا ہے کبھی یہ تجرد اختیاری ہوتا ہے کبھی بے اختیاری۔ بے اختیاری میں جو عام طور پر ہوتا ہے وہ سونے کی حالت ہے کبھی اُس حالت میں یہ عوام منکشف ہوتے ہیں جنکو رویا سے صادقہ کہتے ہیں لیکن وہ لوگ جو روحانی تجرد کو تقویت نہیں دیتے اس بے اختیاری تجرد میں کبھی صحیح ادراک کرتے ہیں کبھی غلط اور جو لوگ تجرد کو تقویت دیتے ہیں وہ اکثر صحیح ادراک کرتے ہیں یہ رویا سے صادقہ القاء باطنی ہے اور مخصوص انبیاء کے ساتھ نہیں ہوا انبیاء کے رویا میں تقویت زاید ہوتی ہے اسواسطے کہ وہاں احتمال خطا کا نہیں ہے اگرچہ بسا تا دلیل میں لغزش ہو جاتی ہے ایسوجہ سے اُنکا رویا بھی وحی ہوتا ہے اور دوسروں کا رویا وحی نہیں ہوتا ہے اس مرتبہ سے بڑھ کر دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان اپنے تصور کو قوت دے اور بصیرت صحیحہ اُسکو حاصل ہو جاوے اگر خدا نے اُسکی بد فطرت سے عقل سلیم دی ہے اور قوت روحانی کامل کی ہے تو اُسکی بصیرت جو ادراک کرتی ہے اُسین خطا نہیں ہوتی اور اگر فطری نہیں ہے تو اُسکے ادراک میں احتمال خطا ممکن ہے انبیاء کی فطری بات ہے اسواسطے اُنکا یہ ادراک والقاء بھی وحی ہے اور غیر انبیاء کا الہام ہے پھر اگر اس بصیرت سے عالم مثال و عالم روحانی کا ادراک ہونے لگا تو فطری قوت دے کو کمال اتصال ہو جاتا ہے اور ملاقات اجسام روحانی سے جنکو ملک کہتے ہیں ہونے لگتی ہے اُسکو ملک کا وحی کرنا کہا جاتا ہے اور اگر غیر نبی کو اس قسم کی ملاقات ہو تو احتمال خطا بالکل غیر مرفع نہیں ہوتا اگرچہ خطا نہیں ہوتی ہے وہ کشف کہلاتا ہے اگر روحانی تعلق اس طرح مضبوط ہو کہ خود بصیرت روحانی وجود کے قول کو سننے لگے تو وہ مرتبہ ہے

جسکو ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان روح القدس نفث فی روعی لن تموت نفس حتی تستکمل رزقہا روح القدس نے میرے دل میں بھونک دیا کہ کوئی جان نہ مرے گی جب تک اپنا رزق پورا نہ کر لے اس سے زائد یہ حالت ہوتی ہے کہ روحانی اشخاص عالم مثال میں ظاہر ہوتے ہیں اور نبی کی روح مجردات کے اوصاف پیدا کرتی ہے اور تجربہ جسامیات سے کرتی ہے تو یہ سخت تر ہی اسوجہ سے جب یہ کیفیت آنحضرت کو ہوتی تھی تو وہ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے اور اس کا دل تر ہو تا ہے کہ خود شخص روحانی مثال دینی میں مرتبہ برنخ میں آتا ہے کبھی بہرکت نبی کے دیگر اشخاص پر بھی عالم مثال بیداری میں ہویدا ہو جاتا ہے تو وہ بھی اُس شخص روحانی کو کسی صورت مثالی میں دیکھتا ہے جیسے وحیہ کلہی یا حدیث رجل ناکثر اس میں حضرت جبریل کا شاہدہ صحابہ نے بھی کیا اور جب وہ ایمان و اسلام و اخلاص وغیرہ کا سوال کر کے لوٹے تو آپ نے فرمایا کہ تالاش کرو یہ کون آیا تھا تو گون کو اُس کے سر اُرخ سے جب عاجز پایا تو بتا دیا کہ یہ جبریل تمہاری تعلیم کے لیے آئے تھے تاکہ تم کو دین سکھا دیں کبھی نبی بلا واسطہ مجردات کے خدا سے ہم کلام ہوتا ہے مگر وہ بے کیف ہو و وحی عموماً بواسطہ ہوتی ہے اور کلام بھی پردہ سے ہوتا ہے یہ کلام آتی اور ایسے ہی دوسرے انبیاء پر جو کلام آتی نازل ہوا وہ بواسطہ ایک شخص روحانی کے جسکو جبریل کہتے ہیں مگر دوسرے کلام آتی میں جبریل نے معنی انبیاء پر نازل کیے اور اس کلام آتی میں الفاظ و معنی دونوں اور وہ بھی بطور قرأت کے نازل کیا اسوجہ سے اسکو قرآن کہتے ہیں۔

قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے لا تھک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعة وقوانہ فَاذْأَقْرَأْ ذٰلَہُ فَاتَّبِعْ قِرْآنَہُ ثَمَّ اَن عَلٰینا بَیْآنَہُ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب جبریل علیہ السلام قرآن لاتے اُسکی قرأت کرتے تو آنحضرت جلدی جلدی پڑھنے لگتے تاکہ یاد ہو جاوے کیونکہ تکرار کرنے سے حافظہ میں صورتیں منقش ہو جاتی ہیں پھر آدمی بھولتا نہیں ہے یہ امر بشریت کی وجہ سے تھا مگر یہاں اسکی ضرورت نہ تھی اسواسطے کہ قرآن عالم روحانی سے نازل ہوتا تھا جسکو لازمی طور پر روحانی قومی اپنے میں حاصل کر لیتے تھے وہ بھول نہیں سکتے تھے اسواسطے ارشاد ہوا کہ تم اپنی زبان کو حرکت نہ دو تاکہ جلدی کر دے یہ امر تو ہم پر لازم ہے کہ اُسکو تمہارے سینہ میں جمع کر دین اور تم سے پڑھو ا دین پس جب ہم پڑھ چکین تو تم اُسکی اتباع کرو پس ہمارے اوپر لازم ہے کہ اُسکو تمہارے لیے واضح کر دین تمہاری قوت حافظہ سے نہ اُسکے الفاظ جا سکتے ہیں نہ اُسکے معنی جا سکتے ہیں۔

اس جگہ خدا نے اُس جی کو جو جبریل کی وساطت سے پہنچی اپنی قرأت فرمایا ہو اس لیے
 اس کو سمجھنا چاہیے کہ خدا کی قرأت کیونکر ہے ظاہر ہو کہ نقوش قرآن کے خدا کے نقوش نہیں
 ہو سکتے اس واسطے کہ کبھی وہ کوئی خط میں لکھا جاتا تھا کبھی وہ عربی میں نسخ میں بتعلیق میں مغربی
 خط میں حبشہ میں چاہو لکھ سکتے ہو یہ قرآن نہیں ہے جو تم تلفظ کرتے ہو اور کلام الہی ہے اس کو تم
 اپنی زبان سے ادا کرتے ہو جو ادا ہوتا ہے اُس کو بھی کلام کہتے ہیں جو ادا کرتے ہو اس فعل کو
 بھی کلام کہتے ہیں یہ کلام و کلام دونوں لفظی ہیں انھیں کے تقابل میں کلام اور تکلم نفسی ہے تو کلام الہی
 بھی کلام نفسی اور تکلم نفسی ہے۔ دیگر انبیاء کے لیے جو وحی نازل کی گئی وہ کلام الہی تو ہے مگر تکلم الہی نہیں ہے
 اور قرآن میں کلام بھی الہی نفسی ہے اور تکلم بھی الہی نفسی ہے اس لیے جوہر سے اس کو اپنی قرأت کر کے ارشاد
 فرمایا ہو اور یہ قرآن کہلاتا ہے وہ ہی کلام نفسی الہی ہمارے لئے کلام نفسی ہو جاتا ہے اور وہی تکلم نفسی الہی
 ہمارے لئے تکلم نفسی الہی ہوتا ہے فرق اس قدر ہے کہ ہمارے تکلم نفسی اور کلام نفسی خارج اور جہانیاں سے
 حاصل ہوتا ہے کلام لفظی اور تکلم لفظی سے خواہ نبی کے یا استاد کے ذریعہ سے برخلاف آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے اُن کو وہ کلام نفسی الہی اور تکلم و دونوں عالم مجردات سے حاصل ہوتا ہے ہم جس طرح نقوش سے
 حاصل کرتے ہیں اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو جبریل سے حاصل کیا جبریل حضرت کے لیے
 استاد نہ تھے بلکہ اُن کی حالت ویسی تھی جیسی کہ ہمارے لیے مکتوب قرآنی کی ہے اللہ جل شانہ نے اپنے
 کلام و تکلم نفسی کو جبریل میں خالی کر دیا اور اُس کو قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے حاصل کر لیا
 جس طرح ہمارے لیے آواز بند کرنے کا آلہ ہے اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جبریل ہیں
 مگر جبریل کی ایک حقیقت روحانی ہے جو اپنے عالم میں موجود ہے پھر اُس کا وجود بھی مثال اعلیٰ میں ہوتا ہے
 کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن کو اصلی قطع میں نے دیکھا کہ ان کو بھرے ہوئے تھے
 یہ احاطہ و فکر روحانی کی مثال تھی اور یہ صلی اور اولیٰ قطع تھی اور کبھی اُس کو عالم مثال دینی برنخ میں کیا
 جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے باوجود اسکے وہ ایک حقیقت واقعی روحانی ہیں مگر عالم جسمانی میں وہ عین ات
 علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہیں اور اُن کے احوال بمجاہز اختلاف عوالم اور اُن کے عوارض کے ہو
 جس طرح آفتاب کو تم دیکھتے ہو اور پھر وہ عالم حسن اور عالم خیال و عالم ذہن میں موجود ہوتا ہے مگر اُس کے
 احوال بدلتے جاتے ہیں عقل میں وہ تمہارے ذہن کا موجود ہوتا ہے اور اعراض ذہنیہ کے ساتھ
 متکیف ہوتا ہے۔ جبریل ایک روزن کے ساتھ زاید مشاہد ہیں جس نے اللہ کی قرأت آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کو حاصل ہوتی ہے اُن کا تشریف لانے کا حال ویسا ہی ہے جیسا کہ تم عالم مثال میں دیکھتے ہو کہ

فلان آیا اور فلان گیا مگر نہ انکی مسافت ہوتی ہو نہ اُسکا راستہ ہوتا ہو باوجود اسکے پھر دروازہ سے آتے ہوئے خواب میں اشخاص کو دیکھتے ہو۔

بہر حال چونکہ تم نے قرأت الہی یعنی کلام تکلم دونوں کو پایا ہو اس واسطے تم اہل قرآن ہو لیکن یہ مرتبہ بہت بڑا ہے کہ تم جب قرأت کرتے ہو تو متصف ہو جاتے ہو صفت الہیہ کے ساتھ گویا سلوک کا اعلیٰ مرتبہ طرہ ہوتا ہو اور بارگاہ قرب میں باریابی پاتے ہو اس واسطے اُس بارگاہ کے لیے ایک دروازہ ہر وہ دروازہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہو قرآن میں فرماتا ہو اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ چاہیے تھا کہ استعذ باللہ کہتے مگر عبداللہ بن مسعود نے جب استعین باللہ پڑھا تو اپنے فرمایا کہ اعوذ باللہ اسی طرح مجھے جبریل نے بتایا اور انھوں نے لوح محفوظ سے اور لوح محفوظ میں جناب باری سے لفظ اعوذ باللہ نازل ہوا لہذا لفظ اعوذ باللہ اختیار کی گئی بجائے لفظ استعین باللہ کے اگرچہ لفظ قرآنی اسکے موافق ہے اسکے معنی میں کہ اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے وسیلہ سے شیطان رجیم مود سے۔

قرآن کے معنی سمجھنا آسان نہیں ہو اس واسطے کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہو اور جس قدر وجوہ اعجاز ممکن ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں اور ہمیشہ موجود رہینگے کہ آنحضرت کی نبوت کے اوپر دلالت کرتے ہیں اور نبوت عام اور ہمیشہ رہنے والی ہو اس واسطے دلیل بھی ویسی ہی عام اور شامل تمام وجوہ اعجاز کو اور ہمیشہ رہنے والی ہونا چاہیے اُن تمام وجوہ کا احصاء تو ناممکن ہو مگر مدعا موافق ضرورت کے سمجھنے کے لیے علم لغت عربی کا جاننا اور قواعد اور نحو عربی سے واقف ہونا علم معانی و بیان اور بدیع سے آگاہ ہونا اور حدیث اور اصول حدیث سے واقف ہونا اور فقہ اور اصول فقہ سے اور علم تجوید و قرأت سے واقف ہونا ضروری ہو باوجود اسکے فہم مستقیم اور فراست صحیحہ کا ہونا بھی ضروری ہو اور تفسیر بالراے کرنا درست نہیں ہو مگر تفسیر بالراے سے یہ ہو کہ خلاف علوم مذکورہ کے دل سے گر ٹھہر لینا معنی کا صحیح نہیں البتہ فراست اور علم سے گمنا درست ہو بلکہ نکات صوفیہ ایک خاص لطف دیتے ہیں اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہو کہ قرآن کا ظاہر ہو اور باطن ہو ایک مطلع اور حد ہر حد سے تجاوز نہ ہو تو تاویل بھی درست ہو۔

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

سورہ فاتحہ کئی ہے اور وہ سات آیتیں ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے ہو جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہو

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مَلِكِ يَوْمِ

سب تعریف اللہ کو ہی جو سارے جہان کا پالنے والا ہو بہت مہربان نہایت رحم والا ہو

الک

الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ

انصاف کے دن کا تیری ہی بندگی ہم کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں

چلا بہکو

الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ هُ عَنِ

سیدھی راہ راہ اُن کی جن پر تو نے فضل کیا

نہ جن پر

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ آمِينَ

غصہ کیا گیا نہ جو بھٹکے ہوئے ہیں اے اللہ قبول کر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الفاتحہ سورۃ یہ لفظ سورۃ البلد سے ماخوذ ہے اس کے معنی شہرِ پناہ کے ہیں وہ محدود و ممتاز کرنے کے لیے ہے اسی طرح جو کلام محدود و ممتاز ہے اور سابق و لاحق سے اُسکو جدا کر دیا ہے اُسکو سورۃ کہنے لگے ہیں قرآن شریف میں اس طرح کے ممتاز کلام کے لیے بسم اللہ الرحمن الرحیم علامت

ٹھہرائی گئی ہو جس جگہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہو سوائے سورہ نمل کے کہ جزو اور داخل ہر دوہ جگہ سورہ کی ابتدا کی ہو اور اسکے اوپر اگر کوئی کلام ہو تو اُس سے جدا کرنے کی علامت ہو۔

اس لحاظ سے قرآن شریف میں ایک اللہ وجودہ جگہ بسم اللہ لکھی ہو سو رتوں کی بھی یہی تعداد ہے کیونکہ سورہ براءۃ کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے اس واسطے اُسکو مستقل سورہ نہیں کہا جاتا ہے بلکہ سورہ انفال کا تتمہ ہے بعض نے اسکو بھی سورہ مانا ہے اور بسم اللہ نہ ذکر کرنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ اُس میں چونکہ جدال و قتال کا حکم ہے اور غضب آتی کا وعدہ ہے اس واسطے اُس سورہ کو آیہ رحمت سے شروع کرنا مناسب تھا اس اعتبار سے ایک سو پندرہ سو رتیں قرآن شریف کی ہوئیں۔ جو سورہ قبل ہجرت کے نازل ہوئی ہو اُسکو مکی کہتے ہیں اور جو بعد ہجرت نازل ہوئی ہو اُسکو مدنی کہتے ہیں اس اعتبار سے یہ سورہ جسکو سورہ فاتحہ کہتے ہیں مکی ہے اس واسطے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ قبل ہجرت بلکہ قبل بعثت نازل ہوئی کیونکہ وقت نزول میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شریک زندگی زوجہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی کہ جب میں تنہا ہوتا ہوں تو یا عہد یا عہد کی صدا سنتا ہوں انھوں نے مشیرہ دیا کہ حضرت ابوبکر کے ساتھ جا کے حضرت ورقہ بن نوفل سے اس حالت کو ذکر کیجئے چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا تو ورقہ نے آپ کو ہدایت کی کہ جب اس قسم کی آواز آپ سنئے تو اُسکی طرف متوجہ ہو جیے چنانچہ آپ نے پھر جو یا عہد کی ندا سنی تو آپ نے فرمایا لبیک تو اُسوقت یہ سورہ نازل ہوئی ارشاد ہوا کہ بڑھو ۱۱۱ اللہ الرحمن الرحیم ۱۱۱ الحمد للہ آخر سورہ تک اس سے معلوم ہوا کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی اُسوقت تک ورقہ زندہ تھے اور ورقہ قبل بعثت کے وفات کر گئے یہ ایک بزرگ تھے جنھوں نے شرک کو ترک کر کے توحید اختیار کی تھی اور عیسائیت میں داخل ہو گئے تھے تو ریت اور انجیل کو عبرانی سے عربی میں ترجمہ کرتے تھے اہل کتاب کے علوم سے آگاہ ہو گئے تھے انکے پاس اول نزول کے وقت بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا خود لیگئی تھیں اور پھر حضرت صدیق کے ہمراہ بھیجا۔ اس سورہ کو سورہ فاتحہ اس واسطے کہتے ہیں کہ ترتیب قرآنی میں یہ سورہ سب سے پہلے ہے اگرچہ اسکے پہلے اقراء اور ن اور ہل و ہل ثر نازل ہو چکی تھیں۔ سورہ کے نام توقیفی یعنی شاعر کی طرف سے معین ہیں جس طرح کتب منزلہ سادہ میں اجزاء کے نام ہیں اسی طرح سو رتوں کے بھی نام ہیں کسی نہ کسی مناسبت کو ملحوظ رکھا گیا ہے کبھی جزو اول سے نام رکھا گیا ہے کبھی مقصد قصہ سے کبھی ممتاز شخص کے ذکر سے کبھی بلحاظ حکم کے نام

رکھا گیا ہو کسی نہ کسی مناسبت سے اس سورہ تون کے شایع علیہ السلام نے ارشاد فرمائے ہیں ایک سورہ کے مختلف نام بھی ہیں چنانچہ اسی سورہ فاتحہ کے اور بھی بہت سے نام ہیں بجز ان کے اسکو شافعیہ کا فیدہ کہتے ہیں سورہ شفاء کہتے ہیں اسواسطے کہ حدیث شریف میں آیا ہو کہ یہ شفاء تمام بیماری کی ہو سوائے موت کے اس سے امراض قلبی کو تو بالیقین شفا ہوتی ہو اور صدق دل سے پڑھنے کے سبب امراض ظاہری کو بھی شفا حاصل ہوتی ہو جیسا کہ تجربہ شاہد ہے اور سورہ عھل سورہ مشکو بھی کہتے ہیں اسواسطے کہ محمد کے معنی شکر کے ہیں خصوصاً جبکہ نعمت کے مقابل ہو اور ابتدا ہی اس سے اس سورت کی ہو اسکو سورہ دعاء اور سورہ سوال بھی کہتے ہیں کیونکہ اسمین دعا کرنے کا اور سوال کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہو اسکو سورہ کنز یعنی خزانہ بھی کہتے ہیں اسواسطے کہ اسمین حدیث وارد ہوئی ہو اللہ نے سورہ فاتحہ کو عرش کے کنز و خزانہ سے نازل فرمایا ہو اسکو سورہ اساس بھی کہتے ہیں اور اسکو ام القرآن و ام الکتاب بھی کہتے ہیں اسواسطے کہ یہ اصل دینا ہو تمام معانی قرآنی کی کیونکہ قرآن شریف میں یا تو ذات صفات توحید باری اور اُس کے اسماء و افعال کا ذکر ہو یا آخرت کا اثبات ہو یوم الجزاء کے احوال مذکور ہیں اسطرح طریقہ عبادت و احکام طاعت ہیں جبر و قدر کا ذکر ہو امثال چھون کے اور بیرون کے ہیں احوال آخرت صالح و طالح نیک کار و بدکار کے ہیں یہ سب امور مجملہ اس سورہ میں مذکور ہیں جیسا کہ مفصل آگے آتا ہو انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس سورہ کو سبعہ مثانی اور سورہ الصلوة بھی کہتے ہیں سورہ الصلوة اسو کلوتی ہیں کہ ہر نماز میں اسکا پڑھنا لازم ہو خواہ فرض جیسا کہ امام شافعی کا قول ہو کہ اگر یہ نہ پڑھی جاوے گی تو نماز ہی نہ ہوگی چاہے عمد ہو یا سہواً سہواً بھی سجدہ سہواً اسکے نقصان کو دور نہیں کر سکتا ہو امام پڑھنے والا ہو یا منفرد مقتدی ہو یا لاحق یا سابق ہر شخص پر فرض ہو کہ یہ سورہ نماز میں پڑھے خواہ اسکو پڑھنا فرض نہ سمجھا جاوے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہو واجب ہو لازم ہو صرف فرق ہو تو یہ ہو کہ اگر سہواً کسی نے اسکو ترک کیا اور سجدہ سو کر لیا تو اُنکے نزدیک نماز ہو جاوے گی اور باقی صورتوں میں اُنکے نزدیک بھی عادی لازم ہوگا۔ اسی طرح نماز میں اسکا ہونا خواہ حقیقہ ہو یا حکماً کافی ہو یہاں تک کہ امام کے پیچھے اگرچہ مقتدی نہ پڑھے مگر بقاعدہ قراءۃ الامام قراءۃ لہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہو نماز بغیر فاتحہ نہیں کہی جاسکتی ہو اسطرح امام اگر مسافر ہو اور مقتدی مقیم ہو تو حنیفہ کے نزدیک جب وہ دو رکعتیں اپنی ادا کرنے لگے تو بقدر قراءۃ فاتحہ کے خاموش کھڑا رہے کیونکہ وہ حکماً امام کے پیچھے ہو

اور امام کی قرآن حکماء وہاں موجود ہی ایسے ہی جبکہ صلوٰۃ خواتین اپنی نماز مقتدی ادا کرنے لگیں تو بھی بقدر قرآن فاتحہ کھڑے رہیں بعض احناف نے بھی ان دونوں صورتوں میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کا حکم دیا ہو بعض نے جہرہ کے علاوہ سترہ میں پڑھنے کو افضل سمجھا ہو بعض سکناات امام میں قرآن کا اس سورہ کے حکم دیتے ہیں باقی اور تمام صورتوں میں سب متفق ہیں کہ اسکو نماز میں پڑھنا ہوگا اور چونکہ ہر نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہو اسواسطے سبج مثانی کہتے ہیں اور سبج اسوجہ سے کہتے ہیں کہ سات آیتیں اس سورہ کی بالاتفاق ہیں بعض بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو ایک آیت مستقل لیتے ہیں اور انعمت علیہم کو آیت نہیں مانتے ہیں بعض انعمت علیہم پر آیت مانتے ہیں مگر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اجماع اللہ رب العالمین کو ایک آیت مانتے ہیں اور فرق کرنے کو ناپسند کرتے ہیں یہ مسلک شیخ اکبر محی الدین بن العربی کا ہو بعض بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو ایک مستقل آیت مانتے ہیں پھر یہ اختلاف کرتے ہیں کہ اسکو قرآن میں داخل سمجھنا چاہیے یا نہیں ایک گروہ قلیل کہتا ہو کہ مستقل آیت نہیں ہو بلکہ سورہ نمل میں جزو آیت نازل ہوئی ہو مگر محققین اسکو آیت مستقل سمجھتے ہیں قراء و فقہاء مکہ و کوفہ تو اسکو جزو سورہ مانتے ہیں اور دیگر فقہاء و قراء مدینہ و شام و بصرہ اور تمام عراق اسکو جزو سورہ نہیں مانتے ہیں جو لوگ اسکو جزو سورہ سمجھتے ہیں اُنکے نزدیک ضروری ہو کہ جب سورہ پڑھی جاوے تو اسکی بھی تلاوت کرنا چاہیے اور جس طرح نماز میں سورہ پڑھی جاوے اسی طرح اسکو بھی پڑھنا چاہیے صلوٰۃ جہرہ میں بالجہر اور صلوٰۃ سرہ میں بالخفاء و اسر پڑھنا چاہیے امام شافعی کا یہی مسلک ہو امام ابوحنیفہ اور دیگر کبار فقہاء اسکے قائل ہیں کہ آیت فصل سورہ کے لئے نازل کی گئی ہو جزو سورت نہیں ہو اس آیت کا نزول مراراً ہوا ہو جتنی سورتیں ہیں اتنی بار بلکہ ایک مرتبہ زائد سورہ نمل میں جزو آیت ہو کے نازل ہوئی ہو اس لحاظ سے بسم اللہ جزو فاتحہ نہیں ہو اور سات آیتیں اُسکے علاوہ اس سورہ کی ہیں اور اسکا پڑھا جانا فاتحہ کے طور سے نہ چاہیے بلکہ افتتاح کی دعا کے طور پر قبل سورہ فاتحہ کے پڑھے اور ہر نماز میں خواہ سری ہو یا جہری قرآن بسم اللہ کی بالسر ہو نا چاہیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ و دیگر کبار صحابہ سے یہی مروی ہو ہو کہ وہ لوگ الحمد للہ رب العالمین سے اپنی نماز کو پکار کر پڑھنے لگتے تھے اگر بسم اللہ جزو سورہ ہوتی تو اسکو بھی اسی سورہ کے طور پر پڑھتے۔

یہ کہنا کہ اُس حدیث سے جہن ذکر ہو کہ حضرت اور صحابہ النجھ للہ سے شروع کرتے تھے مقصد اُس سے سورہ الحمد للہ رب العالمین ہو یہ کہنا محض تفنن عبارت اور تحسین کلام ہو ورنہ کوئی شخص

اس طرح سے سورۃ کے نام کو ادا نہیں کرتا ہو اسی طرح یہ کہنا کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس شخص نے آیت بسم اللہ کو قرآن سے جدا کیا تو اُسے لیکھو پڑھو آیتیں ترک کر دین اور قرآن سے نکال دالین مسلک حنفیہ پر اس کہنے سے کوئی اعتراض نہیں ہوتا ہو اس واسطے کہ احناف اسکو آیت گردانے سے تو انکار کرتے ہیں آیت قرآنی سمجھتے ہیں مگر جزو سورۃ نہیں اعتقاد کرتے ہیں اگر سرے سے آیت نہ سمجھتے تو اہل قول ابن عباسؓ اُنکے مقابل دلیل ہوتا اس مسلک کی بنا پر جو شخص بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پکار کر پڑھے تو ویسا ہی ہو کہ جو قبل فاتحہ کے اتنی و تحمت و جھی للذی الایۃ پکار کر پڑھیں حالانکہ اسکا کوئی قائل نہیں ہو سورۃ فاتحہ کے قبل بسم اللہ پڑھنا حنفی کو بھی لازم کر لینا چاہیے اس واسطے کہ شافعی کی اُنکے عقب میں نماز ہو جائے اُن کے بعض کا یہ کہتے ہیں کہ اگر امام نے قبل فاتحہ کے اس قدر سکوت کر لیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی جاسکتی ہو اور حسن ظن کا مقتضی بھی ہو کہ یقین کرے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اس امام نے پڑھی اور جواز اقتداء کی صحت میں شک نہیں اور اگر اس قدر سکوت نہیں کیا ہو تو ظاہر اسی حکم ہوگا کہ نماز میں فاتحہ بدون بسم اللہ کے پڑھی اور ناقص ہو لیکن فقہائے حنفیہ کے نزدیک مکمل مفتی یہ ہے کہ ختم سورۃ کے وقت بسم اللہ نہ پڑھنا چاہیے اگرچہ بعض نے اسکے خلاف کہا اور ختم آیات غیر سورہ میں بسم اللہ کا پڑھنا کسی کے نزدیک نہیں لازم ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لوگوں نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ طریقہ کہ بسم اللہ سے کام شروع کیے جاویں اسلام کی ایجاد ہو یا اگلے ائمہ میں بھی یہ طرز تھا ایک گروہ کہتا ہے کہ پہلے اسلام میں یہ شروع ہوا کہ بسم اللہ سے کام کی ابتدا ہوئی دوسرا کہتا ہے کہ یہ طریقہ ہمیشہ سے ہی خصوصاً کتب مقدسہ میں ابتدا بسم اللہ سے ہوتی چلی آئی ہو اور خطوط و کتب کی ابتدا بھی اس طریقہ سے صلحاء و انبیاء کرتے رہے ہیں جیسا کہ خود قرآن شریف میں حضرت نوح کا قول بسم اللہ بھی تھا و مرسلہا اور حضرت سلیمان کا قول اذ من سلیمان واذ بسم اللہ الرحمن الرحیم مروی ہوا ہے اور بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کی ابتدا بسم کلاب و الابن و الامہ سے ہوئی ہے اور بعض کتب میں بجائے الامہ کے روح القدس کی لفظ مروی ہے یہ بھی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے اور قدیم نسخ تورات و زبور بلکہ اساطیر وغیرہ کے دیکھنے والے ذکر کرتے ہیں کہ ان کتب کی ابتدا میں ہم معنی بسم اللہ کے عبارت مذکور ہوتی ہے۔ جو لوگ اسکو اسلام کی ایجاد تو ہیں اُنکا خیال ہے کہ کتب قدیمہ میں واصل اس قسم کی عبارت نہیں تھی بلکہ بعد کو قرآن شریف کی دیکھا دیکھی اس قسم کی عبارت لکھ دیے گئے مگر صراحتاً اس کے

خلاف وہ روایت ہو کہ جس سے معلوم ہوتا ہو کہ کفار قریش اپنے کتب و خطوط کو اپنے بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باسمک اللہم سے شروع کرنا اختیار کیا مگر جب قل ادعوا للہ وادعوا للرحمن آیا مانتدعوا فله الاسماء الحسنیٰ نازل ہوا تو آپ نے بسم اللہ الرحمن سے شروع اختیار کیا پھر جب سورہ نمل میں حضرت سلیمان کی عبارت نازل ہوئی تو آپ نے بھی اُسی کو اختیار کیا بسم اللہ الرحمن الرحیم اس سے معلوم ہوا کہ قریش کی عادت تھی کہ بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے ظاہر ہو کہ اسی طریقہ سے موحدین اہل کتاب خدا کے نام سے شروع کرتے ہوئے حق یہ ہو کہ خدا کے نام سے شروع کرنا تو قدیم ہو مگر اس عبارت مخصوص سے اسما کے ساتھ شروع کرنا اسلام سے شروع ہوا ہے۔ حضرت سلیمان کی عبارت کا ترجمہ عربی میں ان اسما کے ساتھ کیا گیا ہے اسمین شک نہیں ہو کہ عبارت عربی مخصوص میں جو قواعد ہیں وہ دوسری زبان میں حاصل نہیں ہو سکتے ہیں اُنکے لحاظ سے اگر اسکو مخصوصات اسلام سے شمار کیا جاوے تو بالکل بجا ہو جو لوگ زبان عربی کے قواعد سے صرف۔ نحو۔ معانی۔ بیان۔ بدیع سے واقف ہیں اُنکو معلوم ہو کہ اس عبارت میں کیا غبی ہو مختصر اُسکے لیے چند امور کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں لفظی تحقیق سے اس امر کی وضاحت ہو جاوے گی کہ یہ الفاظ سرشتہ خمیون کا ہیں۔ پہلا حرف باء ہی جو حروف جار سے ہو حرف جار کا محل مقولیت ہو اسی وجہ سے باء مثلاً فعل لازم کو متعدی کر دیتی ہو جیسے مرت۔ بزید میں یا قام بہ میں فعل کو زید پر واقع کر دیا ہو اس حرف کو اختیار کرنے میں بہت سی خوبیاں ہیں منجملہ اُنکے یہ ہے اس کے معنی مصاحبت کے اور استعانت کے اور برکت کے یہاں صحیح ہوتے ہیں اور بھی معانی ہیں جیسے قسم اور انصاف وغیرہ انکے احتمال کو بعید سمجھا جاتا ہو اور اسرار اس حرف کے ساتھ ابتدا کرنے میں یہاں چند امور ذکر کرتا ہوں اگرچہ اُسکے اسرار بہت ہیں منجملہ اُنکے یہ ہو کہ پہلا حرف الف ہو مگر الف میں ترغ و تکبر ہو اور بے میں کسر و تواضع ہو الف کو اختیار نہ کرنا اور باء کو اختیار کرنا اشارہ اس جانب ہو کہ جو تواضع کرتا ہو اُسکو تقدم دیا جاتا ہو اور اُسکو اللہ رفعت عطا فرماتا ہو دوسرے باء مقدم کیا گیا اس واسطے کہ وہ الصاق کے لیے ہو اور الصاق مقدم و مقصود ہو تیسرے باء ہمیشہ مکسور ہوتی ہو اور اللہ فرماتا ہوا عند منکسر القلوب۔ جو تھے اسمین انکسار ہو اور اسکے ساتھ ہر ایک ہی نقطہ کو قبول کرتی ہو جس سے شائبہ صدیقین کا اسمین پایا جاتا ہو کہ وہ انکسار فردنی کے باوجود محبوب واحد کے طالب ہیں یا پھر اسمین صدق طلب کی جانب اشارہ ہو کہ قربت حق کی طلب میں دنیا کو جو منظر نقطہ کے زیر پا کر دنیا چاہیے چھٹے الف حرف علت ہو کلام پاک کی ابتدا

اُس سے بہتر و مناسب نہیں ہو سکتا تو بن حروف تام باء ہو اُس کے قبل کوئی حرف تام نہیں ہو سکتا تو بن حروف عامل ہو اور الف عمل نہیں کرتا ہو اس لیے باء مقدم ہو تو بن یہ حروف متقویٰ سے ہو کہ اُس کے ادا کرنے میں ہونٹھ کو اٹھانا پڑتا ہو تو اسوجہ سے اس میں رفعت ہو دسویں یہ حرف ہو کہ سب کے پہلے انسان نے اسی سے کلام کی ابتدا کی ہو جیسا اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ المست بد تک کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو اُس وقت مخلوق انسانی نے کہا بکلی ہاں اے رب ہمارا پروردگار ہو تو لفظ بلی سے ابتداء حکم ہوا اسوجہ سے ابتداء کلام قدیم بھی باء سے ہوئی۔

اسم کے معنی نام کے ہیں اللہ پر اسکا اطلاق بلحاظ ذات باری کے ہوتا ہو جیسے اللہ کا اطلاق کہ اُس سے مراد ذات جامع ہو جیسا کہ آگے آتا ہو یا بلحاظ صفت کے ہوتا ہو خواہ صفات سلبیہ ہوں جیسے قدوس یا صفات ثبوتیہ ہوں جیسے علیم یا بلحاظ فعل کے ہوتا ہو جیسے خالق۔ اسم کی اصل اخفش کے نزدیک اسم یا سم سے ہو اور فعل ماضی کو الف لام داخل کر کے اسم کر لیا ہو جس طرح آن یان کو آن کر دیا ہو بصری ناقص داوی خواہ یائی کہتے ہیں سمو یا سمی سے اسکو ماخوذ کرتے ہیں جسکے معنی علو کے ہیں بعض سمو اسکی اصل لیتے ہیں ہر حال میں داویا یا داو وغیرہ کو آخر سے حذف کر کے الف اصل اول میں داخل کر کے اسم کر دیا ہو کوئی اصل سمت سے لیتے ہیں جیسے وزن بن زنہ تا حذف کر کے ہمزہ اول میں داخل کر دیا سمت کے معنی علامت کے ہیں مگر اس طرح تصرف کرنیکی نظیر کلام عرب میں نہیں ہو اسوجہ سے معتبر پہلا قول معلوم ہوتا ہو کہ سمو معنی رفعت کے ہو۔ اس لفظ کے مختلف لغات میں مگر مشہور چار میں اور وہ بنا بر قول بصریوں کے ہو۔

ایک اسم دوسرے اسم بضم تیسرے رسم کسریں چوتھے رسم بضم سین جو لوگ ناقص داوی کہتے ہیں وہ ادعو کے وزن پر لیتے ہیں اگر ہمزہ ذکر کیا جائے تو اسم بضم ہمزہ وزن بضم سین کہتے ہیں اور جو یائی کہتے ہیں وہ ارم کے وزن پر کہتے ہیں اور کسور العزہ پڑھتے ہیں اور اگر ہمزہ حذف ہو تو کسور السین پڑھتے ہیں جو وقت باء کو دراز لکھتے ہیں تو الف کو نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں اور جب باء دراز نہیں لکھتے ہیں تو اُس وقت الف لکھا جاتا ہے یہ رسم خط ہے اسی وجہ سے بسملہ لکھتے ہیں اقرأ باسم ربك لکھتے ہیں باء کی درازی کی بہت سی علتیں ہیں مگر بڑی علت یہ ہو کہ الف کے گرنے پر دلالت کرتی ہو اور تخلیف ابتداء کلام کی مقصود ہوتی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ نے کاتب کو حکم دیا کہ باء بم اللہ دراز لکھو۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و تسمیٰ ہیں یعنی شرع کے ظاہر کرنے پر موقوف ہیں نجلہ ان کے اللہ ہو جس طرح ذات اُس کی

عقول کے ادراک سے باہر اسی طرح نام اُسکا ادراک کرنے سے انسان قاصر ہے اسی وجہ سے مختلف اقوال میں بعض کہتے ہیں یہ عبرانی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عربی ہے پھر عربی ہونے کی صورت میں اسم صفت ہو مشتق ہو یا جامد ہو علم ہو تفسیر بیضاوی میں ہے کہ یہ صفت ہو مگر ایسی صفت ہے جو بمنزلہ النعم کے ہے کہ ثریا ہی اُس سے مراد لیا جاتا ہے اسی وجہ سے اس پر دلائل علمیت کے بھی قائم کیے جاسکتے ہیں اور عدم علمیت پر بھی قائم ہونے میں جیسے کہا جاتا ہے یہ علم ہے ورنہ لازم آئے گا کہ کلمہ شہادت جو بالاتفاق کلمہ توحید ہو کلمہ توحید نہ رہے کیونکہ مشتق ہونے کی صورت میں ذات بہہ پر دلالت کرتا ہے اور ذات بہہ مانع شرکت کو نہیں ہے اور اگر اسکو علم مانئے تو ذات معینہ پر دلالت کرے گا اور وہ مانع شرکت ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ موصوف ہوتا ہے جیسا کہ اسی مقام ہبسم اللہ الرحمن الرحیم میں دو صفتیں ہیں جو لوگ کہتے ہیں علم نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ اسم صفت ہے اور اسم صفت علم نہیں ہو سکتا ہے علمیت میں شئی مشار الیہ ہو سکتی ہے اور اللہ مشار الیہ نہیں ہو سکتا ہے قرآن شریف میں آیا ہے وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَهُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسم صفت ہے اسکو صفت کے طور پر قرآن شریف میں ذکر کیا ہے العزیز الحمید اللہ الذی مگر اسکو دلیل میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ احتمال رکھتا ہے کہ مرفوع ہوا بتدراسے یا من قبیل هذه الدار ملک للعالم الفاضل زید کے ہے قرآن شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ هل تعلم له سمي اس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس اسم میں اُسکا کوئی ہمنام نہیں ہے بہر حال قاضی بیضاوی کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ جو لوگ اسکو جامد کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ کی ذات پر سلسل وجود ختم ہے اسی طرح لفظ اللہ پر بھی سلسل لفظی تمام ہے اشتقاق کی صورت میں تسلسل لازم آتا ہے مگر یہ دلیل نہیں لطیفہ ہے اور جامد کی تسلسل کلام ہونے کی توجیہ ہے۔ جو لوگ اسکو مشتق کہتے ہیں وہ اسکی اصل نکالنے میں اختلاف کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اسکی اصل افعال کے وزن پر آہ ہے فار کلمہ کو حذف کر کے الف لام داخل کیا اور اس پر دلیل اُنکے نزدیک یا اللہ ہو کہتے ہیں کہ یہ الف لام حذف نہیں ہوتا ہے اسوجہ سے کہ عوض میں فار کلمہ کے ہے اور بعض کہتے ہیں الہ یا الہ لا الہ والوہتہ یعنی بندگی کے ہیں اللہ معبود حق کو کہتے ہیں اور الہ مطلق معبود خواہ حق ہو یا باطل بعض کہتے ہیں الہ یا الہ کبسر العین فی الماضی وفتحہا فی الغابر اسکی اصل ہے اور معنی اسکے تجر کے ہیں الہ کی حقیقت کے ادراک میں ہر عقل متحیر ہے بعض کہتے ہیں الہت الی فلان سے ماخوذ ہے اسکے معنی سکنت الیہ کے ہیں قلوب اللہ کے ذکر سے تسکین پاتے ہیں بعض کے نزدیک ولہ سے ماخوذ ہے جسکے معنی یخبط عقلہ کے ہیں ہوا اللہ کی حقیقت کے ادراک میں عقل کو زور دیتا ہے

تو وہ آخرین متحیر اور عقل باختہ ہو جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں لاکھ پلاہ لاکھ سے ماخوذ ہے جسکے معنی
 ارفع کے ہیں اللہ مرفوع عقول سے ہے اور اُسکے معنی اس مادہ سے محجب کے بھی ہیں اللہ عقل سے محجب ہے
 بعض کہتے ہیں اللہ الفصیل اذا ولع بامہ سے ماخوذ ہے یا اللہ الرجل مالہ اذا فرغ بامر نزل علیہ سے
 ماخوذ ہے بہر حال اسکے اشتقاق میں تحیر ہی پتہ ٹھیک نہیں ہے لطیفہ اسم اور سستی ایک ہی یا علیحدہ علیحدہ
 یہ بڑی بحث ہے مقصود یہ نہیں ہے کہ تسمیہ اور اسم ایک ہی یا نہیں اسکے اوپر اسم کا اطلاق ہوتا ہے بلکہ
 بحث اس میں ہے کہ آیا باللہ اور بسم اللہ میں فرق ہے یا نہیں حق یہ ہے کہ فرق ہے اور ظاہر بھی یہ ہی معلوم
 ہوتا ہے مثلاً شکر کا نام اور شکر اگر ایک ہی ہو تو چاہیے کہ نام سے زبان شیریں ہو جاوے اسطرح ہر شے
 غیر موجودات میں جنکا تسمیہ ہے مثلاً عنقا ہے کہ اُسکا وجود کمین نہیں ہے کتنے موجود ہیں جنکا کوئی نام نہیں
 ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اور ہستی اور ہوا باللہ اور مقصد رکھتا ہے بسم اللہ اور مقصد
 رکھتا ہے بسم اللہ میں مقام وح کے ساتھ مناسبت خاص ہے جو باللہ میں نہیں ہے نام جسکا برکت والا
 ہو اُسکی برکت ذاتی کا کیا ذکر ہے اور شہانت و اعداد اُسکے نام سے کافی ہے الرحمن نعلان کے وزن پر
 مبالغہ کا صیغہ ہے اور الرَّحِيمُ فِعْل بھی وزن مبالغہ کا ہے عربی کا دستور ہے کہ اگر الفاظ میں زیادتی
 کرتے ہیں تو معنی میں بھی کثرت ہو جاتی ہے خواہ کمیت کے لحاظ سے یا کیفیت کے لحاظ سے اسوجہ سے
 راحم سے رحیم اور رحمن دونوں میں زیادتی ہے رحمن وہ ہے جو رحمت کرے ہر کس و ناکس پر یہ محل
 رحمت دنیاوی ہے کہ خداوند عالم گنہگار اور اطاعت شعار دونوں پر رحم فرماتا ہے پرورش کرتا ہے روزی
 دیتا ہے مقاصد پورے کرتا ہے حوائج بر لاتا ہے۔ رحمن میں لحاظ کیفیت کے مبالغہ ہے مگر یہ رحمت مخصوص
 دنیا کے ساتھ ہے رحیم میں بھی مبالغہ ہے مگر لحاظ کمیت کے کہ اُسکی رحمت دائمی ہے مگر وہ مخصوص ہے
 دار آخرت کے ساتھ اطاعت شعار اور ایما ندار کے لیے یہ رحمت ہے کفار رحمت رحیم سے محروم ہیں
 اسوجہ سے حدیث شریف میں دَحْنُ الدُّنْيَا وَ دَحِيمُ الْآخِرَةِ واروہوا ہے کبھی دَحْنُ الْآخِرَةِ بھی کہتے
 ہیں اور دَحِيمُ الدُّنْيَا بھی کہتے ہیں مراد اُس سے جلیل رحمت اور حقیر رحمت ہے وہ دنیا میں بھی ہوتی
 ہے ہر قسم سے رحمت اللہ کرتا ہے اور آخرت میں بھی بلا استحقاق رحمت کرتا ہے۔ رحمت کے معنی رقت قلب
 کے ہیں مگر وہ یہاں صحیح نہیں ہوتے بلکہ مراد ارادہ خیر ہے یا ایصال مقصود ہے اسوجہ سے رحمت آئینہ
 دو قسم کی ہیں ذاتی اور صفاتی ذاتی بھی دو قسم کی ہیں ایک عام مطیع و عاصی دونوں کے لیے
 دوسری صرف مطیع کے لیے اسطرح صفاتی بھی دو قسم کی ہیں ایک عام دونوں کے لیے دوسری
 خاص صرف مطیع کے لیے اسی وجہ سے اس جگہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہا گیا اور ایک جگہ بعد

پھر الرحمن الرحیم کہا گیا مگر اس جگہ ہم ذات کو موصوف ٹھہرایا ہے اور بلا واسطہ رحمت رحمانی و جہن کو عطا کیا ہے اس میں اشارہ رحمت ذاتی کے دونوں قسموں کا ہے دوسری جگہ بلا واسطہ رحمت رحمانی کے صفت ذات کی الرحمن الرحیم ذکر کی گئی ہے اس میں اشارہ رحمت صفاتی کا ہے اور اُس کی دونوں قسموں کو وہاں ظاہر فرمایا ہے رحمت ذاتی کی مثال وجودِ ہر اور وجودِ خاص انبیاء و صلحاء کا رحمت ذاتی خاص کی مثال ہے اور وجودِ عالم رحمت ذاتی عام کی مثال ہے رحمت صفاتی خاص کی مثال جنت ہے اور عام کی مثال دنیا ہے۔

توضیح کے لیے یہ سمجھو کہ جس طرح ریاست نظام میں ایک صرت خاص ہے اُس سے بھی داد و دہش ہوتی ہے مگر وہ ملوکہ رئیس کا ہے اور ایک دیوانی کا داد و دہش ہے کہ وہ بھی رئیس کا ہے مگر اعتبار بادشاہت کا اس میں ہے یا ایک ترکہ رئیس کا دوسری ریاست ایک ذاتی ہے دوسرے لحاظ و صفت میں کی ہے خدا کی رحمت خواہ ذاتی ہو یا صفاتی محتاج تحقیق کی نہیں ہے اس وجہ سے استحقاق کے بھی اُسکی رحمت ہوتی ہے اس وجہ سے اصل رحمت اُسکے لیے ہے خصوصاً وہ جسمین کوئی استحقاق کسی متم کا ملحوظ نہ ہو وہ رحمت رحمانی ہے اس وجہ سے رحمن مخصوص اللہ کے لیے ہے کسی دوسرے پر اطلاق نہیں کیا جاسکتا ہے اور منبرِ علم کے ہو قل ادعوا اللہ وادعوا الرحمن وادعوا ہی صفت ہے تو بھی مختص حضرت الہی کی ذات کے ساتھ ہے اسی خصوصیت سے الرحمن ذکر میں مقدم کیا گیا ہے اور اللہ کے ساتھ لایا گیا ہے برخلاف رحیم کے کہ وہ مخصوص نہیں ہے حالانکہ چاہے تھا کہ پہلے رحیم ذکر کرتے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے اُسکے بعد رحمن ذکر کرتے مگر لحاظ اس خصوصیت کا کیا گیا کہ رحمن خاص اللہ ہے یہ بھی ممکن ہے رحمت رحمانی مقدم ہے رحمت رحیمی کے ساتھ یہ امر ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا اور جو رحمت کرتا ہے اُس رحمت کی کوئی نہ کوئی علت و داعی ہوتا ہے مثلاً ثواب کی غرض سے رحم کیا جاتا ہے کسی سے اعانت چاہی جاتی ہے اُسکی وجہ سے رحم و مہربانی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کبھی اس غرض سے مہربانی کرتے ہیں کہ لوگ تقرب کریں کبھی مال دولت کی محبت و در کرنے کی غرض سے عفت بخل سے نجات حاصل ہونے کی باعث مہربانی سے پیش آتے ہیں اور ایسے اسباب ہوتے ہیں برخلاف اللہ تعالیٰ کے کہ اُسکی رحمت بلا داعیہ ہوتی ہے ہوا سطر رحمت رحمانی اُسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رحمن کو خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ اُس میں مبالغہ زائد ہے اور رحمت اللہ کی تمام مخلوق سے بڑھی ہوئی ہے خواہ اس لحاظ سے کہ مکمل اور اوست ہے خواہ اس اعتبار سے کہ جو کوئی مخلوق کسی پر مہربانی کرتا ہے وہ شے قدرت الہی سے اُس مخلوق کے اختیار میں آئی ہے تو حقیقتہً مہربانی

اللہ کی ہر اور یہ مخلوق واسطہ اُس مہربانی کا ہو تو کوئی رحمت کسی رحم کرنے والے سے صادر ہو
 اللہ ہی کی رحمت ہو اور اُسکی رحمت علاوہ اس مخلوق سے ظاہر کرنے کے بہت زائد کسی کو کوئی
 گیہون دیتا ہو وہ اُگائے ہوئے اللہ کے ہیں پھر بانی دہوا اُسکی رحمت ہو اور بھی ظاہر ہے کہ
 مخلوق اپنے فوائد کی غرض سے انعام کرتا ہو اور خدا مخلوق کے اور نعم علیہ کے فوائد کی غرض سے انعام
 کرتا ہو اُسکو خود کوئی فائدہ نہیں ہو اسواسطے رحمت اُسی کی ہو وہ احوال عباد سے واقف ہو کے
 اُنکے موافق انعام کرتا ہو اور بادشاہ بغیر واقفیت حال منعم علیہ کے انعام کرتا ہو جو انعام نہیں
 رہتا ہو بلکہ باعث بربادی ہو جاتا ہو اسواسطے صحیح معنی میں انعام اللہ کا انعام ہی اُسکے لیے صیغہ مبالغہ
 رحمن مخصوص ہو بحث رسم خط اوپر باکا مذکور ہو چکا ہو اب دیگر کلمات کا بھی ذکر کر دینا مناسب ہو
 اللہ دو لام سے لکھا جاتا ہو اور ایک سے لکھنا صحیح نہیں ہو برخلاف الذی کے کہ وہ ایک لام سے
 لکھی جاتی ہو اسکے وجہ میں ایک وجہ یہ ہو کہ اللہ منصرف ہو اور الذی مبنی دوسرے اگر ایک
 لام اللہ سے حذف کر دیا جاوے تو التباس آکے سے ہو جاوے برخلاف الذی کے کہ اُس میں
 کوئی التباس کا اندیشہ نہیں ہو اسی طرح رحمن میں الف گرا دیا گیا مگر رحیم میں یا گرا لئی نہیں گئی
 اسواسطے کہ رحمن میں کوئی التباس نہیں اور رحیم میں رحم سے التباس ہو جسکے اندیشہ سے
 رحیم میں یا رہتی رکھی گئی۔

بحث اس امر کی کہ بسم اللہ جزو فاتحہ ہو یا نہیں سورہ فاتحہ کے نام کے ذکر میں بیان
 ہو چکی ہو اور اسی طرح سورہ فاتحہ کے ساتھ اُسکے پڑھنے کی بھی بحث ہو چکی ہو بہان پر اسقدر
 اصنافہ کیا جاتا ہو کہ احناف کے نزدیک بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورہ فاتحہ کے ساتھ رکعت
 اولیٰ میں واجب ہو اور جب سورہ فاتحہ پڑھی جاوے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا واجب ہو یا نہیں اس میں
 دو قول ہیں مگر مقدم وہی ہو کہ پڑھنا واجب نہیں ہو تحب کے سب قائل ہیں حضرت انس بن مالک
 کی روایت پر احناف نے عمل کیا کہ فرماتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے پیچھے
 نماز پڑھی آنحضرت نے الحمد للہ سے نماز کی ابتدا کی اور بعض روایت میں ہو کہ وہ لوگ بسم اللہ
 ذکر نہیں کرتے تھے ایک روایت میں ہو میں نے اُن سے بسم اللہ نہیں سنی ایک روایت میں ہو
 وہ حضرات بسم اللہ کو بالجہ نہیں پڑھتے تھے اور عبد اللہ بن مغفل کی روایت میں ہو کہ اُنھوں نے
 بسم اللہ بیکار کے پڑھی تو اُنکے والد نے فرمایا کہ اے بیٹے نئی بات کو دین میں نہ پیدا کر میں نے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کے پیچھے نماز پڑھی وہ لوگ بسم اللہ کو

بالجہر نہیں پڑھتے تھے۔

حاصل یہ ہو کہ بسم اللہ جزو قرآن ہو مگر جزو سورہ فاتحہ نہیں ہو اسی وجہ سے اُسکو جہر یہ میں بھی بالجہر نہیں پڑھتے ہیں اور بسم اللہ کے پڑھنے کو لازم سمجھتے ہیں تو جو روایتیں بسم اللہ کے پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں وہ ہمارے مذہب کے منافی نہیں ہیں جو بالجہر پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اُن سے بیان جواز یا اعلام قرأت بسم اللہ سمجھا جاتا ہو نہ تو لزوم جہر ثابت ہوتا ہو کہ جہریت پر دلالت کرے نہ افضلیت جہر کی ثابت ہوتی ہو جیسے ابو ہریرہ کی حدیث یا جابر بن عبد اللہ کی یا علی کرم اللہ وجہہ کی یا ام سلمہ کی یا ابن عباس رضی اللہ عنہم اُن سب سے بسم اللہ کے پڑھنے کا ثبوت ہوتا ہو یہی مذہب ہمارا ہو۔ فضائل بسم اللہ احادیث صحیحہ میں بہت منقول ہوئے ہیں مجملہً انکے یہ ہو کہ جنت کی نہرین بسم اللہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے قبۃ سے نکلتی ہیں اور ایک روایت سے ثابت ہوتا ہو کہ جس کا غذ پر اللہ کا نام لکھا ہوتا ہو اور وہ زمین پر پڑا ہوتا ہو اُسکو اگر کوئی اٹھاتا ہو اللہ کے نام کی عزت کے خیال سے تو وہ شخص صدیقین کے زمرہ میں شمار ہوتا ہو۔ حضرت عمر کو قیصر روم نے اپنے دروہ کی شکایت لکھ بھیجی آپ نے اُسکو ایک ٹوپی مرحمت فرمائی جب وہ پہنتا تھا دروہ سر جاتا رہتا تھا اُس ٹوپی کو کھول کر اُس نے دیکھا تو اُس نے مکتوب پایا بسم اللہ اُسکی برکت سے دروہ سر دفع ہو جاتا تھا۔ دُر مختار میں ہو کہ ربیت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھ دی گئی تو عذاب کے فرشتے واپس ہو گئے اللہ کے نام کی بڑی برکت ہو اور اُسکے نام کے یاد کرنے سے دینی و دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ سے ارشاد ہوا کہ دنیا زہر قاتل ہو اور میرا نام تریاق ہو۔ حضرت رابعہ کے گھر میں چور آئے جب متاع لیکے چلے تو اندھے ہو گئے تین بار ایسا ہی واقعہ ہوا کہ جب چھوڑا تو بینا ہو گئے جب لے چلے تو اندھے ہو گئے آخر میں آواز آئی کہ یہ ہر وقت ہو گیا دکرئی ہیں اس واسطے اس وقت وہ سو رہی ہیں ہم اس کی پاسبانی کرتے ہیں جس شے پر بادشاہ کا نام لکھ دیا جاتا ہو اُسکو جو سرمہ نہیں کرتے ہیں جہاں اللہ کا نام ہوتا ہو نہ شیطان اثر کر سکتا ہو نہ چور نہ درندے جسکے متعلق قصص مختلف کتب میں مروی ہوئے ہیں۔ بسم اللہ بلیک اسم جامع جلالی و جالی ہو دو اسم جالی بن اسمین اشارہ ہو کہ تہرے ہمیشہ رحمت زائد ہو یہ تین اسم اسوجہ سے اختیار کیے گئے کہ اقسام مخاطب قرآن کے تین ہیں ذنہم ظالمہ نفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات آخر کے لیے اسم اللہ اور مقتصد کے لیے اسم رحیم اور ظالمہ نفسہ کے لیے اسم رحمن ہو۔ واللہ اعلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَلْ اِسْتِغْرَاقُ کا ہو یا عہد کا ہو اور لام یا اختصاص کا ہو یا ملک کا ہو

یا استیلا و قہر کا ہی جیسے اجل للفرس اور الدار لریز اور البلد للسلطان ان سب معنوں میں لام صحیح ہو سکتا ہے۔ شکر خالص طور پر اُس خدا کے لیے ہر جسکے سواے کوئی معبود حق نہیں ہو اُسکے علاوہ کوئی مستحق شکر نہیں ہو خواہ وہ معبود باطل ہوں یا دوسرے مخلوق ہوں کیونکہ بقدر انعام میں سب اُسی سے ہیں اُس نے طاعت و فرمانبرداری کے لیے ہمارے اجسام و آلات صحیح و درست عطا فرمائے ہیں۔ بدنی اعضا ہمارے قابو میں بنائے ہم اُن سے اُسکی فرمانبرداری و عبادت کر سکتے ہیں فرائض ادا کر سکتے ہیں اُس نے ہکمزق دیا اور اُسکو ہمارے جرموں کے باعث کم نہیں کیا بلکہ وسعت و ذوق عطا فرمائی اور غذادی جس سے اچھی طرح زندگی بسر ہوتی ہو بغیر اُسکے کہ ان انعامات کا ہکمزق و استحقاق ہو یا اُسکے اوپر یہ انعام لازم ہوں پھر اُس نے ان انعامات پر یہ انعام کیا کہ ہکمزق اپنی طرف متوجہ کر سکیو تنبیہ کی غفلت سے ہوشیار کیا اور دین حق کی دعوت دی اور اُن اسباب کو مہیا کیا جن سے ہم دائمی خلوت و جنت میں حاصل کر سکیں اور عذابِ مغللہ سے نجات پائیں یہ انعام میں جسکے باعث ہم اُنکی ثنا کرتے ہیں اُسکی مدح کرتے ہیں وہی لائق شکر ہو وہی سزاوار حمد ہو اُسکا شکر زبان سے بھی دل سے بھی اعمال سے بھی ظاہر بھی باطن بھی اول بھی آخر بھی ہر آن و ہر لحظہ ادا کرنا چاہیے جہاں تک ممکن ہوتا ہو ہم اُسکا شکر ادا کرتے ہیں مگر صحیح حمد و شکر اُسکا ادا کرنے سے ہم قاصر ہیں خصوصاً جس طرح وہ خود اپنے افعال سے اپنی حمد کرتا ہو اُس طرح تو ہماری قدرت سے باہر ہو کہ ہم اُسکی حمد کریں اُسکا نام اللہ ہو جسکی تفسیر اور برگزیدگی ہو وہ رب ہو کلام عرب میں رب کے معانی مختلف ہیں سید مطاع سزا جسکی اطاعت کی جاتی ہو اُسکو بھی رب کہتے ہیں اور اُس شخص کو بھی رب کہتے ہیں جو کسی شے کی اصلاح کرتا ہو اور اُسکو بھی رب کہتے ہیں جو کسی شے کا مالک ہوتا ہو تو یہ یا تو معنی میں فاعل کے ہر اسم صفت یا مصدر ہو کہ اطلاق اُسکا فاعل پر مبالغہ ہو جیسے زید عدل ہے ظاہر ہو کہ ہمارا پردہ گاہ سردار و سید ہو جسکے مشابہ و مثیل کوئی دوسرا نہیں ہو اُسکی سرداری ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہو اور اصلاح خلق اُسی کے یہ قدرت میں ہو اُسی کی وجہ سے درستی عالم کی ہو وہ مالک ہو جسکے اختیار میں امر و خلق دونوں ہیں۔ عالم ماسوا اللہ ہو جمیع ہر جسکا واحد نہیں ہو اسکے اجناس و انواع ہیں اور ہر نوع عالم ہو اور ہر نوع کے افراد موجودہ اپنے زمانہ میں عالم ہیں اس لحاظ سے اُنکی جمع کی جاتی ہے عالم جن عالم ہو اور اس زمانہ کے موجود جن عالم ہیں اسی طرح عالم ملائکہ عالم ہیں عالم انسان عالم ہیں اور اس زمانہ کے انسان عالم انسان ہیں سب اقسام حیوانات وغیرہ مگر چونکہ عالم میں انسان اور فرشتہ بھی ہیں اور وہ ذوالعقول سے ہیں اس واسطے جمیع اُنکی ذوالعقول کی جمع کے طور پر آتی ہو

العالمون اسوجہ سے یہاں رب الغلمین ارشاد فرمایا وہ اللہ مالک ہر سید ہو درست کر نیوالا ہو تمام عالموں کا خواہ وہ عالم ملک ہوں یا ملکوت جن ہوں یا انس حیوان ہوں یا نباتات غرض کہ سب کا سردار مصلح مالک ہو۔

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اسکی تفصیل درگذر چکی ہو اور ہم چونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جزو فاتحہ نہیں سمجھتے ہیں اسواسطے اسکی توجیہ کی ضرورت نہیں کہ تکرار کیوں کی گئی ہو اسپر بھی ہم اسکی طرف اشارہ کر چکے ہیں مگر جو لوگ اسکو جزو کہتے ہیں انکے لیے توجیہ کرنا ضروری ہو ورنہ ہمارا اعتراض اون پر واقع ہوتا ہو کہ تکرار بلا فضل ہو اسواسطے کہ تقدیر کلام یون ہو الحمد للہ الرحمن الرحیم رب العالمین مالک یوم الدین تاکہ ادب و صواب مناسب یکجا ہو جاوے کلام عرب میں اس قسم کی تقدیم و تاخیر اکثر ہوتی ہو جیسا کہ الحمد للہ الذی انزل لک کتاب و لہو یجعل لہ عوَجًا فیمّا یمّا مقدم ہو معنا اور مؤخر ہو لفظاً جیسا کہ آگے انشاء اللہ آویگا۔

مَلٰٓئِکَ یَوْمَ الدِّیْنِ بعض مالک پڑھتے ہیں یہی مختار احسان ہو اور اسکے پڑھنے میں اجر زائد ہو جو اسکے کہ ایک حرف زائد ہو اور قرآن کے ثواب میں مروی ہو ہو کہ ہر حرف کا ثواب ملے گا اور بعض طائفت بمعنی بادشاہ کہتے ہیں یہ مختار دیگر علماء کا ہو بعض نے مالک کو نصب کیا پڑھا اور انکی تاویل یہ ہو کہ یا مالک یوم الدین تاکہ آگے کا خطاب ایاک نعبد صحیح ہو جاوے مگر یہ امر قابل لحاظ نہیں ہو اسواسطے کہ غیبت سے حضور کی جانب التفات شایع ہو اور متواتر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالجہر مروی ہو کہ وہ صفت بعد صفت اللہ کی ہو البتہ بلحاظ معنی کے مالک پڑھنے میں فائدہ زائد ہو اسواسطے کہ اس میں تخصیص اس بات کی ہو کہ مالک تو وہ عالم بھر کا ہو جیسا کہ رب العالمین سے معلوم ہو گیا مگر ملک بھی اُس دن اُسی کے لیے ہو اور یہ جو مدعی بادشاہت ہیں یا دنیا کے بادشاہ ہیں اُس دن کیسی بادشاہت نہ رہے گی اللہ ہی کے لیے بادشاہت ہو جاوے گی اسلیے ارشاد ہوا ہر یوم ہم ہارنوں لَا یُغْنِیْ عَلٰی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ مَنْ اَمْلٰکَ الْیَوْمَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ اَلْیَوْمَ الدِّیْنِ جزا کا دن اور حساب کا دن اسواسطے کہ دین کے معنی حساب و جزا کے کلام عرب میں آئے ہیں اور یہی معنی دین کے ہیں مگر اس جگہ مراد اُس سے مناسب تر یہی معنی ہیں فلولا ان کنتم غیور مدینین سے یہ ہی سمجھا جاتا ہو۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ اے اللہ ہم تیرے ہی لیے خشوع و خضوع و ذلت و سکت کرتے ہیں اور تیرے ہی لیے اقرار و بیعت کرتے ہیں کسی دوسرے کے لیے ربوبیت نہیں سمجھتے ہیں۔

وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تیری ہی مدد ہم طلب کرتے ہیں تمام اپنے امور میں یہاں تک کہ تیری اطاعت

دفرمانبرواری میں تیری عبادت میں سب میں تیری مدد درکار ہو تیرے سوا اے جو معبود باطل ہیں انکی مدد کی ہکو حاجت نہیں نہ اُن سے ہم طلب اعانت کرتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہدایت کے معنی توفیق کے ہیں پورے جملہ کے معنی ہوں جو اے اللہ ہم تیرے ہی عبادت کرتے ہیں کیکو شرک نہیں کرتے ہیں نہ کسی بُت کی عبادت کرتے ہیں یا کسی اور شئی کو سواے تیرے سب کی عبادت سے روگردانی کی ہو تو ہکو مدد دے اپنی اطاعت کرنے کی اور توفیق دے اُس راہ کی اور ثابت قدم رہنے کی جس پر تیرے دوست اور نعم علیہم انبیاء وغیرہ چلے۔ اور مراد الصراط المستقیم سے راہ کشادہ ہو کہ جہنم کی قسم کی کجی نہیں ہو مگر زبان عرب میں پھر استفادہ ہر وصف اور قول ہو اور عمل کو صراط مستقیم کہنے لگے مراد اس سے اسلام ہو قرآن ہر طریقہ نبوی و طریقہ خلفائے راشدین خصوصاً حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مراد طریقہ و ہدایت و منہاج انبیاء و صلحاء و مؤمنین کے ہو جس طرح ارشاد ہوتا ہو ولو انهم فعلوا بوعظونہ الی حسن و لذت و رفقا مادیہ ہو کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ دعا فرمائیے کہ اے اللہ ہکو ایسی راہ کی توفیق دے عبادت بطاعت میں جو راہ تیرے انبیاء اور دوستوں کی ہو اور صدیقین شہداء کی ہو۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ہاں یہ کہ نصب غیر کو پڑھا جاوے مگر قرأت متواترہ اسکے خلاف ہو اس جہت کے دواعراب اسکے ہو سکتے ہیں یا تو صفت انعمت علیہم کی ہو یا عطف اُسپر ہو اور غیر کے معنی نفی کے ہیں نہ کہ استثنایا سو کی کہ اس جگہ محاورہ عرب کے لحاظ سے درست نہیں ہو سکتے ہیں اس لحاظ سے معنی یہ ہونگے کہ وہ لوگ جنہو نے انعام کیا ہو وہ ہیں کہ جو نہ اُنہو نے غصہ کیا ہو نہ وہ گمراہ ہیں یا معنی ہونگے کہ ہکو تو توفیق دے ایسی راہ کی کہ جو نعم علیہم کی ہو نہ ایسی راہ کی جو راہ مغضوب علیہم اور گمراہ ہونگی ہو قرآن شریف میں وصفت و باق بغضب من اللہ ہو و کا ذکر کیا گیا ہو اور نصاری کے حق میں ارشاد ہوا ضلوا و اکثروا و اضلوا و اعن سواء السبیل اور ایسا ہی احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہوتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مراد مغضوب علیہم سے یہود ہیں اور ضالین کے نصاری ہیں حاصل یہ ہوا کہ اے اللہ تو راہ ہکو اپنے دوستوں کی دکھا اور اسی پر قائم رکھ انھیں کی اتباع کی توفیق دے نہ کہ انکی راہ جو تیرے غضب کے مستحق ہیں جس پر تو نے اُن کی برائعلیوں کی وجہ سے غصہ کیا ہو نہ اُن لوگوں کی اتباع کی توفیق دے کہ جنھوں نے گمراہی اختیار کی نہ یہود کے ایسے ہو جاوین نصاری کے ایسے ہو جاوین جسکی وجہ سے سیدھی راہ انبیاء کی ہمارا ساتھ سے جاتی ہے۔

امین کے معنی جب یعنی قبول کرہاری دعا وارد ہوا ہو یہ لفظ عربی کا ہی یا غیر عربی ہو اس پر اختلاف کیا گیا ہو مگر اسکا استعمال عربی میں ہوا ہو یہ بالاتفاق کلام اللہ سے نہیں ہوا سکا پڑھنا قرآن شریف کے ساتھ مسنون ہو مگر اسکا لکھنا قرآن کے طور پر درست نہیں ہو۔ جب سورہ فاتحہ پڑھی جاوے اُس وقت پڑھنا

اس لفظ کا بھی سنت ہو مگر خفیہ کہتے ہیں کہ بالجہر آمین نہ کہنا چاہیے اس واسطے کہ دعا ہو اور دعا کیلئے قرآن شریف میں ادعو اور لکھ تضرعاً و خفیۃً وارد ہوا ہو اور جب قدر اذکار و صلواتی ہیں سب بالسر ہیں تو یہ بھی بالسر ہونا چاہیے اور شافعیہ اور اہل حدیث اسکو بالجہر پڑھنے کے قائل ہیں اختلاف افضلیت میں ہے نہ کہ حرمت میں یا عدم جواز میں مگر یہ امر یقینی ہے کہ آنحضرت اور صحابہ نے دونوں باتیں کیں بالجہر بھی آمین کہا اور بالخفا بھی ہم اول کو بیان مسئلہ اور ابتداء امر کے اوپر محمول کرتے ہیں اور ہمارے مخالف اسکو دوامی مانتے ہیں مگر فوج احادیث سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ آمین بالسر ہونا چاہیے اس واسطے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جب وقت امام آمین کہے تم بھی آمین کہو یا جب وقت امام کو کا الضالین کہتا ہو تو فرشتے آمین کہتے ہیں تم بھی آمین کہو تو جسکی آمین امام کے یا زشتوں کی آمین کے مطابق اور اس کے ساتھ ہو گئی اسکی بخشش ہو جاوے گی۔ ظاہر ہے کہ اگر آمین امام بھی بیکار کے پڑھے اور مقتدی بھی تو یہ امر اتفاقی نہیں رہتا ہو نہ ایسا کوئی امر ہے جس میں بہت غور اور احتیاط کی ضرورت ہو بلکہ یہ تو محض امام کے آمین کہتے ہی آمین مقتدی کے کہنے سے حاصل ہو سکتا ہے فہمذی افاق تاملینہ تاہیں لکھام کے جملہ کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ بہر حال آمین کے لیے بالسر کہنے کی افضلیت ہمارے نزدیک قوی ہے۔ لطیفہ بعض اہل حدیث آمین اس قدر رجز کے پڑھتے ہیں کہ دوسرے نمازی کی نماز میں خلل پڑتا ہو ایسا ہی ہمارے محلہ کی مسجد میں بھی ایک بابی کرتے تھے انکو ہمارے والد جناب مولانا عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر سے روکا تو مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آمین بالجہر بھی تو حدیث سے ثابت ہے اس کے جواب میں ترجمہ مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ مولانی نے فرمایا کہ آمین بالسر حدیث سے ثابت نہیں ہے بالجہر شافعی کہتے ہیں ہم انکو نہیں دیکھتے ہم تو بالسر کو دیکھتے ہیں۔ اتبع سنت شو آخری اور تعصب ائمہ مجتہدین کے ساتھ شو آخری ایک دوسرے میں اتنا کرنا چاہیے واللہ اعلم۔ یہاں پر ایک مسئلہ اور بھی سمجھ لینے کا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص الحج کا ترجمہ پڑھے تو آیا وہ ادا کا واجب کریگا یا نہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن اور ہی اور ترجمہ اور ہی حکم قرآن پڑھنے کا ہے ترجمہ سے وہ ادا نہیں ہوتا ہے چاہے قادر بیت پر ترجمہ پڑھے یا غیر قادر پڑھے امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ قرآن کے معنی بھی قرآن ہیں چاہے غیر قادر معنی پڑھے یا قادر ہر حالت میں ادا ہے واجب ہو جائیگا مگر اس قول سے امام صاحب نے رجمہ کی ہے۔ امام محمد و امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ جو عربی کی قدرت نہ رکھتا ہو وہ ترجمہ پڑھے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے یہاں پر دو مسئلہ قابل بحث ہیں ایک یہ کہ وہ لوگ جو عربی نہیں پڑھ سکتے مگر عربی زبان میں مثلاً انگریزی میں پڑھ سکتے ہیں تو انکو جب تک قرآن عربی نہ سیکھ لیں ترجمہ پڑھنا کافی ہو مگر انکو قرآن عربی سیکھنا لازم ہے دوسری جو لوگ حروف عربی نکال نہیں سکتے انکو تاہا مکان فصیح خارج کرنا چاہیے ورنہ ان سے تکلیف ساقط ہے اور محقق یہ ہے کہ جب تک معنی نہ بدل جاوے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ وَتَمَانُونَ آيَةً وَأَرْبَعُونَ رُكُوعًا

سورہ بقرہ مدنی ہے اور وہ دوسو چھیاسی آیتیں اور چالیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور بڑا رحم والا ہو

الْمَّةَ ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ

اس کتاب میں کچھ شک نہیں راہ بتاتی ہے پرہیزگاروں کو جو

يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝

یقین کرتے ہیں غیب کے ساتھ اور درست کرتے ہیں نماز اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے کچھ خرچ کرتے ہیں

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ

اور جو یقین کرتے ہیں اُسکے ساتھ جسکو اُناراہنے پیر اور جسکو اُناراہ سے قبل اور آخرت کے ساتھ

هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

یقین رکھتے ہیں اُنھوں نے پائی ہے راہ اپنے پروردگار کی اور وہی مراد کو پہونچنے والے ہیں

سورہ بقرہ مدنی ہے صرت ایک آیت و اتقوا يومًا ترجعون فيه الى الله حجة الوداع میں

نازل ہوئی ہے مگر بعد ہجرت کے نازل ہوئی ہے اس واسطے اسکو مدنی کہتے ہیں یہ سورہ پہلی سورہ بعد

ہجرت کے ہے کہ جو نازل ہوئی ہے اس کے تین نام مشہور ہیں۔ سورہ بقرہ کیونکہ اسمین ذبح بقر کا ذکر ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود نے جس جگہ یہ سورہ نازل ہوئی اُس مقام کی طرف اشارہ کر کے کہا

کہ ہذا مقام انزل علیہ سورۃ البقرۃ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورہ بقرہ کہنا ناجائز ہے

بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ سورہ جبین فوج بقر کا حکم ہے مگر محققین کہتے ہیں جائز ہے اور جو بھی مروی

ہوئی ہے وہ منسوخ ہے اس واسطے کہ ابتداء اسلام میں کفار سورہ بقرہ کہنے سے مذاق اڑاتے

تھے تو اُس وقت لوگوں کو اس نام سے پکارنے سے روکا گیا مگر جب اسلام شائع ہو گیا اور

شعرا اسلام کی تعظیم ہونے لگی تو اس سورہ کو بقرہ کہا جانے لگا۔

خالد بن سعدان اسکو فسطاط القرآن یعنی قرآن شریف کا خیمہ کہتے تھے اس واسطے کہ یہ

کلمات کے میں جیسے اللہ اعلم بعض کہتے ہیں کہ انکی ترکیب کے جان لینے سے اسم اعظم معلوم ہو سکتا ہے جیسے الرحمن سے الرحمن کی ترکیب ہوئی بعض کہتے ہیں کہ یہ اقوام کی ترقی کی مدت کی جانب اشارہ ہے حروف جمل کے طور پر زیادہ تر صحیح قول صحابہ سابقین کا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔
ترکیب میں مجرور یا منصوب ہونگے اگر مجرور ہوں تو یا حرف قسم کے حذف سے یا بلا حذف حرف قسم یا ابتدا کی وجہ سے یا خبر کی وجہ سے رفع ہوگا یا اسم کی وجہ سے رفع ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ یہ میں ہیں۔ اور بلا ترکیب ہیں۔ بخش کہتے ہیں انکا ذکر محض انکے شرف کے باعث سے ہوا کیونکہ یہ مابنی کتب مقدسہ ہیں یا اسکا ثبوت ہے کہ آنحضرت باوجود اُمتی ہونے کے ان حروف سے باخبر کر دیے گئے انداز ترکیب میں داخل کرنا انب نہیں ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ۔ یا تو اشارہ اس سے وہ قرآن کا حصہ ہے جو اس سورۃ کے قبل نازل ہو چکا ہے یا پورا قرآن یا یہ سورۃ مراد ہے اور ذٰلک بمعنی اُنکا کے ہے یا مراد اُس سے وہ کتاب ہے جسکے نازل ہوئے وعدہ انبیاء سابقین نے کیا تھا اور قرآن کے بارہ میں مشرکین کو شک تھا کہ وہ کتاب موعود نہیں ہے اس سے لوح محفوظ میں جو مکتوب ہے اسکا بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔

لَا سَرِيبَ فِيْهِ۔ اس میں شک نہیں ہے یقیناً یہ اللہ کی جانب سے ہے اور یہ حق و صدق ہے یا یہ خبر ہے بمعنی اللہ کے جیسے لادف و لافسوق و لاجلال فی الجحیم یعنی اس کتاب میں ہرگز شک نہ کرنا چاہیے۔ هٰذَا الَّذِي لَكُمْ فِيْ تَقْوٰی۔ اس میں رشد و ہدایت ہے تقویٰ کرنے والوں کے لیے یا یہ بلا شک کتاب الہی ہے حالانکہ اس میں ہدایت ہے تقویٰ کرنے والوں کے لیے۔ تقویٰ پر ہیز گاری کو کہتے ہیں متقی جو مشرک اور کبار سے تقویٰ کرے یہ ابتدائی درجہ ہے یا اسکے بعد مرتبہ اسکا یہ ہے کہ ہر اُس شے سے ہیز کرے جو خدا سے غافل کر دینے والی ہو پھر اسکا مرتبہ اعلیٰ یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے ہیز کرے اور فی درجہ متقی کا موحد ہے پھر سالک ہے پھر عارف ہے۔

حضرت عمر نے کعب الاحبار سے دریافت کیا کہ تقویٰ کیا ہے تو انھوں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین کیا آپ کبھی ایسی راہ چلے ہیں جس میں درخت خاردار ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں تو کعب الاحبار نے کہا کہ آپ نے کیا کیا کیونکہ راہ طہ کی آپ نے فرمایا کہ وہاں کثان راہ طہ کی کوئے کہا کہ یہی تقویٰ ہے شہر بن حوشب نے کہا کہ یہ متقی وہ ہے جو اُس شے سے بھی ہیز کرے جس میں چنداں حرج نہ ہو۔ خون سے کہ کہیں رفتہ رفتہ اُس شے میں گرفتار نہ ہو جاوے کہ جس میں حرج ہے۔ عمر بن عبد العزیز نے کہ تقویٰ محراب آبی کے ترک کرنے کو فرائض کی ادائیگی کو کہتے ہیں اسکے علاوہ جو کچھ ہی وہ اللہ کا رزق

وہ بہتر ہی بہتر ہو اور بعض نے کہا ہو کہ تقویٰ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی اور بعض کہتے ہیں کہ تقویٰ آیات اللہ یا موبالعدل والاحسان وابتاء ذی القربیٰ ونبہی عن الفحشاء والمنکر والبغی میں مذکور ہو حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہو کہ اپنے کو کسی دوسرے سے بہتر نہ سمجھے۔ تخصیص متقین کی اس واسطے ہو کہ اصل منفع بہ اس کتاب کریم کے یہ ہی حضرات ہیں ورنہ نزول قرآن شریف کا سب کے لیے ہر ادنیٰ درجہ تقویٰ کا عامہ اہل اسلام کو حاصل ہو کیونکہ سب موحد ہیں۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ۔ ایمان تصدیق قلبی ہو یہی تحقیق ہو بعض کہتے ہیں ایمان مفرد ہو جیسے تصدیق قلبی بعض کہتے ہیں مفرد تو ہو مگر تسلیم ہو یا معرفت ہو یا محبت ہو بعض کہتے ہیں مرکب ہو اور اس کے دو جزو ہیں تصدیق و اقرار مگر جزو ثانی محتمل السقوط ہو جیسے گونگون سے اور حالت اگر اہ میں ساقط ہو جاتا ہو بعض کہتے ہیں کہ مرکب تین جزو سے ہو مگر اطلاق نفس تصدیق سے بھی ہونے لگتا ہو اگر چہ کمال ایمان نہیں حاصل ہوتا جب تک تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان اور عمل بالارکان نہ ہو یہ قول ابھی ریش کا ہو اور مستر لہ کہتے ہیں کہ ایمان کے یہ تینوں جزو ہیں مگر عمل نہ ہونے سے وہ شخص کفر میں داخل نہیں ہو جاتا ہو اگر چہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہو تو وہ نہ مؤمن ہو نہ کافر بلکہ منافق ہو اور یہ نذرہ میں الغرین ہیں جو خارج کہتے ہیں کہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہو اور کفر میں داخل ہو جاتا ہو چاہے انقیاد ظاہری کی وجہ سے اسکو مسلم کہیں مگر عامہ اہل اسلام کہتے ہیں کہ گنہگار مصدق کافر نہیں ہو جب تک کہ اُس سے کوئی امر منافی تصدیق کے ظاہر نہ ہو اور احناف کے نزدیک ایمان و اسلام کے مصداق میں کوئی فرق نہیں ہو اگر کبھی اسلام انقیاد ظاہری پر بھی بولا جاتا ہو اور اعمال پر بھی بولا جاتا ہو اعمال کے داخل کر نیکی صورت میں ایمان گھٹتا بڑھتا ہو اور غیر مرکب ہونے کی صورت میں خصوصاً تصدیق قلبی کے مذہب پر برہنہ قول حنات نقصان نہیں ہو سکتا ہو البتہ شدت وضعف عارض ہو سکتا ہے معنی ایمان کے امن سے ماخوذ ہیں کہ جس شے سے متعلق ہو وہ تکذیب سے امن میں آگئے مثلاً ایمان بآجاء بہ النبی ہو اور ایمان بالغیب ہو۔

بِالْغَيْب۔ یا تو مصدر ہو اسم کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہو یا غائب کے معنی میں ہو بعض کہتے ہیں کہ جو آنکھوں سے غائب ہو ابن عباس فرماتے ہیں غیب سے یہاں مراد ہر وہ شے ہو جسکے ایمان کا حکم دیا گیا ہو اور وہ حاسہ بصر سے غائب ہو جیسے ملائکہ جنت دوزخ بعثت صراط میزان وغیرہ بعض کہتے ہیں غیب سے مراد اللہ کی ذات ہو بعض کہتے ہیں مراد اُس سے قرآن ہو حسن بصری فرماتے ہیں کہ مراد اُس سے آخرت ہو بعض کہتے ہیں کہ وحی ہو ابن کیسان کہتے ہیں کہ فوراً



شریف بری کے ایمان لانا۔

وہ لوگ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں اور اسکی حفاظت کرتے ہیں اور اُس کی شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اوقات کی پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں مراد اس سے پانچوں وقت کی نماز ہو اور صلوٰۃ کے معنی دعا کے بھی ہیں مگر شریعت میں افعال مخصوصہ کا نام ہو گیا ہو بعض کہتے ہیں کہ اللہ کی صلوٰۃ رحمت کرنا ہو فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار کرنا ہو مسلمانوں کی صلوٰۃ دعا کرنا ہو۔
وَمَا كُنْزُهُمْ يَنْفَقُونَ۔ اور وہ لوگ جس سے ہنپنے اُنکو دیا ہو اُسین سے خرچ کرتے ہیں یعنی خدا کی راہ میں محتاجوں کو دیتے ہیں مراد اس سے صدقہ مفروضہ زکوٰۃ یا صدقہ فطر یا عام خیرات ہو۔
رزق کہتے ہیں اُس شے کو جس سے انتفاع حاصل کیا جاتا ہو عام اس سے کہ وہ کھانے کی چیز ہو یا کپڑا ہو گھر ہو اہل ہو اولاد ہو۔ مراد اس آیت سے مشرکین عرب سے جو لوگ ایمان لائے وہ ہیں اصل ہدایت پانے والے ہی لوگ تھے۔

وَالَّذِينَ يُؤْفِقُونَ بَمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ۔ یعنی قرآن شریف
وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ یعنی تورات وانجیل دزبور اور تمام کتب حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے ہیں۔

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ اور وہ لوگ آخرت کے دن کے اور یقین کامل کر چکے ہیں وہ اس ہدایت کے مستحق ہیں اور متقی ہیں بعض کہتے ہیں کہ ایقان اور یقین علم استلالی کو کہتے ہیں ایسی وجہ سے اللہ جل شانہ کو عالم کہتے ہیں موقن نہیں کہتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ۔ وہی لوگ اپنے پروردگار کی جانب سے ہدایت پر ہیں یہی اہل گدائی ہیں
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ وہی لوگ نجات پائے ہوئے ہیں اور کامیاب ہیں اور فلاح کے معنی بقا کے بھی ہیں اور فلاح کے معنی قطع کے بھی ہیں اُن کو یقینی بقا ہو۔

فائدہ۔ اہل الکتاب وہ ہیں جو رسول سابق جسکے اوپر کتاب نازل ہوئی ہو جیسے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور انکی کتاب پر ایمان لائیں انکی فضیلت زاید ہو ارشاد ہوا ہو اسلام تسلیم یؤتک اللہ اجرک مڑتین اسلام لاؤ سلامتی میں آجاؤ اللہ دو مرتبہ تمکو اجر دے۔ حقیقہ کہتے ہیں یہ حکم اور اسکے موافق جتنی تخصیص اہل کتاب کی ہو آنحضرت ص کے وقت کے اور اس وقت کے سب یہود و عیسائیوں کے لیے ہو بلکہ جو مشرک عیسائی ہودہ بھی اس میں داخل ہو اور شافعیہ کہتے ہیں جو توم قبل سے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان رسول سابق پر رکھتی تھی وہی اہل کتاب ہے

جن لوگوں نے کفر کیا ہے اُن پر آپ کا ڈرانا یا نہ

دُرُ اَنَا دُونُون رَابَر مَن دِه اِيْمَان مَنِين لَا اِنِيْنِگَ اَللّٰه نِي مُهْر كِرْدِي اُن كِي دُون پَر اور اُن كِي

کان ریگیا اُن کے سننے پر اور اُنکی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور اُنکے لیے بڑا عذاب ہے۔

۱۰۔ آج سے آریہ بعض مخصوص کفار کے حق میں وارد ہوا ہے جسے اب اسناد اور احوال وغیرہ کہ انکو اس

ع: اے کہ جس طرح اعدا قتلہ کے ننگے اور جملہ کو ادا حملہ سے کہ: اقصا الیسا نہیں ہے جس سے ایک جملہ دوسرے حملہ

لے رہا اگر ایسی کہ باہر سے اس کتاب سے کہیں لوگوں کو کہتی ہو تو دوسرے جملہ میں محض ایک قسم کفار کا ذکر ہے۔

مناسبت تو موجود ہے وہ یہ کہ جس طرح دو گروہ ایک مشترکین میں سے ایمان لائے دوسرا اہل کتاب میں

نہیں ہو سکتی ہر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا لفظ کفر کے خواص سے پوشیدگی اور ستر ہوا سیو جہ سے

۵۰ کافر، اسکی چند حسین ہیں ایک تو کسی نے خدا کو نہ پہچانا نہ مانا وہ لہر اٹھا رہی دوسرے پہچانا مگر

تعارف کے ذریعہ سے عداوت کا کفر سے الگ ہو کر کفر کا کفر بن گیا اور مانا جی ہند اور افریقین دنیا کے سب

کہہ تاکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہہ کر عداوت نہیں رہی وہ مسلمان کا ہے اسکی رنوت قطع رہی گو

[illegible]

کیون رسول کیا چچا محروم کر دیا گیا اور بھتیجا رسول کر کے بھیجا گیا تو یہ کفر عناد ہی کہ باوجود معرفت کے محض تعلی کے خیال سے ایمان قبول نہیں کیا۔ جو تھے کفر ففاق ہو کہ جو دل سے انکار اور زبان سے اقرار کی صورت میں ہوتا ہو یہ تمام صورتیں کفار کی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی نجات کا مستحق نہیں ہو یہاں صرت دہین ذکر کی گئی ہیں اس واسطے کہ اعلیٰ فرد وہی ہو کہ جسکا انکار کسی طرح زایل ہی نہ ہو خواہ کفر مجھو ہو یا کفر عناد یا کفر انکار یہ تینوں قسمیں مقابل اُس قسم کے ہیں جو ففاق ہو۔

ارشاد ہوتا ہو کہ خواہ کسی قسم کا کفر ہو مگر کفار سے وہ ہیں جو ایمان نہ لائیں گے خواہ آپ اُنکو ڈرائے یا نہ ڈرائے انکار کہتے ہیں کسی امر کا حکم دینا یا نصیحت کرنا خدا کا خون دلا کہ یہ لوگ جنکے کفر کے متعلق تقدیر آئی ہو چکی ہو وہ اب بدل نہ سکے گی اُن کے ڈرانے کا مقصد یہ نہیں ہو کہ وہ ایمان لائیں بلکہ اسکا مقصد صرت یہ ہو کہ نبی اجر یا مین اور خدا کی رحمت تمام ہو۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ۔ اللہ نے مہر کر دی اُنکے دلوں پر اور اُن کے کان پر یا اُن کے سُننے پر مراد ختم سے مشیت ایزدی ہو یا وہ کیفیت ہو جسکی وجہ سے نور ہدایت قلب سے بالکل خارج ہو گیا اور پھر داخل نہیں ہو سکتا ہو۔

مقصود ختم سے حفاظت ہو مثلاً سربہر لفاظہ اس واسطے ہوتا ہو کہ جو مضمون لکھ دیا گیا ہو اُسپر کوئی مطلع نہ ہونہ اُس میں کسی قسم کا اضافہ ہو سکے نہ کم کیا جاسکے اسی طرح ہر وہ شرح جس سے نہ کوئی باہر کا اندر آ سکے نہ اندر کا باہر ہو سکے اُسکو ختم کہنے لگے تو اس کیفیت کے بعد نہ تو دل سے کفر جاسکتا ہو نہ باہر سے ایمان آسکتا ہو معتزلہ کے نزدیک یہ ہو کہ مراد ختم سے وہ علامت ہو جس سے فرشتہ جان لے کہ شخص کا فر ہو جسکے اوپر وہ لعنت بھیجتا ہو اور اُسکے لیے استغفار نہیں کرتا ہو۔ اور سماع یا تو کان کے معنی میں ہو تو چونکہ سماع کے واحد لانے میں کسی قسم کا التباس نہیں ہو یا مسمیٰ میں مصدر کے ہو کہ سماع تھا ہو ہر تقدیر پر واحد کا صیغہ لانا مناسب ہو۔ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ اُنکی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہو کہ کسی شے کو اندر جانے سے روکتا ہو ایں اشارہ اس جانب ہو کہ قلب اور سماع پر تو ایک قسم کی روک ہو اور آنکھوں پر دوسری قسم کی روک ہو۔ کفر قلب کے اندر پیٹھا ہوا ہو اور اس طرح خلافت باتین کا وزن میں سما گئی ہیں کہ اب نکل نہیں سکتی ہیں دلائل نبوت ظاہر و باہر میں مگر اُنکا انکشاف باہر سے اندر نہیں ہو سکتا ہو نہ باہر سے صورتیں اندر آ سکتی ہیں اس طرح کا پردہ پڑا ہوا ہو۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ اُنکے لیے بڑا عذاب ہو اسکے حروف کی ترکیب میں روک کے معنی ہیں یہ مقصود کے درمیان حائل ہوتا ہو عظیم مقابل صغیر کے ہو اور کبیر مقابل حقیر کے ہو۔

حاصل یہ ہو کہ جبکہ بارہ مین تقدیر سابق مین ہو گئی ہو کہ ایمان نہ لائیں گے اُن کو نبوت رسول اور نزول قرآن سے کوئی فائدہ نہیں ہو نہ وہ مخاطب اس غرض سے ہیں کہ ایمان لائیں گے بلکہ مقصد اس کے علاوہ ہو کہ اُن کے نصیحت کرنے مین اور خدا کے خوف سے ڈرانے مین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر تبلیغ ملیگا اور اُن کفار کو موقع عذر کا باقی نہ رہیگا۔ مدار تکلیف درستی اسباب و جوارح کی ہو مدار تکلیف انہیں ہو کہ بالفعل اُس سے مکلف بہ صادر ہو سکے اسی وجہ سے ہم لوگ کہتے ہیں کہ باوجودیکہ قطعی طور پر وہ ایمان نہیں لائیں گے پھر بھی ایمان کے مخاطب ہوئے ہیں کیونکہ صحت جوارح موجود ہو درستی عقل و حواس کی بھی ہو اگرچہ تقدیر اُنہی مین اُنہما کفر لکھا ہوا ہو۔ معتزلہ کے نزدیک افعال عباد اُن کے مخلوق ہیں اس واسطے اُنہوں نے ختم مین تاویل کی ہو اور خطاب کے بارہ مین اُنہوں نے کہا ہو کہ خطاب ہونا باوجہ بندہ کے قادر ہونیکے بالکل درست ہے ہم لوگ بندہ کے افعال کو اُس کے خلق سے نہیں سمجھتے ہیں بلکہ خلق اللہ سے ہی بندہ اُسکا کاسب ہو تو اسوجہ سے ہم کو یہاں مذکورہ بالا تاویل کرنے کی ضرورت پڑی ہو یہاں بہت سے شبہات ہیں جو بوجہ خوف طوالت نظر انداز کر دیے گئے خلق افعال عباد کی بنیاد پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ ختم اللہ مین ختم کی اضافت اللہ کی جانب اُسی طرح ہو جس طرح بنی الامیر المدینۃ یعنی حاکم نے شہر بنایا مین شہر کے بنائے اُنکی نسبت حاکم کی جانب ہو درحقیقت بنائے والا معمار ہو اسی طرح ختم تو درحقیقت کافر نے اپنے قلب پر کر لی ہو کہ ایمان کسی طرح قبول ہی نہیں کرتا ہو مگر چونکہ اُس کے وجود کی اسناد اللہ کی جانب ہو تو جو اُس پر مرتب ہوتا ہو اُسکی نسبت بھی اللہ کی جانب ہو سکتی ہو۔

اس آیت مین معتزلہ کے اس قول کی تردید ہوتی ہو کہ اللہ پر اصل واجب نہیں ہو ظاہر ہو کہ اُس پر اگر اصل واجب ہوتا تو ختم و مہر کرنا اُس پر محال ہوتا یہاں پر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جواز تکلیف مالا لایطاق جیسا کہ مذہب اشعریہ کا ہو ثابت ہوتا ہو اس واسطے کہ ایمان لانے کا ایسے شخص کو حکم ہو اسی جوا ایمان نہ لائیگا بلکہ یقینی اُسکے ایمان نہ لانے پر نص وارد ہوئی ہو تو اُسکو مخاطب کیا گیا ہو اور حکم دیا گیا ہو کہ ایمان لاؤ اس امر پر کہ ایمان نہ لاؤ گے اجتماع نقیضین ہو اور اسکا بجا لانا طاعت سے باہر ہو تو جب اسکی تکلیف ہوئی تو تکلیف مالا لایطاق ہوگی یہ واقع ہو گیا جب تکلیف مالا لایطاق واقع ہوگئی تو پھر اُسکے عدم جواز کی صورت باقی نہیں رہی کیونکہ بعد وقوع کے امکان سے بحث بعد از وقت ہو جاتی ہو مگر یہ دلیل مخدوش ہو اس واسطے کہ علم الہی جمول ہو اور اسباب بشر و طوط موجود ہیں جو کہ مدار تکلیف کا ہیں جیسا کہ اوپر گذر گیا ہو اسبقدر امر سے بجا لانا فعل کاملن ہوا اور جو ممکن نہیں ہو وہ تکلیف سے بھی باہر ہو علم باری کے اعتبار سے تکلیف مین ہو۔ حق یہ ہو کہ انبیاء کی بعثت نہ تو اُن لوگوں کے لیے ہو جو یقیناً ایمان لائیں گے اور اسکا ظرف اسقدر صلیح ہو کہ اگر نبی نہ آتے اور اللہ کا خوف بھی نہ ہوتا تو بھی گناہ نہ کرتے انکے لیے نبی کا آنا محض اس لحاظ سے نعمت ہو کہ ان کو عمل کا موقع زاید مل گیا غور و فکر اور تامل کی ضرورت نہ رہی جو وقت فکر مین صرف ہوتا ہو وہ بچ گیا ایسے ہی

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ

اور بعض لوگوں میں وہ ہیں کہ کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر حالانکہ وہ ایماندار نہیں ہیں

يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ

انہوں کو اور ایمانداروں کو وہ اپنے نزدیک دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ اپنی ہی جانوں کو دھوکے میں ڈالتے ہوئے ہیں اور ان کو اس بڑی کاشتوں میں

اُن لوگوں کے لیے بھی اباحت بالنبوة انبیاء کا نہیں ہے جو بالیقین ایمان نہ لائیں گے جیسے ابو جہل وغیرہ اُنکے لیے اباحت بالنبوة محض اس غرض سے ہے کہ اللہ کی حجت تمام ہو جاوے اور انبیاء کو تبلیغ احکام کا اجر ملے وہیں حقیقت اباحت بالنبوة اُن لوگوں کے لیے ہے جو مخلوط ہیں نبی کے آنے سے امتیاز ہو جاتا ہے صالح طالع سے مفتی عاصی سے مومن کافر سے ممتاز ہو جاتا ہے یہاں پر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جو علمائے ظاہرین کے پیرو ہیں اُنکو تو تکلیف کہتے ہیں اور تکلیف اہل اسلام یا تو معتزلہ ہیں جو عقل پر دلیل کو چپان کرتے ہیں یا اشاعرہ ہیں جو دین پر عقل چپان کرتے ہیں اگر امام احمد حنبل کے اصول کے موافق ہیں تو حنا بلکہ کہلاتے ہیں اور اگر امام ابو منصور ماتریدی کے پیرو ہیں تو ماتریدیہ اور اگر امام ابو حسن اشعری کے پیرو ہیں تو اشعریہ کہلاتے ہیں اور علمائے باطن کو صوفیہ کہتے ہیں حکماء کی دو قسمیں ہیں ایک مشائخہ اور دوسرے اشراقیہ۔

وَمِنَ النَّاسِ اِلٰی آخِرِ الْآلَةِ۔ اس جملہ کا عطف اوپر کے جملہ الذین کفروں پر ہے۔ مراد اس سے یہاں ایک قسم کے انسان ہیں جو دل سے اقرار رسالت نہیں کرتے اور اللہ پر اعتقاد اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں مگر زبان سے کہتے ہیں کہ ایمان لائے ان دونوں کے یہی لوگ منافق کہلاتے ہیں یہ بدترین قسم کفر سے ہے اسی وجہ سے ارشاد ہوا ہے کہ ان المنافقین فی الدنّٰ والآخرۃ الا سفل من الناس منافق رکھنے والے جہنم کے نیچے کے طبقہ میں ہیں۔ یہ لوگ ان کفار سے بدتر ہیں جو زبان سے انکار کرتے ہیں اور ظاہر کافر ہیں اس واسطے کہ اُنکے شر کے دفع کرنے میں سہولت ہو اور اُنکے شر کے دفع کرنے میں مشکل ہو۔ اوپر کی چار آیتیں تو ایمانداروں کی شان میں ہیں اور دو آیتیں عموماً کفار کی شان میں ہیں اور بعد کی یہ تیرہ آیتیں منافقوں کی شان میں ہیں اس واسطے کہ اُنکا شدت کفر باعث ہوا ہے کہ اُنکی تفضیح کی جادے تاکہ لوگ اُن سے عبرت حاصل کریں اور اُنکو یا ہدایت ہو یا اُنکا راز فاش ہو جاوے تاکہ اُن کے دھوکے میں لوگ نہ آویں لفظ ناس ماخوذ ہے انسان سے جسکے معنی انسانیت کے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں جی طرح جن کو جن اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ پوشیدہ رہتے ہیں ترکیب ن س میں اکثر ظہور ہے اور ترکیب ج ن میں پوشیدگی ہے لیکن ناس میں اگرچہ اصل میں اناس ہے الف لام کے ساتھ ہمزہ جمع نہیں ہوتا ہے بوجہ تخفیف کے لہذا الاناس کہنا جائز نہیں ہے کہ مراد اس الناس سے عموماً منافق ہیں اور خصوصاً عبد اللہ بن ابی بن سلول

اور اُسکے گردہ کے لوگ ہیں جنھوں نے خوف سے اپنی جان بچانے کے ایمان قبول کر لیا تھا۔ جس طرح ابی اسب کو خاص اثر اس امر کا تھا کہ گھر کا بڑا ہو اور چھوٹے پر ایمان لانے کا مکلف کیا گیا ہو اُس میں اُسکی کسر شان ہو اسی طرح عبداللہ بن ابی بن سلول کو بھی خاص دشمنی و عداوت تھی خصوصاً اس وجہ سے کہ قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار پر بلکہ یہود مدینہ پر بھی اسکا بہت اثر تھا یہاں تک کہ اس کے لیے تاج بنایا گیا تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار نہ کر لیتے تو مدینہ اور گرداگرد مدینہ کے سب لوگ اسکو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے مگر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے باعث یہ منصوبہ رہ گیا سو جبکہ اس کو ایک خاص بخش پیدا ہو گئی۔

ان منافقوں نے یہ ظاہر کیا کہ ہم ابتداءً مارج ایمان سے آخر مرتبہ ایمان تک فائز ہو گئے، ہمیں اسی وجہ سے ابدی اور سرمدی دونوں وہ امور جن پر ایمان لایا جاتا ہو ذکر کئے پہلے اللہ کو ذکر کیا اور اُسکی ذات و صفات وغیرہ سب اسکے ضمن میں آگئے پھر یوم آخرت کو ذکر کیا مراد یوم سے مطلقاً وقت ہے اور آخرت سے مراد وہ وقت ہو جسکی کوئی انتہا نہیں یا وہ دن ہو جبکہ حشر و نشر و حساب و کتاب داخل جنت و نار ہو گا اس قول کے باوجود ارشاد ہوتا ہو کہ وہ ایماندار نہیں ہیں اسوجہ سے کہ اُنکے دل میں تصدیق نہیں ظاہری قرار ہو یہ نہیں فرمایا کہ یہ قول اُنکا ایمان نہیں ہے بلکہ اُنکی ذات کو ایمان داروں کے زمرہ سے خارج کر دیا اس میں اُنکی خاص اہمیت ہوتی ہو یا مراد اُس سے نفی ایمان کی ہو مگر بالغلط اُنکی ذوات کی نفی کر دی گئی تاکہ نفی ایمان میں اور غلبہ ہو جاوے اس آیت سے کرامیہ کے قول کی تردید ہو گئی اس واسطے کہ وہ محض قول کو اور اقرار کو ایمان کہتے ہیں برخلاف اہلسنت کے کہ وہ تصدیق قلبی کو یا تصدیق قلبی اور قول و اقرار کو ایمان کہتے ہیں ظاہر ہو کہ اگر اقرار باللسان ایمان ہوتا تو ان منافقوں کو خدا یہ نہ فرماتا کہ وہ ایماندار نہیں ہیں۔

جمع مؤمنین کی بلحاظ معنی من کے ہو ورنہ لفظاً مؤمن کہنا چاہیئے تھا۔

يُخْلِذُ عَنَّا اللَّهُ إِلَىٰ آخِرِ الْآيَةِ خدع کے معنی یہ ہیں کہ کسی شے کو ظاہر کیا جاوے جو واقعہ میں نہیں ہو اور مخادعہ اور خداع اس جگہ ایک ہی معنی پر مستعمل ہوا ہو اسی وجہ سے وما یخادعون بھی بعض قراء نے بڑھا ہو اس جگہ خدع کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کفر کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور ایمان کو ظاہر کرتے ہیں اسوجہ کہ اُن پر وہ احکام جو عام طور پر کفار کے ہیں صادر نہ ہوں اُن سے مقاتلہ نہ کیا جاوے اُن سے جزیہ نہ طلب کیا جاوے اُنکو غنیمت میں شریک کیا جاوے وغیر ذلک من الاحکام انکے متعلق ارشاد فرماتا ہو کہ یہ عارضی مغفقت کا خیال کرتے ہیں اور ظاہر اس مغفقت دکھائی دیتی تھی درحقیقت مغفقت نہیں ہو بلکہ عذاب آخرت ہو اور ذلت و خواری دائمی اور مصائب و آلام ہمیشہ رہنے والے ہیں بعض نے کہا ہو

اسوجھے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور جب ان منافقوں کے کہا جاتا ہو کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں

إِنَّمَا نَحْنُ مُصَلِّحُونَ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن لَّا يَشْعُرُونَ ۚ

کہ ہم ہی اصلاح کرنے والے ہیں آگاہ رہو کہ یقینی وہی منافقین ہی فساد کرنے والے ہیں اگرچہ وہ اپنے فساد کو اپنے آپ کو عوام و مسکینین

تفسیر صفحہ ۳) کہ اللہ تعالیٰ کو کیا دھوکا دینے کا کہ ایمان رسول اللہ سے ہو کہ اُنکو یہ دھوکا دیتے ہیں منافق یہاں کے مخدوع ہو اور اس حدیث سے فائدہ یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اعلا و دروغت ظاہر ہوتی ہو کہ آپ کو دھوکا دینا بعینہ اللہ کو دھوکا دینا ہو جس طرح آپ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ہو اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہو کہ جو لوگ محض اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اس غرض سے کہ احکام اسلام اُن پر صادر ہوں مگر اُنکو رسول اللہ پر ایمان نہیں ہو تو وہ درحقیقت ایماندار نہیں اور اُنکو دھوکا ہو وہ کہتے ہیں کہ اُنکے دھوکے میں لوگ آگئے مگر وہ خود اس دھوکے میں ہیں درنہ اُنکا حال خود رسول اللہ اور مومنین پر بھی ظاہر ہو گیا ہو بعض صحابہ مثل حضرت حذیفہ بن الیمان کو ایک خاص بصیرت تھی کہ کُند دیکھ کر منافق کا وہ پہچان لیتے تھے۔ اور شعراء جس کے ایک ہی معنی ہیں متاعِ حواس کو کہتے ہیں اس لفظ کے اختیار کرنے سے منافقوں کی نہایت درجہ تفضیح کی گئی ہو کہ اُنکا خداع اپنے نفسوں کو اس قدر ظاہر ہو کہ ہنزلہ محسوس کے ہو مگر یہ ایسے غفلت کے بردون میں پڑے ہوئے ہیں کہ اُنکو اپنی حالت ظاہری کی تمیز نہیں ہو اور مطلقاً حس جاتا رہا ہو نفس سے مراد یہاں ذات ہو یعنی وہ اپنی ذاتوں کو خود ہی دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں اور بالاحساس اور اُنکو اپنی اس متعالیٰ کا نہیں ہو۔ **فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ** الی آخر الآیہ۔ یہ تو اسوقت ہو جب یکذبوں بلاتقدیر کے پڑھا جاوے اور جب یکذبوں ذال کو تشدید ہو تو اُسکے معنی یہ ہونگے کہ اُنکو الم پہونچا نیوالا عذاب ہو کیونکہ اُنھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور مراد مرض سے نفاق ہو نفاق کو مرض اسوجہ سے کہا ہو کہ مرض صحت کے مقابل ہو اور صحت کے مقابل فساد ہو اور نفاق فساد ہو اس مناسبت سے نفاق کو مرض کہا ہو یا اسوجہ سے کہ نفاق بوجہ شک کے ہو اور شک میں تردد ہوتا ہو اور حالت مرض میں بھی مریض موت و حیات میں متردد ہوتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس شک کے زائد کرنے کی وجہ نہیں مگر چونکہ انکے مقدر میں ایسا ہی ہو اسواسطے تو دفع شک میں عاجز کر دیے گئے ہیں اور اُنکو کوئی صورت مدد دینے کی باقی نہیں رہی ہو کہ کوئی اُنکی مدد کرے اور اُنکا اس قسم کا

وَإِذْ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ

اور جب ایمانداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب اپنے شیاطین سے خلوا کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں سے ٹھٹھول کر نکلے ہیں استہرا کیا کرتے ہیں

بقیہ صفحہ ۳۸۔ یا مہاجرین و انصار مراد ہیں یا اُن کے مخصوص علماء مراد ہیں یا خاص عبد اللہ بن سلام مراد ہیں کہ وہ یہود کے بڑے پایہ کے عالم تھے چونکہ یہ منافق سمجھے ہوئے تھے کہ اُنکی روش عقلمندی کی ہی تو اُنھوں نے اپنے مقابل جو لوگ پیش کئے گئے اُنکو نا سمجھ کہا اسی وجہ سے اُنکے جواب میں اُنکی جمالت ظاہر کی گئی اور کہا گیا کہ وہ علم نہیں رکھتے ہیں۔ یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایمان کو آدمی اسرار سے شناخت کرتا ہے جو جبین دخل عقل کو ہی اور علم کی ضرورت ہو مگر یہ علم نہیں رکھتے ہیں اس واسطے اُنکو ایمان کی شناخت نہیں ہوتی ہے بے علم ہوئے اور فساد زمین میں برپا کرنے کی بُرائی مشاہدہ میں آتی ہے استدلال کی حاجت نہیں ہے اس واسطے جب اُس مشاہدہ کے برخلاف کرتے ہیں تو محض بے علم نہیں بلکہ بے شعور ہیں ان کو جس بھی نہیں ہے۔

۱۔ اور یہ تو منافقوں کے اعتقادی حالات اور اُن کے ذاتی نقائص کا ذکر تھا اب اُنکا معاملہ ایمانداروں کے ساتھ کیسا ہے اُسکا ذکر آتا ہے یہ ممکن تھا کہ اُن سے اغماض کیا جاتا اگر اُن کے شر سے امن ہوتا مگر وہ تو ایسے ہیں کہ اُن سے ایماندار محفوظ بھی نہیں ہیں اُنکا شر برابر نقصان دہ ہے اس واسطے کہ وہ ایمانداروں کو دھوکا دیتے ہیں جب ایمانداروں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے مگر یہ کہنا وہ خود بھی دل سے نہیں کہتے ہیں اس وجہ سے جملہ فعلیہ بلا تائید کے کہتے ہیں اور اس خیال سے بھی کہ ہمارے احوال معلوم نہیں انصار و مہاجرین سے پوشیدہ بھی ہیں یا نہیں ہمارا قول اُنکو باور ہوتا ہے یا نہیں اس تردد کے باعث یہ تاکید نہیں کرتے ہیں برخلاف اسکے جب مسلمانوں سے علیحدہ ہو کے صرف کفار ہی سے ملتے ہیں تو جملہ اسمیہ جو خود و دام و استمرار پر دلالت کرتا ہے تو کہ حرف ان سے کر کے کہتے ہیں خواہ اس وجہ سے کہ اُنکے دل کی بات ہو یا اس وجہ سے کہ اُنکو اسید ہو کہ اُن کے دوست دوسرے دلانے والے یہود اُنکی بات قبول کر لیں گے شیاطین اُنکو قمر اور طغیان کے باعث کہا گیا ہے شیطان کے نون کو بعض نحین صلی کہتے ہیں در کہتے ہیں کہ اس باب سے تشیطن آتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اصلی نہیں ہے بلکہ زائد ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انتقاق اُسکا شطن سے ہے اُس کے معنی بعد کے ہیں کیونکہ یہ بعید ہے خیر سے یا مشاط سے ہو اُسکے معنی باطل کے ہیں یہود کا تردد ظاہر ہے

اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
 اللہ کو ان کے سحر و جادو کی جزا دیتا ہوا اور ان کو ان کے حد سے تجاوز کرنے میں ہمت دیتا ہے جن میں وہ پیٹھے ہوئے ہیں ہی لوگ ہیں جنہوں نے
 اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَمَحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَاَكَاوَا هُمْ تٰدِيَةً ۝
 گمراہی کو خریدا ہدایت دیکے تو ان کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی اور نہ ان لوگوں کو راہ راست ملی

بقیہ صفحہ ۳۹ اس وصف کے ذکر کرنے سے یہ فائدہ ہو کہ ظاہر ہو کہ ان منافقوں کی معیت بھی یہود کے ساتھ
 اس وصف میں یہود کہ وہ قرد و طغیان اور وسوسہ میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور ان کا کام کرے ہیں
 وہ بھی اسلام کی تردید کریں میں مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں ان کے ہلاک کرنے میں اور ان کی بربادی
 میں اتنا ہی ساعی ہوں جتنا یہود ساعی تھے۔

اللہ کا استہزاء دل لگی اور ہنسی یہی ہے کہ ان کو انکی ہنسی کی جزا دے جزا کو بھی ہنسی کہا اسی طرح جس طرح
 جزا سبتہ کو سبتہ کہا ہو فرماتا ہو و جزاء سیئۃ سیئۃ مثلاً ظاہر ہو کہ بُرائی کا بدلہ اور اُسکی سزا بُرائی
 نہیں ہو اسی طرح یہاں پر استہزاء بولا گیا ہے مگر مراد اُس سے جزا استہزاء اور اُس کو اللہ تعالیٰ اُن کو وقتاً فوقتاً
 دیتا رہتا ہو اسی وجہ سے فرمایا استہزائی بھو حال کے صیغہ سے مستہزئ ہم نہیں کہا تاکہ تجدید پر دلالت کرے
 رفتہ رفتہ کر کے وہ ہلاک و برباد دیکے گئے اور عذاب آخرت میں گرفتار ہوئے ان کو اس کا اور اک نہ ہوا کہ
 اللہ تعالیٰ انکی حرکت کی جزا دے رہا ہو اور چونکہ اُسکی جزا اُسکی قدرت کے موافق ہو جیسی قدرت ہو جیسی ہی
 جزا ہوگی اس واسطے اس جگہ کو اُس نے عطف نہیں کیا کیونکہ اُسکی جزا بدرجہ اتم ہو اُسی کی جزا کا باعث ہو کہ
 ہمیشہ یہ منافق اپنے اس قرد اور شیطنیت پر قائم رہیں گے اور بھٹکتے پھریں گے اس آیت میں بھی معتزلہ کے
 مذہب کی تردید ہوتی ہو اس واسطے کہ اصل یہ نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ استہزاء کا برتاؤ کرے اور
 اُن کو ہمت دیتا رہے اگر اصل وجہ ہوتا تو ایسا ناممکن تھا۔

چونکہ یہ لوگ ایمان لائے اور پھر کفر کیا اس واسطے فرض کیا گیا کہ ان کے پاس ہدایت تھی اُس کو دے کے
 انہوں نے گمراہی لی ایمان دیا اور کفر لیا یا اس وجہ سے کہ پہلے یہ یہود سے تھے اور تورات کے باعث ان کو
 نبی آخر الزمان پر ایمان تھا مگر جب وہ تشریف لائے تو کفر جو کیا اور ایمان نہیں لائے بلکہ اُس کو راہ گان
 کر کے کفر اختیار کیا تو گویا ایمان دیا اور کفر لیا اس واسطے کہ اسباب ہدایت اس درجہ واضح عام و شامل تھے
 کہ بمنزلہ اسکے تھے کہ وہ لوگ ہدایت پا چکے تھے اُس کے بعد انہوں نے اُس کو دیکے کفر گمراہی لے لیا اللہ نے
 ہدایت کی گمراہیوں نے اُس کو قبول نہیں کیا ہدایت پھر دی اور کفر پڑا رہے۔

فائدہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہو کہ بیع بالتقاطی جائز ہی مراد اس سے یہ ہو کہ کوئی شخص کسی سوداگر کی

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ

مثال اُن منافقوں کی حالت کی اُس شخص کی حالت کے مانند جو جیسے آگ سلگائی اور جب گرد آگد ادا روشن کر یا

ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ

نوا اللہ اُن کی روشنی لے گیا اور اُن کو جسے اندھیا رویوں میں پھوڑ دیا کہ کچھ دیکھتے نہیں ہیں

بقیہ صفحہ ۴۰) دوکان پر جاوے اور کوئی شواٹھالے اُسکی قیمت اُسکو دیدے وہ لے لے زبان سے کوئی کجرت نہ اسکے نکلا نہ اسکے تو یہ بیع جائز ہو واللہ اعلم۔

کسی قصہ یا حالت یا صفت میں اس قسم کی ندرت ہوتی ہو کہ وہ زبان زد ہو جاتا ہو اُسکو ضرب الشل کہتے ہیں اور اُس سے اکثر لوگ واقف ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ دوسری حالت یا صفت یا قصہ کی توضیح اُسکی وجہ سے کی جاتی ہے اور بعض مواقع میں کسی تشبیہ کو جس سے وضاحت ہو اور اُمین ندرت ہو مثل کہنے لگتے ہیں جیسا کہ اس جگہ حالت منافقوں کی واضح کر نیکیے لیے آگ جلانے والے کی حالت جسکو عموماً لوگ جانتے ہیں بیان کر کے اللہ جل شانہ نے مثال دی ہو یہاں پر اَنّ الذی اسْتَوْقَدَ میں صیغہ واحد کا ہو مگر حالت جماعت کے منافقوں کی ظاہر کی گئی ہو اس وجہ سے بعض مفسرین نے لکھا ہو کہ الذی یعنی الذین کے ہو جیسا کہ بعض جگہ قرآن شریف میں الذی یعنی الذین کے آیا ہو مگر یہ قول مناسب نہیں ہو اسوجہ سے کہ جہاں الذی یعنی الذین کے آیا ہو وہاں کوئی نہ کوئی قرینہ ہو یہاں پر اس معنی کے اختیار کرنے کے لیے کوئی قرینہ نہیں ہو اسواسطے قول مناسب یہی ہو جسکے اعتبار سے اوپر بیان کیا گیا کہ الذی اپنے معنی پر ہو مگر حالت منافقوں کی واضح کرنے کے لیے حالت آگ سلگانے والے کی ذکر کی گئی ہو اور یہ ہو سکتا ہو کہ ایک جماعت کی حالت سے ایک شخص کی حالت کی مشابہت ایجاد کیونکہ وہ مشابہت گروہ کی واحد کے ساتھ نہیں ہو بلکہ واحد کی واحد کے ساتھ ہو۔

استوقد کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ جلانے کی خواہش کی حالانکہ خود جلانے کا بیان مقصود ہو اسوجہ سے اکثر مفسرین نے کہا ہو کہ استوقد کے بعد فا و قد مخذوف ہو یعنی جلانا چاہا پس سلگا لیا آگ کو چونکہ یہ ظاہر تھا اسواسطے اُسکے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں مگر اس حذت کی ضرورت نہیں ہو اس واسطے کہ استوقد معنی میں اقد کے بھی لغت عرب میں استعمال ہوتا ہو لہذا یہی معنی جو میں نے اوپر ذکر کئے مناسب ہیں نار کے معنی آگ کے ہیں کہ جو ایک عنصر ہو روشن گرم جلانے والا مگر یہ ظاہر آگ ہو ورنہ علماء کے نزدیک حقیقی آگ میں نہ احرار ہو نہ رنگ ہو بلکہ وہ ایک حرارت کی قوت ہو جو گرہ ہوا سے بالاتر ہو مگر جو اصل اُسکے وجود پر قائم کی جاتی ہو درحقیقت وہ موقوف ہو کہ فلک قمر کا ثبوت بھی ہو ورنہ آگ کا گرہ

موجود ہونا کوئی ضروری نہیں ہوا البتہ مجرد حرارت ایسی شے ہو جس کا انکار ناممکن ہو اور نورانی اجرام کی شجاعوں سے ہوا کا حار ہو جانا اور حرارت پیدا ہونا یہ مشاہیر اس پر دلیل کی حاجت نہیں ہو۔
 اصحاء کے معنی روشن کرنے کے بھی ہیں اور خوب روشن ہو جانے کے بھی ہیں دونوں یہاں صحیح ہیں اگرچہ اول معنی زائد مناسب ہیں ضیاء اور نور کے ایک ہی معنی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ضیاء وہ روشنی ہی جو ذاتی ہو اور نور وہ ہو جو مستفاد ہو اسی وجہ سے قرآن شریف میں ارشاد ہوا **جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا** اللہ نے آفتاب کو ضیاء کہا کہ اس میں از خود روشنی ہو اور قمر کو نور کہا کہ اس کی روشنی مستفاد سے ہو بعض کہتے ہیں کہ ضیاء نور کی قوت اور کثرت پر بولتے ہیں اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے فرمایا **ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ** اللہ انکی روشنی لے گیا اگر نور نہ کہتا ضیاء کہتا تو بالکل روشنی جاتے رہنے پر لفظ دلالت نہ کرتی۔ احتمال تھا کہ پوری روشنی نہ رہی ہو تھوڑی روشنی رہ گئی ہو مگر جب فرمایا کہ سرے سے روشنی ہی لے گیا تو بالکل روشنی کا احتمال جاتا رہا۔ ظاہر ہو کہ نور کی جگہ پر ضیاء کہتا تو اس معنی کے لحاظ سے بالکل روشنی جاتی رہنے کا ثبوت نہ ہوتا بلکہ کچھ روشنی جو یعنی نور کے ہو باقی رہنے کا احتمال قائم رہتا اس ضیاء کے لفظ کو اختیار کرنے سے مبالغہ زائد ہو گیا۔

ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ کے معنی یہ ہیں کہ انکی روشنی لے گیا اور اذہب نورہم کے معنی یہ ہیں کہ انکی روشنی اُسے اُسے دور کر دی ذہب اللہ بنورہم میں مبالغہ زائد ہی اس واسطے کہ اس میں مصاحبت اور ہمراہی ظاہر ہوتی ہو کہ برابر وہ روشنی کو باز رکھتا ہی رہا اور اذہب میں یہ بات نہیں ہو ممکن ہو کہ دور کرنے کے بعد پھر روشنی آجائے مگر جب مانع ساتھ ہو تو یہ احتمال نہیں رہتا ہی اسی وجہ سے عربی میں مفسرون نے اس کے معنی کہے ہیں اخذ اللہ بنورہم وامسكه اور ظاہر ہو و ما یمسك فلا مرسل له جسکو وہ قدرت والا روک لے اُسکو کون چھوڑ سکتا ہو۔

تَرَكَهُمْ کے معنی چھوڑ دیا اُن کو جس قدر اور الفاظ یہاں پر ہیں مثل جعل وغیرہ کے اُن سے اس لفظ میں بھی مبالغہ زائد ہو اس واسطے کہ روشنی لے جانے کے بعد چھوڑ جانا مفید ہوتا ہی بالکل بے نصیبی کو۔
فِي ظُلُمَاتٍ ظِلْمَاتٍ حج ظلمہ کی ہو مقابل نور کے ہو اسکو جمع لانا بھی مبالغہ کے لیے ہو کیونکہ صیغہ جمع سے کثرت افراد کی ظلمہ کے معلوم ہوئی اور نکرہ لانے سے تعظیم اور وسعت ظلمت کی سمجھی گئی۔

لَا يَبْصُرُونَ سے اور تاکید ہوئی کہ حالت مذکورہ کون کم ہو کہ مزید برآں بصارت کی قوت ہی سلب ہو گئی خواہ اس وجہ سے کہ یہ اندھیاریاں باعث عدم البصار کا ہو مین یا اس حالت اضطراب میں انکی قوت حاسہ بصارت ہی کمزور ہو گئی اگر کیفیت بلا نہ بھی لاتی ہوتی تو صورت یہی حالت عدم شعور اور

صَلِّ عَلَيْهِمْ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝

وہ بہرے گونگے اندر سے ہیں اس لیے وہ ٹوٹ نہیں سکتے ہیں

بقیہ صفحہ ۴۲) عدم بصارت کے لیے کافی تھی و اسے بر حال انکے کہ باوجود روشنی جاتی رہنے کی بالکل محروم بصارت سے کر دیے گئے کہ کچھ دیکھتے ہی نہیں ہیں۔ اوپر منافقوں کے چند اوصاف بیان کیے گئے تھے جسے انکی حقیقت کا پتہ چلتا تھا اور کچھ انکے تصور میں مدلتی تھی اب انکی تمثیل ذکر کی گئی انکے اوصاف کو کہ جو غیر مرئی وغیرہ تھے مشابہات سے مثال کے دیکر ظاہر کیا گیا تاکہ اچھی طرح انکی حقیقت ہو بیا ہو جاوے اور انکے آل بد و حال تیر سے کما حقہ آگاہی مل جائے۔ آگ سلگانے والے کی تمثیل منافقوں کی تھوڑے نفع مند ہونے سے ہو کہ انھوں نے اس نظر ایمان سے تھوڑا ہی فائدہ اٹھا یا تھا کہ انکا پردہ فاش کر دیا گیا جس طرح آگ جلانے والے نے تھوڑی ہی روشنی حاصل کی تھی کہ وہ آگ بے نور ہو گئی ضرر عظیم انھوں نے اٹھائے کیونکہ نور ایمان سلب کر لیا گیا ظلمت کفر ظلمت جمالت ظلمت عداوت میں ہمیشہ پڑے رہیں گے کہ جس سے کبھی نجات نہیں مل سکتی یہ بلکہ اسفل السافلین میں تمام درجات جہنم کے نیچے ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہینگے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس تمثیل کا تعلق اوپر تمام قصوں سے نہیں ہو بلکہ صرف آخری صیغہ منافقوں کے ہے۔ اشتروا الصلوات بالھک انھوں نے گمراہی کو لیکے ہدایت دیدی اسی سے صرف تعلق ہو یعنی انھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اس طرح خریدی جس طرح کسی نے آگ روشن کی مگر روشنی ہوتے ہی اُسکو خدائے بچھا دیا اور ظلمت کفر و نفاق میں گرفتار ہو گئے جس سے نجات مشکل ہے نفاق کے بعد مشکل سے امر حق تسلیم کر لیا جاتا ہو بلکہ وجہ اتباع حق کے مفقود ہو جاتے ہیں ظاہری ایمان ہمیشہ کے لیے خسارہ کا باعث ہو گیا ہو۔

صَلِّ عَلَيْهِمْ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ۔ یہ بھی نتیجہ پر کی حالت کا ہو کہ جب اس طرح وہ گمراہ کر دیے گئے ہیں تو پھر انکی حالت یہ ہو گئی کہ وہ بہرے گونگے اندر سے ہیں اس لیے وہ ٹوٹ نہیں سکتے ہیں اس جملہ سے اسکا اظہار ہو کہ نفاق نے انکو اگرچہ اللہ نے عقل دی تھی حواس عطا فرمائے تھے سب انگان کر دیے ہیں بہرہ کر دیا ہو کہ حق بات نہیں سنتے گونگا کر دیا ہو کہ حق بات زبان سے نہیں کہتے ہیں بلکہ لمبن کفر ہی اُسکو ظاہر نہیں کرتے انھا کر دیا ہو کہ صحیح واقعات دیکھتے نہیں ہیں اور واضح دلائل انکی نظر و بین نہیں آتے ہیں جب انکے حواس کی یہ حالت ہو تو پھر انکی ہدایت کسی طرح متوقع نہیں ہو نہ وہ گمراہی سے ہدایت کی جانب لوٹ سکتے ہیں نہ وہ گمراہی کو کہ خرید چکے ہیں اُسکو پھر واپس کر کے ہدایت لے سکتے ہیں انکے تحیر کی حالت یہ ہو کہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ انکو کیا کرنا چاہیے نہ انکے پاس کوئی ماسی مل گیا ہو جہاں وہ پھر آئیں۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ يَّجْعَلُونَ اَصْنَانًا

یا انکی مثال ایسی ہو جیسے میٹر تھو آسمان سے جہین بہت ہی اندھیرا بیان ہوں اور کرکل ہوا پرچک ہو اُسکی وجہ سے اُنھوں نے

فِيْ اِذَا نِهَمَّ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَدَرَ الْمَوْتِ وَاللّٰهُ فَيُطْرِبُ الْكَافِرِيْنَ ۝

اپنے کا زون میں اپنی انگلیوں کو کہ لیا ہو بکلیوں سے ایسی خون زدہ حالت میں جہوت کی خوف ہوتی ہو اور اللہ کا زون کو گھیرے ہوئے ہے

اُس سے مراد یہ ہو کہ منافقوں کی حالت کی تمثیل دو زون ہو سکتی ہیں چاہے اوپر کی مثال کو یا یہ مثال

کو اسکی ضرورت نہیں ہو کہ اُو کے معنی واؤ کے لیے جاوین یا او کوئی تاویل کی جاوے۔

صدیب کے معنی ابر کے بھی ہیں اور میٹھ کے بھی ہیں اور میٹھ بھی وہ جو لگا تار برتا ہو جسکو مسلا دھا رکھتے ہیں

سماء کل ماعلاک فهو سماء کے اعتبار سے ہر وہ شے کہ جو بھٹارے اوپر ہو وہ سماء ہو ایسی وجہ سے اسکے معنی

فلک کے بھی ہیں ابر کے بھی ہیں اور آسمان کے بھی ہیں۔

ظلمت کو جمع لانے کی غرض یہ ہو کہ پانی کے پے در پے برسنے سے جو حالت ہوتی ہو اُس کی تصویر

کھینچی جاوے یا ابر کے اندھیاری رات کے اندھیاری پانی کے اندھیاری جمع لانے کا باعث ہو کہ سب

اندھیاریاں موجود ہیں۔

رعد وہ آواز ہو جو بخارات کے چڑھنے یا اترنے کے باعث ابر میں پیدا ہوتی ہو۔ برق رگڑے

اسکے جو روشنی ہوتی ہو۔

صاعقه جو بخار کثیف نیچے کی جانب آتا ہو جسکو بجلی کہتے ہیں۔

دین اسلام کی تشبیہ برستے ہوئے پانی سے دی گئی ہو اسواسطے کہ جس طرح میٹھ زمین کی تازگی اور

زندگی کا باعث ہوتا ہو اسی طرح ارض قلوب اور دل کی سطح کو مسادات کرنے والا اور دل کو زندگی

تازہ دینے والا اسلام ہو اور رعد اور برق سے مراد وہ مکافات ہیں جو اہل ایمان سے دشمنوں کو

پہونچنے والے تھے اور وہ مصائب ہیں جن میں دشمنان دین گرفتار ہو گئے تھے یا احکام آئی او امر و

نواہی حکم جہاد حکم عدم موالات وغیرہ کہ وہ بہت شاق تھا اسوائے اہل اسلام کے اُنکو خوشی سے عمل

کرنے والے منافق نہ تھے بلکہ اُن کے باعث اُنکا پردہ فاش ہوتا تھا کا زون میں انگلیاں ڈالنے سے

اُنکی حالت اعراض عن الحق کو تشبیہ دی گئی ہو۔

اس دوسری تشبیہ میں اور بھی حالت منافقوں کی ذلیل و خوار دکھائی گئی ہو کہ پہلی تشبیہ میں

اظہار ایمان سے اُنکو بہت دیر تک نفع مند نہ ہونا دکھایا گیا ہو اور اس تشبیہ سے اسلام کی حالت اُنکے

ساتھ اُنکے احوال بدو نکبات دینی و دنیاوی ظاہر کیے گئے ہیں دکھایا گیا ہو کہ ایمان جس سے سرسبز

مِثْلَ الْبَرْقِ يُخْطَفُ أَبْصَارُهُمْ كَمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَافٍ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

بقیہ صفحہ ۴۴) حیات قلوب کی ہوتی ہو انکی شامت اعمال سے انکے لیے وبال ہو گیا ہو اور ہر دن اور ہر آن اُن پر تازہ ستم ڈھایا جاتا ہو یہاں تک کہ اُنکی حالت ہر وقت خون و ہراس کی ہو اور اُن کو کسی قسم کا اطمینان نصیب نہیں ہو اگرچہ اُنھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ محض راحت کے طلب اور اطمینان کے خاطر تھا وہ بھی منفق و سب۔

اُس سے اُنکی حیرت اور نادست رسی کی حالت بتائی گئی ہو لاچار رو بے یار و مددگار ہیں جب کبھی اُنکو نورایمان دکھائی دینے لگتا ہو یا اُسکو اظہار کرتے ہیں تو اُس سے تھوڑا فائدہ اُٹھالیتے ہیں ورنہ اُنکی حالت یہ ہو کہ آگے بڑھتے ہیں نہ پیچھے ہٹتے ہیں جہاں قدم ہیں وہیں پر ہیں کھڑے ہوئے ہیں راہ نہیں ملتی ہو۔

فائدہ آسمان اور بار و باد و برق و بجلی کے متعلق چند امور یہاں پر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے

یہ خیال رکھنے کی بات ہو کہ انبیاء اس غرض سے تشریف نہیں لائے ہیں کہ کوگون کو ایسے امور تعلیم فرما دیں جنکو فلاسفہ اور حکماء بتاتے ہیں بلکہ اُنکی تشریف آوری محض ہدایت خلق کے لیے ہوتی ہے اُنکی تعلیم اعمال و افعال مکلفین کے متعلق ہوتی ہو باوجود اسکے خلاف واقع کوئی امر وہ نہیں کہتے ہیں اسی وجہ سے اُنکے اقوال حکماء کی تحقیقات صحیحہ کے خلاف نہیں ہوتے ہیں جہاں کہیں اختلاف پایا جاتا ہو یا تو انبیاء کے اقوال غلط طور پر جو مری ہوتے ہیں اُنہیں پایا جاتا ہو یا حکماء کے اقوال خلاف واقع ہوتے ہیں ایسی جگہ پر اکثر غلطی ہو جاتی ہو متکلمین اقوال انبیاء اور ارشاد الہی کی تاویل موافق اُن غلط اقوال حکماء کے کرتے ہیں پھر اگر غلطی ہوتی ہو تو دوسری تاویل کرتے ہیں متکلمین کا قصور ہو درحقیقت تاویل غلط ہوتی ہو نہ کہ حکم الہی غلط ہو اُسی قبیل سے ہو کہ جو حکماء و علماء نے قرآن شریف کے سبع سموات کو بطلیوس کے افلاک تنسے پر محمول کیا اور عرش و کرسی کو ملا کے دونوں کی تعداد موافق کر دی حالانکہ کمان خدا لئی آسمان اور کمان بطلیوس کے افلاک خدا کے آسمان پر آبادی ہو فرشتے ہیں آسمان کے دروازہ ہیں کھلتے ہیں بند ہوتے ہیں برخلاف بطلیوس کے افلاک کے کہ وہاں آبادی کی گنجائش نہیں ہو خرق التیام محال ہو درحقیقت ایک دوسرے پر محمول نہیں ہو سکتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کو تمام ستاروں بلکہ تاروں کے اوپر بتلایا ہو اور یہ بہت سے تاروں کو اوپر بتاتے ہیں مثلاً آسمان دنیا میں قمر ہو اور

سبک نیچے ہو تو جس قدر سیارے و ثوابت ہیں اسکے اوپر ہیں یہ بالکل خلاف شرع ہے اب حکماء نے فیتا غورث کا مذہب اختیار کیا اور تحقیق جدید سے یہ ظاہر ہو گیا کہ افلاک بطیموسی تقویم ہیں انبیاء کے ارشاد کی ایسی تائیدیں جس سے بطیموس کا مذہب موافق ہوتا ہو ضلول و لالینی ہے اس واسطے اسکی ضرورت ہی نہیں کہ اس کی تائید کی جادے اور تحقیق جدید جسکا دار و مدار مشاہدہ پر ہے انبیاء کے ارشادات کی تکذیب نہیں کرتی ہے اس واسطے کہ ابھی تک مشاہدات کی انتہا نہیں ہوئی اور برابر تارون کا پتہ چلتا جاتا ہے اس لحاظ سے وہ مقام ابھی بہت دور ہے جہاں پر آسمان کے ہونے کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے بلند سے بلند تارہ پانچ کھرب میل دور زمین سے محسوس ہوا ہے اور ابھی دیگر تارون کے وجود کا احتمال ہے تو معلوم ہوا کہ ابھی آسمان کی جگہ تک احساس کو رسائی نہیں ہے یہ دوسری بات ہے کہ آسمان کی دوری اس قدر ہے کہ جہاں تک بلند ہوتی چلی جائے اسکی جگہ اور قرب و بعد میں فرق نہیں آتا ہے کہ ممکن ہے کہ مٹی وہی آسمان ہو یا حد نظر ہو اس میں کوئی زائد کلام کی ضرورت نہیں ہے ظاہر ہے کہ معمولی آنکھ بہت دور کی شے نہیں دیکھ سکتی ہے اگر آسمان نہ دکھائی دے تو کوئی عجیب بات نہیں ہے معمولی تارون کی حالت یہ ہے کہ جن درجات کے تارے بلا دور بین دکھائی دیتے ہیں انکی دوری زمین سے دو لاکھ پچیس ہزار گنا اس دوری کے ہے جو ہمارے سورج سے زمین کے درمیان فاصلہ ہے جسکی مقدار اندازاً دس کروڑ میں ہزار میل تک پہنچتی ہے اسکی روشنی چار برس چار ماہ میں زمین تک آتی ہے بہر حال ابھی تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں آسمان ملاحظہ فرمائے ہیں وہاں تک احساس کو رسائی نہیں ہوئی جسکو ہو وہ مشاہدہ کر سکتا ہے اور بدون اس کے کسی کو حق تکذیب حاصل نہیں ہے۔

ایسے ہی رد اور برق کے متعلق آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی حقیقت روحانی کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ مراد اس سے رب الانواع و ملائک و ملکین ہیں جو تمام انواع کے تحفظ کے لیے بلکہ ہر قطرہ کی حفاظت کے لیے خدا نے بنا رکھے ہیں تو جو امور کہ درمیان میں دھان و بخارات سے حادث ہیں ان کے تحفظ و جو کہ جو مغل ہیں اور ان کے افعال و اعمال کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عربک امیون کے لیے فرشتہ اور اس کے کوڑے کی چمک کر کے ظاہر فرمایا ہے۔

اس طرز ادا کے سوائے وہ اُمتی لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے ہیں۔

فائدہ ثانیہ علی کل شیء قدیر میں شئی سے مراد ہر ممکن ہے اسی وجہ سے صحیح عقیدہ یہ ہے کہ متمتع اور واجب تحت قدرت سے خارج ہے اور وہ نقائص جو وجوب وجود باری کے منافی ہیں وہ متمتع ہیں بلکہ وہ جن کو شرع نے ظاہر کر دیا کہ متمتع ہیں وہ بھی قدرت سے باہر ہیں جیسے شریک باری اور کذب باری وغیرہ واللہ اعلم۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ
اے لوگو اپنے ایسے پروردگار کی عبادت کرو کہ جس نے تم کو عدم سے وجود کیا اور جس نے تمہارے

قَبْلَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا
پہلوں کو مخلوق کیا شاید کہ تم پر ہر گامی کرنے لگو وہ پروردگار ایسا ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا
وَالسَّمَاءَ بَنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنْ

اُور آسمان کو خیمہ اور چھت کیا پانی اُتارا پھر اُس پانی کے ذریعہ سے
الشَّجَرِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝
پھلوں میں تمہارے لیے رزق بنایا پس اللہ کے ساتھ کسی کو ساجھی اور شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے ہو

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء انسان کے اقسام ذکر کر کے کی کہ لوگ کئی قسم کے ہیں ایک
مومن چاہے پہلے اہل کتاب تھے پھر ایمان لائے یا مشرک تھے ایمان لائے دوسرے کفار جنکے ایمان
لانے کی امید نہیں تیسرے منافق جنہوں نے باوجود کچھ فائدہ اٹھانے کے اسلام کو دل سے حق نہیں مانا
اور وہ تھوڑا نفع سخت نقصان کا باعث ہوا بلکہ انکی اس بداندیشی کے باعث ہمیشہ کے لیے ہدایت کی
امید جاتی رہی ان سورتوں کا ذکر کر کے اللہ جل شانہ نے تمام لوگوں کو خواہ کسی فرقہ کے ہوں مخاطب کیا
یہ صنعت التفات کہلاتی ہو کیونکہ فرقوں کو ذکر کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہیوں کی
شناخت ہوگئی وہ بھی اپنی حقیقت کے ظاہر ہونے اور اپنے راز کے افشا ہو جانے سے متوجہ ہو گئے۔
یَا أَيُّهَا اگرچہ خطاب بعید کے لیے ہو مگر قرآن شریف میں اکثر جگہ اس عنوان سے خطاب محض تاکید
کی غرض سے اور کامل توجہ دلانے کے باعث ہو مخاطب اسکے تمام مطلقین ہیں چاہے کفار ہوں یا ایمان
عرب ہوں یا عجم مگر خصوصیت سے خطاب اہل مکہ سے ہو اسی وجہ سے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جہان کہین
یَا أَيُّهَا النَّاسُ قرآن شریف میں آیا ہو مشرکین مکہ مراد ہیں اور جہان کہین یا ایہا الذین امنوا آیا ہو
مدینہ میں جو ایماندار رہتے تھے وہ مراد ہیں اگرچہ مفہوم عام ہو اس جگہ یہ شبہ ہوتا ہو کہ اگر خطاب
عام ہو تو اس آیت میں حکم عبادت کا دیا گیا ہو اُس سے کفار کا بھی مخاطب ہونا خصوصاً عبادت کے
عمل کرنے پر ثابت ہوتا ہو حالانکہ مشہور یوں ہو کہ کفار مخاطب عبادت کے نہیں ہیں مگر یہ شبہ
نکال دینا چاہیے اسوجہ سے کہ اولاً یہ تحقیق کے خلاف ہو کہ کفار مخاطب نہیں ہیں بلکہ حق یہ ہو کہ وہ
بھی مخاطب ہیں ثانیاً مراد یہاں یہ ہو کہ عبادت کرو بشرط و ط اور بشرط ایمان ہو بدون ایمان کے عبادت
مقبول نہیں ہوتی ہو تو کفار بشرط ایمان مخاطب ہوئے ہیں یعنی ایمان لا کے عبادت کرو جیسے

نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے تو مقصود یہ ہے کہ طہارت کر کے وضو کر کے نماز پڑھو یہ مراد نہیں ہے کہ
 بلا اداۃ شریعت نماز پڑھو تاکہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جہاں کہیں عبادت کا حکم ہوا ہے مقصود اُس سے
 توحید ہے تو مراد یہ ہے کہ اے لوگو! وحدانیت اللہ اور خدا کے ایک ہونے کا اقرار کرو اور شرک چھوڑ دو
 اس خطاب میں تمام مسلم یا زار و غیر ایماندار مشرک غیرہ سب شامل ہیں اور اسکے مکلف سب
 ہیں اُن لوگوں کو جو ایمان نہیں لائے ہیں اُن سے بھی عبادت کا حکم ہوا ہے اس طور پر کہ اُنکے عذر کو
 دفع کر دیا گیا ہو اس واسطے کہ عبادت کرنا ایسے کی مقتضی عقل کا ہے کہ جب آلنے والا ہے پیدا کرنے والا ہے
 روزی دینے والا ہے جگہ دینے والا ہے کیونکہ یہ امور اصل انعامات کے ہیں ان امور کو دینے والا ہے
 اصل تعظیم اور غایت تکریم اور نہایت خشوع اور خضوع کا مستحق ہے اُسکی جناب میں عبادت پیش کی
 جاوے جو شت مل ان امور کے اوپر ہو اُسکے سوا کسی کی عبادت نہ کی جاوے اگرچہ جب حیثیت تعظیم
 و تکریم دوسروں کی بھی ہو سکتی ہے مگر غایت اور نہایت ان امور کی اُس کے لیے ہے جو انتہائے انعامات عطا
 کرنے والا ہے تاکہ شکر یہ انعام کے مناسب ہو یہ نہیں چاہیے کہ وہ جو ظاہری انعام کرتا ہو حقیقت وہ
 منع نہیں ہے اُسکی عبادت کی جاوے جو ہرگز مناسب نہیں ہے وہ اگر باطل ہیں اور حنکی مُشرکین
 عبادت کرتے ہیں بلکہ اُنکو رب کہتے ہیں وہ مستحق عبادت کے نہیں ہیں مستحق عبادت وہی پروردگار
 ہے جو جس نے خلق کیا ہے تم کو اور تمہارے اگلوں کو چاہے انہیں سے وہ بھی ہوں جنکو تم رب کہتے ہو اور اُنکی
 پرستش کرتے ہو خلق کے معنی ایجاد معدوم کے ہیں کہ جو اندازہ سے اور استحکام کے ساتھ ہوا اور معتزلہ
 بجائے معدوم کے شے کہتے ہیں کہ خلق ایجاد کرنا شے کا ہونا کے نزدیک شے کا اطلاق معدوم پر بھی صحیح ہے
 اس واسطے کہ ہر وہ جسکو جان سکتے ہیں اور اُس سے خبر دے سکتے ہیں وہ شے ہے چاہے معدوم ہو یا
 موجود برخلاف اہل سنت کے کہ وہ معدوم کو شے نہیں کہتے ہیں اس لحاظ سے شے سے موجود ہی مراد ہوگی
 جیسا کہ اوپر گذرا ہے کفار سے جب دریافت کیا جاتا تھا کہ تمہارا پالنے والا کون ہے تو کہتے تھے کہ
 اللہ ہے آسمان وزمین کو کہنے پیدا کیا تو جواب دیتے تھے کہ اللہ نے پیدا کیا روئید گی کسی قدرت سے
 ہوئی تو کہتے تھے کہ اللہ کی قدرت سے ہوئی اسی وجہ سے اس جگہ رب کی وہی توصیف کی گئی جس کا
 اقرار خود مشرک بھی کرتے تھے اور خدا کے لیے ان صفات کا ثبات ہونا اُنکو بھی تسلیم تھا ان صفات
 کا ذکر کہ حکم عبادت و توحید دنیا کمال درجہ کا قوی طریقہ ہے کہ دعویٰ مع دلیل کے ہے کہ عبادت ان
 اوصاف سے کیجاتی ہے اور یہ اوصاف اُسمین پائے جاتے ہیں لہذا اُسکی عبادت کرو مگر یہ عبادت اُسکو
 فائدہ بخش نہیں ہے وہ غنی ہے جو تم عبادت کر دیا نہ کرو وہ معبود ہے اس عبادت کا حکم اُس نے محض اس وجہ سے

دیا ہو کہ بخاری نجات اسپر موقوف ہو اس واسطے کہ اس عبادت کا ثمرہ یہ ہو کہ تمکو پرہیزگاری کی توفیق ہوگی اور پرہیزگار جنت میں جائیں گے فلاح پائیں گے۔

یہاں محل کا لفظ جو شک کے لیے آتا ہو ذکر کیا گیا ہو مگر معنی میں یا تو تزیین کے یا کے کے معنی امید یہ ہو کہ پرہیزگاری کی توفیق تمکو ہو مگر امید کرم سے ہو جسکو وعدہ کے قائم مقام سمجھنا چاہیے کیونکہ اُسکے کرم سے بعید ہو کہ وہ امید دلائے اور اُسکے خلاف کرے اور اگر کے کے معنی میں ہو تو ظاہر ہو کہ عبادت سبب ہو گا پرہیزگاری کا کیونکہ عبادت نفس کشی کا باعث اور تزکیہ کا سبب ہوتی ہو اور روح کی تازگی اور قلب کی روشنی کا ذریعہ ہوتی ہو جس سے کس نفس حاصل ہوتا ہو اور روحانیت بڑھتی ہو اچھے کام اُسکی سرشت ہو جاتے ہیں اور بُرے کاموں سے محفوظ ہو جاتا ہو لہذا نجات اُسکو خواہ مخواہ ہوتی ہے تو یہ فائدہ دل سے عبادت کرنے والوں کو ہوا خدا کو عبادت سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اس فائدہ کو چھوڑنا عقل کا کام نہیں ہو اور جو علم رکھتا ہے اُسکو زیبا نہیں ہو خصوصاً یہ امر کہ ایسے غنی رب اور کریم اللہ کی عبادت چھوڑ دی جاوے اور دوسروں کی جسکو اُس نے تمھارے ہی طور پر بنایا ہو اُنکی عبادت کی جاوے یا اُس کی عبادت بھی ہو اور اُس کے ساتھ دوسروں کو بھی اُسکا شریک کر دو تو یہ سخت ناشکر گزاری ہو اُس نے تمھارے لیے زمین کو بنایا اور فرش کیا جہر تم رہتے رہتے ہو زمین کو تم مثل فرش کے استعمال کرتے ہو اس جگہ زمین سے یہ حصہ مخلوق مراد ہو جس پر انسان آباد ہو یہ کیا ہو ایک گروہ حکماء کا کہتا ہو کہ عالم کا مرکز ہو اور اُسکے گرد تمام کُرّات گردش کرتے ہیں اور یہ ساکن ہو دوسرا گروہ کہتا ہو کہ یہ ایک ستارہ ہو مثل اور سیاروں کے جو اس عالم کے آفتاب کے گرد گھومتا ہو حکماء اسلامین میں سے بعض اہل تصوف اسی رائے کی جانب گئے ہیں کہ زمین ایک متحرک کرہ ہو اور اُسکے ساتھ ایک نفس و شعور ہو جس سے فضاے عالم بجلم آئی گھومتی ہو اور اُس نفس و شعور کے تحت میں ارواح ہیں جنکو ملائکہ ارضی کہتے ہیں وہ کارکنان عالم ارض ہیں ان دونوں مذہبوں میں سے کوئی بھی صحیح ہو یا غلط لفظ فرش کے منافی نہیں ہو اسوجہ سے کہ کشتی میں لوگ سوتے ہیں پہاڑ جو سطح نہیں مگر اُن کا ستارہ اس قدر رواز ہو کہ اُسکے باعث سکون اُسپر آسان ہو گیا ہو اسی طرح زمین ہو کہ اُسکے باوجود مستحیر ہونے کے آسائش سے بسر کرنا ممکن ہو یہ بڑی نعمت ہو کہ اللہ نے ربیع مسکون کو پانی سے بلند کر کے اُسکو مسکن سانس لینے والوں کا بنا یا ہو ورنہ اس مخلوق کا وجود ہی دشوار تھا اُسپر بسنے والوں کے لیے آسمان بنا یا جو مانند خیمہ کے یا چھت کے ہو ظاہر ہو کہ اس سے مراد یا تو حد نظر یا یا وہ آسمان ہو جسکی خبر انبیاء نے دی جس کی زینت یہ تمام

تارے ہیں اور سب اُس آسمان کے ماتحت ہیں اُسکا وجود ہمارے عالم کے تحفظ کا باعث ہے اُس کی جانب سے پانی آتا ہے خواہ ابر سے آوے یا خود فضا سے آسمانی سے آوے دونوں صحیح اور دونوں مراد ہو سکتے ہیں وہ پانی اس غرض سے برسیا جاتا ہے کہ ہمارے لیے رزق نکالا جاوے برستا ہو روئیدگی ہوتی ہے پھل نکلتے ہیں۔

صِبِّ الشَّمَاتِ - سے یا تو مراد یہاں بعض ثمرات ہیں تو اس صورت میں من تبعض کا ہے اور رزقاً مفعول لہ ہے معنی یہ ہوئے کہ اُس نے اُگایا زمین سے بعض ثمرات تاکہ ہمارے لیے وہ رزق ہوں یا من بیان یہ ہو اور رزقاً مفعول بہ ہو فاخرج کا تو معنی یہ ہونگے کہ اُس نے نکالا پانی کی وجہ سے ہمارے رزق کو کہ جو ثمرات ہیں اکثر رزق ثمرات ہی ہوتے ہیں لہذا تمکو چاہیے کہ تم سوائے اسکے کسی کو نہ پوجو اُسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

اَنْذَا دَاجِجَ نَذٰکِ - نہ کہتے ہیں شریک مخالف کو تو ارشاد ہوتا ہے کہ جب اصل نعمتیں اللہ نے دی ہیں تو پھر تمکو اُسی کی عبادت کرنا چاہیے اور اُسکے ساتھ کسی شریک مخاصم کا استدلال تمکو زیبا نہیں ہے حالانکہ یہ امر تمکو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس انعام کا عطا کرنے والا خدا ہے اور وہ شریک اور مذکور کو اختیار نہیں کرتا ہے نہ اُس کو تمہارا یہ شرک پسند ہے بلکہ وہ سخت ناپسند کرتا ہے۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ - حال ہے مراد اُس سے یا تو وہی ہے جو ہم نے کہا کہ تم اُسکے منقسم حقیقی ہونے کو جانتے ہو یا یہ کہ تم ایسا فعل کرتے ہو کہ جو شان اہل علم کی نہیں ناواقف جاہل کی حرکت ہو تمکو تو اُس نے علم دیا ہو تمکو زیبا نہیں کہ اس قسم کی حرکت کرو۔

دلائل وحدانیت اس قدر واضح ہیں کہ اُس کے لیے صرف عقل سلیم کی ضرورت ہے کسی ہادی یا مرشد نبی کی حاجت نہیں ہے وہ لوگ بھی مکلف ہیں جن تک دعوت نبوت نہیں پہنچی ہو برخلاف نبی کے کہ اولاً نبوت خود فضل الہی ہے تاکہ جو باتیں عقل سے ادراک نہیں کی جاتی ہیں یا اُن کے ادراک کرنے میں دشواری ہے اُن کی تعلیم کے لیے نبیوں کو اللہ نے بھیجا اُن کے واسطے دعویٰ نبوت کے ساتھ دلیل بھی قائم کی تاکہ کاذب سے صادق کو تمیز کی جاسکے جو لوگ کہ دعوت نبوت اُن تک نہیں پہنچا ہے وہ محض عقل سلیم سے مکلف اعتقاد نبوت کسی نبی کے نہیں ہیں دلیل نبوت چونکہ ضروری ہے اس واسطے خداوند عالم آگے ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهٖ

اور اگر تم کو شک ہو اُس شے میں جسکو پہنچے تھوڑا تھوڑا کہے اپنے ہندہ ہر اُتار دے تو اُس کے مانند ایک سورۃ لے آؤ

وَاذْعُوْا اِنَّكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۰ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا

اور تمکو چاہیے کہ تم اس سورۃ کے لانے میں اپنے گواہوں اور اپنے مددگاروں کو مدد کے لیے اللہ کے سوا لے آؤ اگر تم سچے بھیجے اگر تم ایسا نہیں کر سکتو

وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاَتَقُوْا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اَعَدْتُمْ لِّلْكَافِرِيْنَ

اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو تمکو ڈرنا چاہیے اُس آگ سے جسکے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور لشکر دن کے لیے اُٹھا رکھی گئی ہو

پہلے اللہ جل شانہ نے اپنی عبادت اور وحدانیت کی دلیل بیان فرمائی اُس کے بعد رسالت کی دلیل ذکر فرماتا

ہی تاکہ حجت تمام ہو جاوے خداوند عالم نے جس طرح آنحضرت کو نبی تمام عالم کا کیا ہی اسی طرح دلیل بھی آپ کی نبوت پر

ایسی ہی کی ہے جو تمام عالم کے لیے کافی ہو جاوے اور جس طرح آپ کی نبوت تا بہ قیامت ہی اسی طرح دلیل بھی جو

عطا فرماتا ہے وہ ایسی ہے کہ ہمیشہ قائم رہ سکتی ہے قرآن شریف ایسی دلیل ہے کہ جس مشرب کا انسان ہو اُس کے لیے دلیل ہے

بعض وہ لوگ ہیں جنکو قرب مرتبہ نبوت سے ہے جب وہ روحانی باتیں سنتے ہیں تو جس طرح ہو وطن اہل وطن

کو لب و لہجہ سے پہچانتا ہے اسی طرح وہ پہچان سکتے ہیں قرآن میں وہ کیفیت روحانی ہے کہ عالم قدس سے لیکے

ایک بشر بھی اُس کے سننے سے روح کو تازہ کرتا ہے اور جان لیتا ہے کہ اس کلام قدسی نظام سے تراوٹ کلام

قدسی ہونے کی ظاہر ہے جو قرب نبوت نہیں رکھتے وہ اس کے حکم و فیقہ اور احکام صحیحہ کو دیکھ کے منجذب ہو جاتے

ہیں اور اُنکو ماننا پڑتا ہے کہ بے شبہ یہ کلام ذریعہ نجات دارین کا ہے اور سب تہذیب نفوس اور اصلاح قلوب

وصلاح و فلاح کا ہے جو عامی ہیں عجائب پرست ہیں وہ اُسکی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کے متحیر ہو جاتے ہیں

طرح طرح کے شبہات کرتے ہیں مگر وہ سب زائل ہو جاتے ہیں ماننا پڑتا ہے کہ یہ کلام بلاشبہ معجزہ ہے

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قوم میں ظاہر ہوئے جو فصاحت و بلاغت ہی اپنا معراج کمال سمجھتی تھی

یہاں تک کہ اپنے سوا سب کو عجم کہتے تھے عجم کے معنی یا تو گونگے کے ہیں یا جانور کے ہیں جو ناطق نہ ہو تو وہ

اپنی فصاحت و بلاغت کے مقابل دوسرے لوگوں کو یا تو آدمی ہی نہیں سمجھتے تھے یا گونگا سمجھتے تھے اللہ نے

اُسکی صنف کا معجزہ عطا فرمایا تاکہ اُنکو کمال کے ادعا کے باوجود جب اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑے تو زاید

ذہن نشین ہو جاوے کہ یہ معجزہ جو چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عرب منجذب ہو گئے جواب جب نہ بن پڑا تو کہنے لگے

کہ اگر اللہ کی طرف سے یہ کلام ہوتا تو تھوڑا تھوڑا نہ اُترتا ایک دم سے پورا نازل ہو جاتا کیونکہ اللہ قادر

کہ وہ ایک دم سے نازل فرماوے یہ تو مخلوق عاجز کا طریقہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا کلام وہ کرتا ہے سوچ سوچ کے

مضمون نگاری کرتا ہے شعر کہتا ہے تو کبھی آج کبھی کل اس طرح کہنا اللہ کا کام نہیں نہ یہ طاقت بشری سے

باہر ہوا کا مجر ظاہر کر نیکی لیے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی مصلحت عباد کی غرض سے بقدر مناسب نازل فرماتا ہے اس طرح کے نزول سے اگر تم اس کے معجز ہونے میں شبہ کرتے ہو تو تم بھی ایسا ہی کر دکھاؤ اگر تم کو اس کے معجز ہونے میں شک ہو تو تم بھی ایک حصہ کلام کا جس سے اندازہ فصاحت و بلاغت کا ہو سکے اس کلام منزل کی طرح لاکے دکھاؤ اور اپنے اس اعتراض میں سچے ہو جاؤ اس تفسیر کے لحاظ سے من مسئلہ کی ضمیر ما انزلنا کی جانب ہے اور اگر عبدنا کی طرف مسئلہ کی ضمیر راجع ہو تو مراد یہ ہوگی کہ اس طرح سورہ کہ جو ایک حصہ کلام کا ہے جس سے فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہو سکتا ہے ایسے شخص کے مانند جیسے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی محض ہیں نہ کسی مکتب میں بیٹھے نہ کسی استاد سے کچھ سیکھا حالانکہ تم لوگ فصاحت و بلاغت کی تحصیل کی سعی میں عمر گزار دیتے ہو اور پھر بھی اس درجہ فصاحت و بلاغت تمہارے کلام میں نہیں ہوتی ہے ایسے اُمّی سے اس قسم کا کلام خود معجزہ ہے اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ممکن ہے جس سے مطالبہ قرآن کی ایک سورہ لانے کا کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ قرآن کا مانند لانا محال ہے وہ اگر محال دیگر کو مستلزم ہووے تو کیا بعید ہے درحقیقت مثلثت یہاں صرف بشر ہونے میں اور اُمّی ہونے میں ملحوظ ہے نہ کہ من جمیع الوجوہ اس واسطے کہ ایسے شخص سے جو من جمیع الوجوہ مثل آنحضرت کا ہو قرآن کی ایک سورہ کا پورا قرآن لانا ممکن ہو مگر ایسی مثل وجود محال ہے بہر حال اللہ تعالیٰ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ کلام معجز ایسے اُمّی محض سے ظاہر ہونا اس کے من اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے مزید تقویت کے لیے ارشاد فرماتا ہے کہ تم صرف اپنی قوت سے کام نہ لو بلکہ اپنے ساتھیوں یا اپنے اُن مہبودوں سے جو تمہارے نزدیک اللہ کے سواے تمہاری مدد کر سکتے ہیں اُن سے اس عمل میں مدد لو اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں ہے یا اس دعوے میں کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا قرآن لاسکتے ہیں یا اس دعوے میں کہ دفعۃً آتا تو شاید اللہ کی طرف سے ہوتا بھی مگر رفتہ رفتہ آن حضرت لانے ہیں اس واسطے یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اس تاکید پر اور مبالغہ ہوتا ہے اور بطور پیشین گوئی کے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم نہیں ایسا کر سکتے ہو یعنی اُسکا ایسا ایسے شخص سے نہیں لاسکتے ہو اور یقیناً تم ایسا نہیں کر سکتے کہ اُس کے مانند ایک سورہ بھی لاؤ اس پیشین گوئی سے ایک دوسری دلیل کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جو کہتے ہیں کہ نبی کو علم غیب ہونا چاہیے اور نبی کو لازم ہے کہ وہ آئندہ کے واقعات سے بھی مطلع ہو اُس کا ثبوت بھی دیدیا گیا کہ نبی کو اللہ نے غیب کی بات بتا دی ہے اور وہ آگاہ ہے کہ تم نہیں لاسکتے۔

اَنْ تَفْعَلُوْا مِیْن اللّٰہِ اِذَا جُوْحَتْحِقْ كے لیے آتا ہوں ذکر نہیں کیا بلکہ جس میں امکان ہو دفعی کا
 اُس کو ذکر کیا ہو یا تو بہ لحاظ اُن کفار کے اعتقاد کے یا لحاظ اس امر کے کہ امکان بشر میں لانا ہو
 مگر اللہ نے ثبوت نبوت کی غرض سے تمہارے لیے نامکن کر دیا ہو اور مقصود اِنْ تَفْعَلُوْا
 سے یہ ہو کہ تم اُس کا مانند ایک سورۃ یا اُس کے ایسے شخص سے ایک سورۃ اس طرح کی نہیں
 لاسکتے ہو اس جملہ کو بغرض اختصار یا بغرض شمول کے ان تَفْعَلُوْا کے کلمہ سے ادا کیا ہو اُس کے بعد
 اُس نتیجہ کی طرف توجہ دلاتا ہو کہ اس تکذیب کے باعث جو کلام الہی کی جاتی ہے خصوصاً
 بعد اس اثبات اور عجز کے وہ نتیجہ مگر اہی وضلا لیت ہو اور وہ باعث عذاب آخرت اور خلود
 فی النار کا ہی لہذا ارشاد ہوتا ہو کہ پھر اگر تم نہیں کر سکتے اور ہرگز ہرگز تم نہیں کر سکتے ہو
 تو تم کو چاہیے کہ بچو آگ سے جس کا ایندھن لوگ ہیں جو باوجود دلیل قائم ہونے کے اور نبی کے
 آنے کے ایمان نہیں لاتے ہیں اور اُس کے ایندھن پھر میں یا تو مراد اس سے یہ ہو کہ اُس کی
 آگ بہت تیز ہی کیونکہ پھر کی آگ تیز ہوتی ہے یا مراد پھر سے وہ بت ہیں جنکو وہ پرستش میں
 رکھتے تھے اور اُن کی عبادت کرتے تھے کیونکہ قرآن شریف میں ہُوَ اَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ہُوَ
 دُوْنَ اللّٰہِ حَصْبُ جَحْمَتِ تم اور جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے وہ سب جہنم کے ایندھن
 ہیں اس آگ کے ایندھن کو بتا کے ارشاد ہوتا ہو کہ منکرون کے لیے اُٹھا رکھی گئی ہے اس سے
 معلوم ہو کہ اگر انکار تم نہ چھوڑو گے اور شک و شبہ کو دور نہ کرو گے تو تمہارا حال یہ ہو گا کہ جو
 آگ منکرون کے لیے اُٹھا رکھی گئی ہے اُس میں تم جلائے جاؤ گے اور اگر انکار چھوڑ دو گے شک
 دور کرو گے تو تم اُس آگ سے بچ جاؤ گے لہذا تم کو چاہیے کہ اس آگ سے اپنے نفس کو بچاؤ
 اور شک دور کرو اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آگ یعنی نار جہنم اس وقت موجود
 ہے ایسا نہیں ہو کہ وہ قیامت میں پیدا کی جاوے گی بلکہ وہ اللہ کے علم میں مخلوق ہے اور
 اُس کا محل و راز ارض ہے خواہ جانب فوق ہو یا جانب تحت ہو بلکہ وہ ذرق السماء یا تحت السماء
 ہی اگر کر دی شکل ہے تو فوق بھی کہا جاسکتا ہے اور تحت بھی کہا جاسکتا ہے اسی وجہ سے
 اہل کشف کے کلام میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں جہنم اعمال کے اسی طرح ہی جس طرح
 جنت اعمال ہی جس کا حال بعد کو معلوم ہو گا لہذا معتزلہ کا خیال صحیح نہیں ہو کہ جنت اور
 دوزخ ابھی مخلوق نہیں قیامت میں مخلوق ہونگی نہ اُن لوگوں کا قول صحیح ہو جو محض عمل کو
 جنت اور دوزخ سمجھتے ہیں۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
اور خوشخبری دو ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اس امر کی کہ ان کے لیے درختوں کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں
كُلْمًا زَائِدًا مِنْهُمْ مِمَّا كَانُوا هَلَاكًا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ
جب کبھی ان کو اُس جنت سے اُس کے لیے کھلائے جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے کھلا یا جا چکا ہے
وَأَنْوَابِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَنْزَارٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
اور اُن کے پاس ایک ہی طرح کے سولائے جاتے ہیں اور اُن کے لیے اُس جنت میں بہاؤ ہیں وہ لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے

خداوند عالم نے دعوت اسلام میں اس درجہ دلاویز اسلوب رکھا کہ جس سے تھوڑے زمانہ میں بہت سے
اشخاص اسلام کے حلقہ گروش اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ ہو گئے اُسی اسلوب سے یہ ہو کہ
جہاں کہیں اللہ جل شانہ نے کسی شے سے خوف دلایا ہو اُسی کے بعد کسی دوسری شے کا شوق دلایا ہے
ترہیب کے ساتھ ہی ترغیب بھی کی ہو دوزخ کے ساتھ جنت کا بھی ذکر ہو غضب کے بعد رحمت بھی
مذکور ہو تاکہ مایوس ہو کے کوئی ایمان سے روگردانی نہ کرے نہ امیدوار ہو کے جرأت کر بیٹھے اسی طور پر
یہاں بھی اللہ نے کیا۔

چونکہ کلامِ آسمانی کو بطور معجزہ اور دلیلِ نبوت رسالت پیش کیا گیا تھا اور اُس کے ضمن میں بطور نمرہ و نتیجہ
کے ذکر کیا گیا تھا کہ منکرین اور تنک کرنے والوں کے لیے جہنم اُٹھا رکھی گئی تو اُس کے بعد مناسب ہوا کہ نصیحت
کرنے والے اور ایمان لانے والے کس ثواب کے مستحق ہیں اُس کا بھی ذکر کر دیا جاوے تاکہ ترہیب کے
ساتھ ہی ترغیب بھی ہو جاوے۔

جملہ دبشہر کا عطف اسی طرح ہو جس طرح کہا جاوے کہ فلان قبیلہ کے لیے بوجہ اُس کے ظلم و تعدی فتنہ
و بغاوت کے قتل و غارت کا تصفیہ اُٹھا رکھا گیا ہو اور فلان جماعت کو بوجہ اُس کے نیک رویہ کے خوشخبری
دی جاوے کہ اُن کے واسطے بہت قدر و منزلت ہو یا عطف نصیحت کا قصہ پر ہی جہنم کی وعید سے بُردن کا
حال معلوم ہو گیا اُسی پر اچھون کے احوال کا عطف کیا گیا ہو۔

بشارت اُس خبر کو کہتے ہیں جس سے سننے والا خوش ہو اور اُس کے چہرہ پر آثارِ مسرت کے نمایاں ہوں
اُس کے بعد ہر سرور کرنے والی بات کو خوشخبری کہنے لگے ہیں بعض جگہ بشارت محض تہکم اور استہزاء کے
طور پر بولا گیا ہو جیسے کہا گیا ہو و بئس ہر بعدذاب الیہم اُن کو خوشخبری دو عذاب دردناک کی تو یہاں
مقصود اُس کے حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ برعکس ہنسنام زنگی کا فور کے طور پر ہو۔

بَشِيرٌ امر ہو اُس کے مخاطب یا تو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر ہیں کہ آپ نے فرض تبلیغ

پورے طور پر اور با حسن اسلوب انجام فرمائے جب عذاب کی وعید سنا چکے تو اب رحمت کا فائدہ بھی نیکی جہنم کے بعد جنت کا وعدہ بھی مٹا دیجیے۔ یا ہر ذی علم اس امر کا مخاطب ہو اس واسطے کہ اُسکو بوجہ قیامِ تعالیٰ آن حضرت کے یہ منصب حاصل ہو یا مراد اس سے عالمِ مخاطب ہیں مقصود اس عام خطاب سے یہ ہو کہ دخولِ جنت ایمانداروں کے لیے ایسا محقق امر ہو کہ ہر واقف کار ذی شعور کو اُسکا یقین ہو اس واسطے اُسکو لازم ہو کہ ہر دوسرے شخص کو اُسکی خوشخبری دے۔

الَّذِينَ آمَنُوا سے مراد وہ لوگ ہیں جنکو تصدیقِ قلبی بما جا بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہے گو اتنے ہی عملِ بر جنت کا دخول ممکن ہو کیونکہ ہر ایمان والے کو جنت میں جانا ضروری ہے مگر بلا سبقت عذاب اس قدر عمل پر کہ صرف ایمان لائے وعدہ دخولِ جنت کا نہیں دیا جاتا ہی جسے عرفِ ایمان قبول کیا وہ اگر گنہگار ہو تو پہلے جہنم میں بقدر اپنے عمل کے عذاب پانے کا مستحق ہوگا چاہے توبہ سے یا مجرد فضل سے اللہ اُسکو بخشدے مگر استحقاق دخولِ جنت کا پہلے اُسکو نہ ہوگا اس واسطے کہ ایمان سے دخولِ جنت کا استحقاق ہوا اور گناہ سے جہنم میں جانے کا استحقاق ہوا ایمان دائمی و سرمدی اعتقاد ہے اس واسطے اُسکی جزا بھی دائمی ہونا چاہیے اور عملِ وقتی ہو اس واسطے اُسکا عذاب بھی وقتی ہونا چاہیے۔ اور رحمت کے بعد عذاب میں مبتلا کرنا رحیم کی شان سے بعید ہو اس واسطے جہنم میں بقدر عمل سزا بھگتنے کے بعد عاصیِ جنت میں جایگا برخلاف اُسکے جو عملوا الصلحٰت کے مصداق ہیں یعنی جنھوں نے اچھے کام کیے وہ جنتی ہیں اُنکو پہلے ہی سے جنت کا استحقاق ہو ملا استحقاقِ جہنم کے تو اُن کے لیے یہ وعدہ مطلقاً ہو اس جگہ عملوا الصلحٰت کا عطف افنوا بر اس امر کا فائدہ دیتا ہو کہ ایمان ایسا عمل ہے کہ جب میں دوسرے اعمال داخل نہیں ہیں جیسا کہ مذہبِ احسان کا ہو برخلاف اُسکے المجرث اور شوائع ایمان کی حقیقت کاملہ میں عمل کو داخل کرتے ہیں اور معتزلہ و خوارج مطلقاً ایمان کی حقیقت میں عمل کو داخل کرتے ہیں یہاں تک کہ جو عمل نہ کرے اُسکو مؤمن نہیں سمجھتے ہیں برخلاف شوائع کے کہ وہ مؤمن تو سمجھتے ہیں مگر مؤمن کامل نہیں سمجھتے ہیں معتزلہ اُسکو نہ مؤمن سمجھتے ہیں نہ کافر خوارج اُسکو مؤمن نہیں سمجھتے ہیں بلکہ کافر سمجھتے ہیں ہم لوگ اُسکو مؤمن سمجھتے ہیں مگر مستحقِ جنت بلا سبق عذاب نہیں سمجھتے ہیں بہر حال عمل کا ہونا ایمان کے ساتھ دخولِ جنت اور تحفظِ عذاب کے لیے ضروری ہو اور بدوینِ عمل کے جنت ملنا محض فضل پر موقوف ہو استحقاق نہیں ہو اور مراد اعمالِ صالحہ سے اس بحث میں امورِ طبعیہ ہیں صالحاتِ جمع صالحہ کسی ہو مؤنت کا صیغہ استعمال کیا گیا ہو مراد اُس سے ہر وہ شے ہو جو درست اور ٹھیک ہو عقل سلیم اور شرع مستقیم اُسکو اچھی سمجھے بعض نے صالحہ سے طاعت مراد لی ہو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ صالحہ وہ عمل ہے جس میں اخلاص ہو یا سہ پاک ہو۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ چار اعمال کو صالحہ میں شمار کرتے ہیں علم۔ نیت۔ صبر و اخلاص کو۔

اِنَّ لَهُمْ جَنَّتٍ جمع جنت کی ہے جہنم و نون کے مادہ کے خواص سے ہے کہ اُس سے ستر و پوشیدگی ضرور محسوس ہوتی ہے جیسے جنون جنین جن وغیرہ لہذا اُس جگہ کو جہان درخت ہوں اور خوب گھنے ہوں اُسکو جنت اور جہان کہتے ہیں بعض لوگ پھلدار درختوں کے قطعہ ارض کو جنت کہتے ہیں۔ قرآن کے نزدیک جہان وہ جگہ ہے جہاں کھجور کے درخت ہوں اور فردوس وہ جگہ ہے جہاں انگور کی بیل ہو۔ مراد اس جگہ دارالرضوان ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا محل ہے جس طرح جہنم اللہ کے غضب کا محل ہے جنت کی حقیقت کیا ہے؟ اُسکو عالم غیب سے تعلق ہے جسکا ادراک حیات سے باہر ہے اُسکو نبی کریم اور دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بتایا اور انکے واسطے سے اللہ نے خبر دی ہے کہ کما حقہ اُسکی کیفیت عقل امین نہیں آسکتی ہو نہ بدون بتائے نبی کے کچھ اُسکی حالت کھل سکتی ہے جو کچھ کبار نے ارشاد فرمایا ہے مجمل ذکر کیا جاتا ہے کہ اسم رحمن جسکی تجلی حقیقت عالم برہ ہے اور اُس حقیقت کا وجود جسمیات میں بصورت عرش ہے اُسکے دو جانب تجلی کے ہو گئے ایک اسم رحیم کی تجلی دوسرے اسم منتقم کی تجلی خواہ اُسکو جمالی و جلالی تجلی کیسے جس طرف رحمت کا ظہور ہو وہ جنت ہے اور جہیر اسم رحیم تجلی ہے وہ تجلی ہی اسی طرح دوسری جانب صفت جلالی ہے غضب کا ظہور اور انتقام کی تجلی ہے جو اُس کے منظر ہیں وہ جہنمی ہیں اُسکی حقیقت تعلیمات انبیاء بالخصوص تعلیم اسلامی میں تو کما حقہ ہے اُسکے علاوہ اسکے متعلق جہد و مذاہب ہیں وہ سب تخمینی ہیں وہ لوگ جو جہنم کے قائل ہیں یہ نہیں کہتے ہیں کہ روح برابر اسی عالم میں دوسرے اجساد حاصل کر کے بُرے اور اچھے اعمال کی سزا و جزا بھگت لیتی ہے اور انکے علاوہ جہد و لوگ دوسرے عالم کی حیات کے قائل ہیں اُن میں بڑا فرقہ حکماء کا ہے وہ محض اس امر کی خوشی کو کہ جو علم نفس کو حاصل ہوا ہے اور مطابق علم واقعی کے ہے جنت کہتے ہیں مثال اُس خوشی کی دی جاتی ہے کہ جس طرح ریاضی کے کسی سوال کو حل کرو اور وہ صحیح ہو تو اُس وقت خوشی ہوتی ہے اسی طرح نفس جب عقول عالیہ کے مطابق اپنے علم کو پایہ تکمیل کو خوش ہوگا اگر مطابق نہ پایہ تکمیل کو کبیرہ ہوگا اسی کبیرگی کا نام جہنم ہے اس لحاظ سے جنت اور جہنم محض ذوقی ہیں بعض قرب الہی کو جنت اور بعد کو جہنم کہتے ہیں اس اعتبار سے یہ امر روحانی ہے بعض سمجھتے ہیں کہ جس طرح یہ عالم اجسام ہے اسی طرح ایک عالم جہانی ہے کہ جہاں غایت درجہ کی راحت ہے وہ جنت ہے اور جہاں انتہائی درجہ کی تکالیف ہیں وہ جہنم ہے انکے نزدیک جنت اور دوزخ ایک عالم جہانی ہے حقیقت انبیاء کرام اور بالخصوص ان حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہی قابل قبول ہو سکتا ہے اس واسطے کہ ہم یقین کرتے ہیں

کہ انبیاء کی تشریف آوری انھیں امور کے بتلانے کے لیے ہو جو ہمارے عقول کے ادراک سے باہر یا جھکا اور اک کرنا مشکل ہے ہم کو جب نبوت کا اقرار ہو گیا تو پھر اُنکے ارشاد کو متعلق ایسے امور کے ماننا ہی چاہیے احادیث شریف اور آیات قرآنہ اور اُسکی تفاسیر کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت بلاشبہ امر موجود ہو مہوم نہیں ہے اور اُسکا وجود ممتاز ہے اسی طرح جہنم بھی ممتاز ہے محض روحانی نہیں ہے نہ اس عالم جسمانی کے ایسے اجسام ہیں لذت روحانی اور لذت جسمانی دونوں اُس میں ہیں جنکو تجرد کامل ہو گیا اور لذت جسمانی کے لذت ہونے سے اُنکا نفس اعلیٰ وارفع ہو گیا اُنکے لیے محض جسمانی جنت عذاب کا حکم رکھتی ہے اس واسطے ضروری ہے کہ روحانی ہو اُسکو ہم جنت قرب کہتے ہیں اسی طرح جو لوگ تزکیہ کامل نہیں کر سکے جو لطف و لذت روحانی سے آشنا نہیں ہو سکے اُنکے لیے اگر جسمانی جنت ہو تو بیکار ہے اُسکو ہم جنت اعمال کہتے ہیں قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے کہ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ فِي مَقْعَدِ صَدَقٍ عِنْدَ مُلْكٍ مُّقْتَدِرٍ انھیں دونوں مرتبہ جنت کا ذکر اس آیت میں ہے جنت اعمال کے درجات ہیں جنکو تفکوحص کر کے علماء نے سات مرتبوں میں مخصر کیا ہے۔

دارالجلال اُسکی حقیقت کو اس عالم جسمانی سے اگر مشابہ کیا جاوے تو وہ نور سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ستر ستر نور ہے وہاں کے مکان نور ہیں خیمہ نور ہیں وہاں کے برتن نور کے ہیں وہاں کی زمین نور کی ہے وہاں کے میوہ نور کے ہیں درخت نور کے ہیں نہرین نور کی ہیں دارالسلام جسکی حقیقت مشابہ یا قوت سرخ کے ہے جنت عدن اُسکی کیفیت کیا بیان کی جاوے صرف اُس کے پھانک کی کیفیت یہ ہے کہ دونوں پٹ اُس کے زمرہ و یا قوت کے ہیں اور دونوں کے درمیان وسعت درمیان مشرق اور مغرب کے جو وسعت ہے اُس سے مشابہ لگی جاتی ہے جنت الماویٰ جسکو سونے کا کہا جاسکتا ہے جنت الخلد چاندی کی سی ہے جنت الفردوس موتیوں کی ایسی ہے جنت النعیم زمرد کی ایسی ہے اُسکو چاہے چاندی سونا کو چاہے چاندی ہونے کا ایسا کو اس واسطے کہ اُسکے اعراض و احوال بالکل اس عالم کے اعراض و احوال سے جدا ہیں جن امور کو ان حضرت نے ارشاد فرمایا اُسکے اعراض ایسے ذکر کیے ہیں کہ یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس عالم کی چیز ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ارشاد فرمایا کہ جنت ایک کھلا میدان ہے اُسکے درخت تسبیح ہیں ظاہر ہے کہ یہاں کے درخت جس زمین میں اُگتے ہیں اُس میں ضرورت ہے کہ بیج ڈالا جاوے پانی سے سینچا جاوے دھوپ گرمی پہونچائی جاوے جب کہیں درخت اُگتے ہیں اور پھل نکلتے ہیں وہ کیسی زمین ہے جسکے درخت تسبیح و تہلیل سے پیدا ہوتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ جب ایماندار جنت میں داخل ہوتا ہے تو ستر ہزار باغچہ اُس میں

دکھائی دیتے ہیں ہر باغچہ میں شہنشاہ درخت ہوتے ہیں ہر درخت میں ستر ہزار پتے ہوتے ہیں ہر پتے میں لکھا ہوتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ امتہ مذنبۃ ورب غفور ہر پتہ اس قدر چوڑا ہوتا ہے جتنا عرض درمیان مشرق و مغرب کے ہو اسی سے معلوم ہو گیا کہ جنت میں باغ اور درخت ہیں مگر وہ کیسے باغ ہیں وہ اس دنیا کے ایسے نہیں ہیں یوں تو جنت میں تمام راحتیں ہیں لیکن خصوصیت سے اندر جنتانہ نے یہاں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے رہنے کی جگہ کھانے کے اشیا اور ازدواج اس واسطے کہ عموماً انسان انہیں چیزوں کے ساتھ مانوس ہوتا ہے رہنے کے لیے مکانات ہیں مگر پُر فضا مکان کی قدر کی جاتی ہے خصوصاً باغوں کی زیادہ قدر ہو اس واسطے مکانات کے اوصاف سے قطع نظر کر کے باغوں کے متعلق جو چیزیں ہیں وہ مذکور ہوئیں اگر جنت سے مراد مکان و درختوں کے اُگنے کا لیا جاوے تو تجویز من تحتہ الاھلئے مراد یہ ہوگی اُسکے درختوں کے نیچے اُسکے مکانات کے نیچے نہرین بہتی ہیں جس طرح بسا تین دنیا میں مشاہدہ ہوتا ہے وہ جگہ بُری پُر فضا سمجھی جاتی ہے اور اگر جنات سے مراد درخت جنت ہیں تو ظاہر ہے کہ پھر اس تاویل کی ضرورت نہیں بلکہ یہ امر ظاہر ہے کہ درختوں کے نیچے نہرین بہتی ہیں خصوصاً وہ درخت جو کنارہ پر نہر کے ہوں اُنکی ڈالیوں کے سایہ میں نہرین جاری ہوتی ہیں جنت کے انہار دنیا کی نہروں سے بالکل مختلف ہیں انکا سرچشمہ زمین نہیں ہے بلکہ اسماء اکہیہ ہیں یہ بغیر اسکے ہستی ہیں کہ کوئی گہرائی ہو بسم اللہ کے اوصاف میں اوپر گزر چکا ہے کہ اسکا سرچشمہ اسماء اکہیہ ہیں اور حدیث شریف میں ہوا تھا اَلْجَنَّةُ تَجْوٰی فِی غٰیۃِ اٰخِرِ وُدِّ جَنَّتِ کِی نہرین بغیر گہرائیوں کے ہستی ہیں چند انہار کا پتہ احادیث و قرآن سے ملتا ہے نہر المار بانی کی نہر ہے جب اُسکو کوئی پیے گا تو وہ ہمیشہ زندہ رہیگا پھر موت نہیں آئیگی نہر اللبن دودھ کی نہر اُسکو پینے سے بالیدگی جسم کی قائم ہو جاوے گی نقصان جسم میں نہوگا نہر العسل شہد کی نہر اُسکے پینے سے بیماری مفقود ہو جاوے گی ہمیشہ آدمی صحیح و سالم رہیگا نہر الخمر شراب کی نہر سے پانی پینے کے بعد سے ہمیشہ طرب و سرور کی حالت رہیگی نہر کہتے ہیں دریا کو جیسے نہر النیل نہرِ جہلم اور نہر سندھ کو کہتے ہیں اسی طرح چشمہ کو عربی میں عین کہتے ہیں جنت میں عین بھی ہیں اور ایک حوض بھی ہے عین الکافور عین الزنجبیل عین الریح المَحْمُوم عین السلسبیل ان چاروں چشموں سے فرشتے لاکھ لوگوں کو سیراب کریں گے اور حوض کوثر جنت میں ہے جہاں یہ سب نہرین گرتی ہیں قیامت میں یہ میدان حشر میں لایا جاوے گا ایماندار اُس سے سیراب ہونگے اُس کے بعد سے پھر کبھی پیاس نہ لگیگی اسکے علاوہ شراب بطور ہی جس سے اللہ خود اپنے بندوں کو سیراب کرے گا۔

کَلَّمَاسُ زَقْوًا مَّہْمًا سے وہاں کے کھانوں کی حالت ارشاد فرماتا ہے کہ جب اُس جنت سے اُس کے

بعض میوون سے ایمانداروں کو کچھ کھلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ وہی میوہ ہے جسکو ہم پہلے کھا چکے
مراد پہلے کھا چکنے سے یا تو یہ ہے کہ یہ وہی میوہ ہے جسکو ہم نے دنیا میں کھایا ہے جنت کے میوے دنیا کے
میوون کے مشابہ ہونگے اس واسطے کہ نئی شے کھانے سے انسان کو پس و پیش ہوتا ہے یا مراد اس سے یہ ہے
کہ جنت میں جو اسکے قبل ہم نے کھایا ہے وہ ایسا ہی ہے چونکہ پھل سب مشابہ ہونگے مزہ مختلف ہوگا تو وہ جب
کھانے لگیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو وہی میوہ ہے جسکو ہم نے کھایا مگر جب مزہ دوسرا پائیں گے تو تعجب ہوگا یا مراد
اس سے یہ ہے کہ بلحاظ مراتب کے میوون کا تفاوت ہوگا تو ہر مرتبہ کا شخص اپنے ہی مرتبہ کے موافق میوہ پاکے
کہیگا کہ یہ تو دیا ہی ہے جیسا ہم پہلے پاچکے ہیں جنت کے میوے بڑے بڑے ہونگے انار و دان کا انگور و ان کا
بہت بڑے قد کا ہوگا۔

وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۖ سبب مراد یہ ہے کہ اُنکو ہمیشہ ایک طرح کے میوہ ملیں گے امام حسن بصری اور قتادہ کہتے ہیں کہ
سب پھل عمدہ قسم کے ہونگے اس واسطے کہ اُنکو اشتباہ ہوگا بعض کہتے ہیں کہ نام کا اشتباہ ہوگا واقعہ مختلف ہوگا
ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ جو دنیا میں پھل ہیں یہ برائے نام ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یہودی نے
کہا کہ آپ فرماتے ہیں کہ جنت میں کھانا پینا بھی ہوگا تو پھر حاجت ہوگی تو کیا کریں گے جنت تو نجاست کا محل
نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک اہل جنت کو تمھارے ایسے سو آدمیوں کی قدرت کھانے پر ہوگی وہ کھائیگا
مگر فضلات اس طرح کے دنیاوی نہ ہونگے بلکہ خوشبو منکد و خارج ہوگی دوسری حدیث میں ہے کہ اہل جنت
کھائیں گے پئیں گے پیشاب پاخانہ کی اُنکو حاجت نہ ہوگی ناک نہ سیگی نہ تھوکیں گے جس طرح یہاں سانس لیتے
ہیں اس طرح حدودِ ستیج کریں گے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کھانا پینا دیا کھانا پینا نہیں ہے جیسا کہ اس
دنیا میں ہوتا ہے اسکی اصلی حقیقت اللہ کو معلوم ہے یہاں غیب ہے مگر اسکو خیالی و وہی ذوقی سمجھنا صحیح
نہیں کہ اسکی حقیقت سے ہم باخبر ہیں۔

وَأَلْهَمُوا فِيهَا آرزو و اُجَّ مطہرۃ اُنکے لیے جو لوگ جنت میں جاویں گے ازواج ہیں کہ جنکو اللہ نے ظاہر
کر دیا ہے مطہرۃ سے مراد یا تو بہت اچھی طرح ظاہر ہیں یا مراد اُس سے یہ ہے کہ اللہ نے ظاہر کر دیا ہے اور
ظاہر کو ظاہر کرنے والا اللہ ہے اس واسطے کہ اُنکی طہارت بھی کامل ہوگی مراد یہ ہے کہ وہاں کے ازواج بول و براز
گندگی سے حیض و نفاس سے پاک ہیں آلائش سے تحریک و رنجش کے محفوظ ہیں کثافت سے مبرا اور تجھ کے
مبرا ہیں ان سے جو لطف اُٹھایا جاویگا وہ اس دنیا کا ایسا نہ ہوگا بلکہ اُسی عالمِ قدس کا ایسا ہوگا آبراہیم
نعمی کہتے ہیں کہ جنت میں جماع تو ہوگا مگر تجھ اُس سے تولید نہ ہوگا امام حسن بصری کہتے ہیں کہ اُنکی
حالت ویسی ہی ہوگی جیسی ہمارے یہاں کی بوڑھی عورتوں کی ہوتی ہے حیض و نفاس بچہ کی تولید

پاک و صاف ہونگی مگر سب جوان و ذخیرہ اور حسین ہونگی کہ اگر ان میں سے کوئی عورت زمین کی طرف
 جھانکے تو تمام زمین روشن ہو جاوے اور خوشبودار ہو جاوے اُسکی اور معنی دنیا و مافیہا سے بہتر ہو ایسا ہی
 ابو ہریرہؓ کی حدیث میں آیا ہے اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد کیا کہ ہر ایک شخص کو
 دو دو بیویاں لینگی ہر ایک بیوی ستر ستر حلقہ پہنے ہوگی اُسکی پندرہ لیون کا مغز اوپر سے دکھائی دیگا۔
 وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ وہ جنت میں جانے والے جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور گزر چکا ہو کہ نہر الماویہ
 پانی پیتے ہی موت کا ڈر جاتا رہیگا ظاہر ہے کہ جب یہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے تو جنت بھی ہمیشہ رہیگی اور
 اُسکے سایہ اور میوؤں کے ہمیشہ رہنے کی بھی خبر اللہ نے دی فرمایا اکلھا دایم وظلھا اس سے معلوم
 ہوتا ہے کہ جنت دائمی اور ابدی ہو برخلاف اُسکے کہ جو جہنم کہتے ہیں کہ جنت ایک مدت کے بعد فنا ہو جائیگی
 اُسکی دو وجہ عقلی بتاتے ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ ابدی ہے جنت اور اہل جنت اگر ابدی ہوں تو مساوات خدا
 کے ساتھ لازم آتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ اول و آخر ہے اگر جنت ابدی ہو تو اللہ آخر نہ رہیگا مگر
 اسکا جواب صاف ہے کہ اللہ ازلی ابدی ہے جنت کے صرف ابدی ہونے سے مساوات کیونکر لازم آتی ہے
 اور آخر کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ ہو اور کوئی دوسری شے ہو تو ایسا نہیں ہے بلکہ وہ ہمیشہ رہنے والا ہے
 کو الٰہ جنت سے ایک حدیث وارد ہوئی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو گروہ سب پہلے جنت میں داخل ہوگا اُسکی صورتیں مثل چودھویں رات کے
 چاند کے درخشاں ہوں گی پھر جو ان سے متصل داخل ہوں گے اُنکے چہرے مثل روشن تارون کے ہوں گے جو
 فضائے آسمان میں پورے طور سے تابان و درخشاں ہیں وہ نہ تو دنیا پر کھینکے نہ پاخانہ کی ضرورت اُنکو
 ہوگی نہ تھوکیں گے نہ ناک چھنکیں گے اُنکی کنگھیاں سونے کی ہونگی اُنکے پسینہ سے مشک کی خوشبو آئیگی
 عود اُنکے یہاں سلگایا جاوے گا اُنکی ازواج حور عین ہوں گی گل کی گل ایک ہی شکل کی مثل حضرت آدم
 علیہ السلام کے ہوں گی جبکہ قد ساٹھ گز لمبا ہوگا۔

یہ لوگ کن اوصاف اور خصائص کے ہوں گے ان سے خود معلوم ہوتا ہے کہ اعراض جسمانیت سے
 جو اس عالم میں ہیں پاک و مبرا ہوں گے بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قدر لطیف ہوں گے کہ اُنکو سوائے
 اُنکی صفت کے جن نہ دیکھ سکیں گے بلکہ جس طرح اس عالم میں جن کو انسان نہیں دیکھتا ہے مگر افسانہ کو
 جن دیکھتا ہے اُسکے برعکس ہوگا علاوہ برین یہ بھی بعض احادیث میں آیا ہے کہ جنت میں لوگ اپنی پسند کے
 موافق اپنے اشیاء حاصل کر لیں گے ایک حدیث میں ہے کہ جنت میں بازار ہیں جن میں خرید و فروخت کسی
 شے کی نہیں ہوتی ہے سوائے اُسکے کہ وہاں مردوں اور عورتوں کی صورتیں ہیں جب کسی کو کوئی صورت

پسند ہوتی ہو وہ اُس صورت میں داخل ہو جاتا ہو اس بازار میں ایک اجتماع ہو خواہ اُسکو سیلا کہو کہ وہاں عورتیں ہوتی ہیں وہ نہایت خوش آوازی سے کہتی ہیں کہ ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں ہم کبھی ہلاک نہ ہونگی ہم نرم اندام ہیں کبھی ہم میں بھڑیاں نہیں پڑیں گی ہم خوش رہنے والیاں ہیں کہ کبھی ہکو غصہ نہیں آتا ہکو مبارک ہو وہ جس کے لیے ہم ہیں اور جو ہمارے لیے ہو حضرت انس بن مالک سے بھی ایسا ہی مروی ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ہر جمعہ کو ایک بازار لگیگا اُس میں شمالی ہوا چلے گی جس سے چہرے خاک آلود ہو جائیں گے اور کپڑوں پر گرد پڑے گی اس کے باعث اُنکے حسن و جمال میں زیادتی ہو جائیگی پھر جب جنتی لوگ اُس بازار سے لوٹ کے اپنی جگہوں میں جاویں گے تو اُن کے اہلخانہ کہیں گے کہ تمہارا حسن و جمال زاید ہو گیا ہے وہ بھی گھر والیوں سے کہیں گے کہ تمہارا بھی حسن و جمال ہکو زاید معلوم ہوتا ہو اُس بازار سے جب یہ لوگ لوٹیں گے تو واقعہً دونوں کے حسن و جمال میں زیادتی ہو جاوے گی۔

ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ وہ ایک عالم ہی دوسرا ہو اُس عالم کا قیاس اس عالم پر نہیں کیا جاسکتا ہو بلکہ اُس عالم کے اشیاء سے بطور تشبیہ کے ذہن نشین کیے جاتے ہیں یہ شبہہ کیا گیا کہ یہ صورت اور زمین اور انگور و انار سب گرم ملک کے ہیں معلوم ہوتا ہو کہ جنت عرب کے لوگوں کے لیے ہو اسکا جواب یہ دیا گیا کہ عرب کی پسندیدہ اشیاء کا ذکر مفصل ہو اور دوسروں کے لیے ارشاد کر دیا گیا ولکن کھریبا ما تشقہ نفسکم تلو اُس جنت میں تمہاری حسب خواہش سب کچھ ہو جو چاہو گے ملیگا۔ یہ تو حال جنت اعلیٰ کا ہو جنت ترقی کے احوال اس مرتبہ کے ہیں کہ اُنکو اس عالم کی کسی شے سے تشبیہ بھی نہیں دی جاسکتی ہے ایسوجہ سے وہ بطور مرتبہ کے رکھا گیا ہو اور فرمایا گیا ہو لا عین رائت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب احد من البشر نہ کسی آنکھ نے اُسکو دیکھا نہ کسی کان نے اُسکو سنا نہ کسی شخص کے دل پر اُسکا خطرہ بھی گذرا رزقنا للہ وایا کہ بفضلہ و بجمۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمین۔

ادریکی آیت کے متعلق ایک شبہہ پیش کیا گیا ہو جسکی تفصیل کرنا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ فرماتا ہو فَلَا تَحْجَعُوا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ لہذا تم اللہ کا کسی کو شریک و سا جی نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ جو شخص اس امر سے واقف ہو کہ اللہ ہی نے ہکو پیدا کیا اور سب کو پیدا کیا ہو اور اُسی نے آسمان و زمین کو بنایا اور ہمارے لیے اُسکو خمیہ اور فرش بنایا اور آسمان سے پانی برسایا اور مختلف میوؤں کو ہمارے لیے رزق بنایا وہی شخص اس امر سے مخاطب ہو کہ کسی کو خدا کا شریک نہ کرے لیکن جو شخص اس امر کا حکم نہیں رکھتا ہو اُسکو اس آیت سے مانعت نہیں ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ

شریک کرے وہ شریک کر سکتا ہو مثلاً افریقہ کے باشندے ہیں کہ انکو اسکا علم ہی نہیں ہو کہ اللہ ان اوصاف سے مصنف ہی پھر جب لا تجعلوا کے وہ لوگ مخاطب نہیں ہیں تو آگے اور پیچھے بقدر اہم بیان مذکور ہوئے ہیں انہیں سے کسی کے وہ مخاطب نہیں ہیں نہ تو اعباد کے مخاطب ہیں اور نہ فانلقوا الناس الیٰہی و قدھا الناس والیٰ الحیۃ کے مخاطب ہیں۔ اسکا جواب یہ ہو کہ اگر تعلمون کے یہ معنی ہیں کہ مفعول اسکا مذکورہ بالا اوصاف اتنی ہیں تو یہ حال اور قید واقعی ہے احترازی نہیں ہو جس طرح کہا جاتا ہو کہ تم اس شخص کو جو گھوڑے پر سوار ہو یہ روپیہ دے آؤ تو اسکا یہ مقصد نہیں ہو کہ اگر وہ اتر پڑے تو اسکو وہ روپیہ نہ دیا جاوے کیونکہ دینے کے لیے یہ قید احترازی نہیں ہو اس پر سیاق و سباق خصوصاً لفظ یا ایہا الناس دلالت کرتا ہو کہ یہ مخاطب عام ہو اس شخص کو بھی مخاطب کیا ہو جو علم اوصاف مذکورہ کا رکھتا ہو اور وہ بھی مخاطب ہوا ہو کہ جو علم نہیں رکھتا ہو مگر اس پر یہ شبہ کیا گیا کہ اس صورت میں اس جملہ وانتم تعلمون کا ذکر کرنا اور نہ کرنا بیکار و بلا فائدہ ہوا اسکا جواب یہ دیا گیا فائدہ اسکا یہ ہو کہ عام مخاطبین میں ایک جماعت علماء کی ہو اسکی تفسیح اس جملہ سے ہوتی ہو اگرچہ احتراز کا فائدہ اس سے حاصل نہیں ہو۔

یہ تو اس صورت میں ہو جبکہ خطاب عام ہو اور حالت خاص ہو اور اگر خطاب خاص اہل مکہ یا یہود و نصاریٰ سے ہو جو ان اوصاف سے آگاہ تھے تو پھر ظاہر ہو کہ یہ پورے طور پر موافق ہو اس صورت میں یہ خطاب مخصوص ہوگا اگرچہ دوسری آیات سے مامور یہ کا عام ہونا ظاہر ہوتا ہو۔

اسی طرح اگر انتم تعلمون سے انتہی تعللون یا تشعرون مراد ہو اور اسکا کوئی مفعول نہیں ہو تو مطلب یہ ہو کہ حالانکہ تم علم یا عقل یا شعور والے ہو یہ تمام مکلفین کو شامل ہے تو جس طرح اعباد اور لا تجعلوا و انتھو عام ہے اسی طرح و انتھو تعلمون عام ہے وہ لوگ وہ عقل اور علم بمعنی اس کے کہ قوت اور اکیہ نہیں رکھتے ہیں وہ مخاطب نہیں ہیں کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں مگر جو عقل رکھتے ہیں اگرچہ وہ اوصاف مذکورہ سے واقف نہیں ہیں تو وہ مستحکم کے مکلف ہیں چاہے مخصوص احکام و عقائد کے مکلف نہ ہوں ان کو اگر دعوت پہنچ گئی تو وہ مسئلہ ہونگے ورنہ مسئلہ نہ ہوں گے جس طرح کوئی آنکھ آفتاب کو نہ دیکھے تو وہ قصور وار ہو اگر آنکھ پر سبز عینک لگائے اور کہے آفتاب سبز ہے تو اس کی عینک کو دور کرنا لازمی ہو ورنہ اس کا سبز کہنا قابل گرفت نہ ہوگا اسی طرح جو لوگ ادہام فاسدہ اور خیالات باطلہ سے تفصیل صفات میں کچھ کا کچھ اعتقاد کرے تو اس کو تبلیغ کرنا ہوگا اگر تبلیغ نہ ہوگی تو وہ معذور سمجھا جاوے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا

یقیناً اللہ شرم نہیں کرتا ہے کہ بیان کرے کوئی مثال کسی بڑے بھڑبھڑاؤ کے اوپر کے بھر

الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنََّّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

جو یقین رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہو ان کے رب کی طرف سے اور جو منکر ہیں

فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ

تو وہ کہتے ہیں کیا غرض تھی اللہ کو اس مثال سے گمراہ کرتا ہو اُس سے بہتوں کو اور راہبر لانا ہے

كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ

بہتوں کو اور گمراہ اُنہیں کو کرتا ہو جو نافرمان ہیں اور جو

عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ

عہد مضبوط کر نیکی بعد توڑ ڈالتے ہیں اور قطع کرتے ہیں اُس شے کو جس کو اللہ نے

يُوصَلَ وَيُفِيدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَيْرُونَ ۝

جوڑنے کا حکم فرمایا ہو اور ناسد کرتے ہیں ملک میں وہی نقصان اُٹھانے والے ہیں

اور وعدہ جنت ایمان والوں کے لیے محض ترغیب کے لیے مذکور ہوا ہو اور ترغیب کے ذکر کرنے

کی وجہ یہ ہو کہ اوپر اُس کے جہنم کی وعید ارشاد کی گئی تھی اور وعید محض نتیجہ دلیل کے طور پر مذکور ہوئی تھی

ورنہ مقصد اس جگہ اقسام کافین کے ذکر کرنے کے بعد توحید و رسالت کے دلائل و براہین ذکر کرنے کا

تھا اور دلائل سے قرآن شریف ہوا سوا سطلے اُس کا مذکور ہوا جب ظاہر فرما چکا کہ وہ معجزہ ہو اور اس کے

مقابل کلام لانے کی تمکولات نہیں ہو سکتی چاہے اسوا سطلے کہ حجت تمام ہو گئی ہو اور جب حجت

تمام ہو گئی ہو تو اب اُس کے نتیجہ کے طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان نہ لانے اور تکذیب کرنے کا ثمرہ عذاب

ہو اور ایمان لانے اور تصدیق کرنے کی جزا جنت ہو تو اب پھر اُس اعتراض کا جواب دیتا ہو جو متعلق

دلیل نبوت یعنی قرآن شریف کے مخالفوں کی طرف سے وارد کیے گئے تھے کفار کہتے تھے کہ گو ہم اس

کلام کے مائل لانے سے عاجز ہیں مگر اس پر بھی یہ کلام خدا کا نہیں معلوم ہوتا ہو اسوا سطلے کہ جو بڑے

لوگوں کے کلام کی شان ہو وہ اس میں نہیں پائی جاتی ہو اس میں تو معمولی چیزوں کے ساتھ مثال دینی ہو

یہ کیسا اللہ ہو کہ حیا نہیں کرتا ہو حقیر اشیاء کے ساتھ تمثیل دینے سے تو اُس کا جواب دینا یا نہ دینا ہر کے

کلام میں فحش اور مبتذل الفاظ نہ ہونا چاہیے نہ مثال میں اسوا سطلے کہ مثال تو صمیم کے لیے و کبیر کی

کبیر کے ساتھ حقیر کی حقیر کے ساتھ پھر اللہ کے لیے تو سب برابر ہیں اسی وجہ سے قرآن پر کیا موقوف ہو اللہ کے دیگر کتب سماویہ میں بھی ایسی مثالیں دی گئی ہیں اللہ کو ان مثالوں کے لانے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں اس اعتراض کا ذکر نہیں ہو بلکہ دلیل کے بعد محض اتہام فائدہ کے لیے جواب مذکور ہو در نہ اعتراض یہ تھا کہ یہود نے کہا کہ قرآن شریف کی طرف ہجوئیج کرنے کی ضرورت نہیں وہ اللہ کے کلام کی شان نہیں رکھتا ہو اس واسطے کہ اللہ کو کیا ضرورت ہو کہ حقیر اشیاء کا ذکر اپنے کلام میں کرے اس کلام میں تو ذباب مٹی اور عنکبوت کڑی کا ذکر ہو اس میں اشارہ اس تمثیل کی طرف ہو جو مذکور ہوئی ہو مثل الذین اتخذوا من دون الله اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت منہا اور ان الذین تدعون من دون الله لن یخلقوا ذباباً ولولا جمعوا لہ یا بعض مشرکین کہتے تھے کہ ہم ایسے شخص کو اپنا معبود نہیں بنانا چاہتے جو اپنے کلام میں محقرات اشیاء کا ذکر کرتا ہو اور اُس کے ثبوت میں ہی دو آیتیں پیش کرتے تھے اس صورت میں تقریر جواب کی یہ ہوئی کہ اللہ کی عادت ہمیشہ سے ہو کہ برابر مثالوں میں تفہیم کرتا ہو وہ کبھی شرابا نہیں ہو جیسا کہ انجیل و تورات وغیرہ میں بھی یہ امر موجود ہو لہذا یہود کو کوئی حق نہیں کہ اس وجہ سے اس کلام کو خدا کی شان کے خلاف سمجھیں اور مشرکین کے لیے اس جانب ایسا ہو کہ مثال پیش کرنا قابل گرفت نہیں ہو محقرات کی مثال سے منکلم یا کلام حقیر نہیں ہوتا ہو جو رب بنانے کے قابل نہ ہو بلکہ اُس کے لیے کوئی یہ بات قابل مذمت کے نہیں ہو۔ مثال ذکر کرنے سے فائدہ حاصل ہونا چاہیے چاہے حقیر سے مثال ہو یا عظیم سے مثال ہو حاصل یہ ہو کہ مثال میں مثال دینے والے کی شان کا لحاظ کرنا ضروری نہیں ہو اس واسطے کہ اس مفید طرز تفہیم کو ترک کرنے سے باز نہ رہیگا۔

بعض کہتے ہیں کسی ایسے اعتراض کے جواب دینے کا مقصد وہ نہیں ہو جو یہاں مذکور نہ ہو چاہے اُس اعتراض کا بھی جواب ہو جاوے بلکہ یہاں ذکر سے مثالوں کے جو شبہ ہوا ہو وہ دفع کیا جاتا ہو اللہ تعالیٰ نے جبکہ منافقوں کی مثال آگ سلگانے والے اور باقی سے دی تو اُس نے شبہ کو بھی دفع کر دیا کہ مثال لانے سے جو تم شبہ کرتے ہو اُس سے مثال لانا ترک نہیں ہو سکتا ہو اس واسطے کہ اُس کے بہت بڑے فوائد ہیں۔

لا یتخی احتیاء کے اور بزرگ کا فعل بنایا گیا ہو۔ حیا انقباض نفس کو کہتے ہیں قہج باتوں کے غم کرنے سے معنی دل رُکے بُرائی کے کرنے سے یہ حیا ہو اور کسی زیادتی ہو تو خجالت ہو اور احتیاء حیا کرنے کی خواہش کرنا اس کے معنی ہیں تو اس لفظ کے اختیار کرنے کے بعد دو قول علماء کے ہو گئے ہیں ایک گروہ کہتا ہو کہ استعمال مجازی ہو اور خدا کے اوپر اسکا اطلاق روا نہیں ہو اسکی صورت استعمال محض مقابلہ کی ہو چونکہ مترسین کہتے تھے کہ اللہ کو شرم نہیں آتی ہو کہ وہ اس قسم کے حقیر اشیاء کی مثال دیتا ہو اُس کے

جواب میں ارشاد ہوا کہ اُسکو شرم نہیں آتی ورنہ مقصود شرم کا ثابت کرنا نہیں ہو اور دوسرے اگر وہ کہتا ہو کہ اسکا اطلاق اللہ پر ہو سکتا ہو کیونکہ برابر اس قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں جنہیں اثبات حیا کا اللہ کے لیے ہوا ہو بعض کہتے ہیں کہ بدلاتا ویل ہم اسکے اطلاق کو رد رکھتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں کہ جس قسم کی حیا اُس کے لیے زیبا ہو اُس کے کلام میں اُسکا اثبات ہو وہ اُس کے لیے ثابت ہو اگرچہ اُسکی حقیقت سے ہم واقف نہیں تو اُنکے نزدیک یہ مشابہات سے ہو گا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ معنی حیا کے دو کنارے ہیں ایک انقباض نفس کا جو ابتدا ہی دوسرا انتہا جو ترک ہی تو یہ معنی اُس کے لیے اُسی طرح ثابت ہیں جس طرح معنی رحمت کے ثابت ہیں یا یہ کہو کہ لازم حیا کا ترک ہی وہی مراد ہیں تو مطلب اِس بنا پر استحی کا یہ ہونا کہ لا یتلوک اللہ چھوڑتا نہیں ہو مثال لانے کو۔

یَضْرِبُ - ضرب کے معنی تو ایک چیز کا دوسری چیز پر مارنا ہو مگر ضرب مثل بولتے ہیں جس طرح سکنہ نقوش کرنے کو ضرب سکہ کہتے ہیں مراد اس سے ذکر کرنا ایسی شے کا جس کا اثر ظاہر ہو غیر میں اس وجہ سے اسکے معنی بعض نے ذکر کے لکھے ہیں کہ اللہ ترک نہیں کرتا ہو مثال ذکر کرنے کو اور بعض نے یہیں لکھا ہو اور بعض نے یضیع لکھا ہو اور کہتے ہیں کہ اسی معنی کی مثال دوسری جگہ قرآن شریف میں ہو ضربت علیہم اللآلۃ والمسکنة اور مراد اس سے وضعت علیہم الذلۃ ہو اُنپر ذلت اور مسکنت قائم کر دی گئی ہو ہر معنی کے اعتبار سے مقصود لانا مثال کا ہو۔

بَعُوْصَۃٌ مَّحْجَرٌ کو کہتے ہیں اور مَا فَوْقَهَا سے مراد یا تو یہ ہو کہ جو جثہ میں مَحْجَر سے بڑا ہو جیسے کتھی اور کڑی یا مراد اس سے یہ ہو کہ جو مَحْجَر سے بھی زیادہ چھوٹا ہو اور اُس نصف حقارت میں اُس سے بڑھ کر ہو جیسے مَحْجَر کا پر کہ اُسکی مثال و بجاوے تو وہ بھی اللہ لا سکتا ہو دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں دوسرے معنی میں باخبرہ زاید ہو اور پہلے معنی کے لحاظ سے اعتراض یہود کے ساتھ یہ جواب زاید مناسب ہو۔

فَاَمَّا الَّذِیْنِ اٰمَنُوْا لیکن جو لوگ ایمان لائے مراد اس سے یہ نہیں ہو کہ وہ جو مثال پر ایمان لائے ورنہ کوئی فائدہ نہیں ہو بلکہ مراد اُس سے فریق اہل اسلام ہیں یعنی وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں خدا پروردگار کی قِبَلَتُوْنَ اِنَّہُ الْحَقُّ مِمَّنْ تَسْتَعِیْظُ جو اہل اسلام ہیں تو وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہو اُنکے پر دروگاری طرف سے اُنہ کی ضمیر یا تو مثل کی جانب پھرتی ہو یا اُس مفہوم کی جانب پھرتی ہو جو ان یضرب مثلنا میں حاصل ہوتا ہو یا عدم اتحیاء کی جانب پھرتی ہو یا قرآن کی جانب راجع ہوتی ہو مراد سب سے یہ ہو کہ اُنکو یقین ہو کہ یہ اعتراض بے محل ہو اور جو ارشاد ہو وہ حق ہو حق خلاف باطل ہو اُسکے معنی میں اصل میں مطابقت اور موافقت کے ہیں اور اُس اعتقاد کو بھی کہتے ہیں ہو واقع کے مطابق ہو اور اُس حکم کو بھی کہتے ہیں جو واقعہ کے

مطابق ہوا اسکا اطلاق اِتوالِ عقاید و ادیان اور مذاہب سب پر ہوتا ہو اس وجہ سے کہ وہ حکم حق پر مشتمل ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے اعتقاد واقع کے خالق و موجد کو بھی حق کہتے ہیں مشہور یہ ہو کہ حق و صدق دونوں مراد ہیں کوئی فرق نہیں ہو اور بعض نے حق میں اور صدق میں فرق بتایا ہو کہتے ہیں کہ صدق اُس قول کو کہتے ہیں جو مطابق واقع کے ہو اور حق اُس اعتقاد کو کہتے ہیں جو مطابق واقع کے ہو اور بعض اس اعتبار سے فرق نکالتے ہیں کہ اگر اعتبار کیا جاوے کہ واقع مطابق حکم یا قول یا اعتقاد کے ہو تو اسوقت لفظ حق بولا جاتا ہو اور اگر اعتبار کیا جاوے کہ حکم یا قول یا اعتقاد مطابق واقع کے ہو تو اسوقت لفظ صدق کا استعمال ہوتا ہو اگرچہ مطابقت دونوں جانب ہر وقت ہوتی ہو اس لحاظ سے یہ فرق مجرّد اعتبار کے باعث ہے ہو گا مراد یہاں پر حق سے وہ حکم ہو یا اعتقاد ہو دونوں ہو سکتے ہیں یعنی ضرب مثل یا قرآن اللہ کی جانب ہو اور اُسکا اعتقاد ہو کہ واقع میں ایسا ہی ہو اور واقع میں ہو بھی ایسا ہی لہذا ایمان والوں کو اس قسم کا شبہ نہیں ہوتا ہو بلکہ وہ مثال سے جو فائدہ ہو وہ حاصل کرتے ہیں۔

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا اور لیکن جو لوگ کافر ہوئے یعنی وہ فریق جو ایمان نہیں لایا ہو اور منکر ہو چاہے منافق ہو یا مشرک یہودی ہو یا نصاریٰ اس جگہ بھی مراد یہ نہیں ہو کہ جو منکر ہوئے مثل کے بلکہ مطلقاً فریق کفار کے مراد ہو۔

قَيِّقُولُونَ اس جگہ مثل سابق کے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ تَعْلَمُونَ اِنَّہ باطل لیس من عند اللہ اسوجہ سے کہ اس میں انکی جہالت و انکار کا اظہار اچھی طرح سے ہو اسواسطے کہ مآذ اللہ استفہام ہو یہ جہل کی وجہ بھی ہو سکتا ہو اور انکار کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہو اسی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں یہاں یقولون اس لیے کہا ہو کہ یہ شامل ہو دو نون قسموں کو خواہ جہالت کی وجہ سے یہ انکار ہو یا عناد کی وجہ سے برخلاف یعلون کے کہ اُسکے کہنے سے یہ فائدہ نہیں ہو سکتا ہو اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے یعلون کہا پھر یقولون کہا اسوجہ سے کہ مومنین نے تو انکفا کی عمل پر اور خضوع و انقیاد کر دکھا یا نہ کہ محض قول کرتے یا دل میں بھی اعتقاد کر کے اور زبان سے بھی اہ الحق کہتے تو اس سے افشاء اعراض کا ہوتا اس سے اُنکو کوئی فائدہ نہ تھا اس لیے یعلون کہا اور منکر دن کے دل میں کسی طرح رک نہیں سکتا تھا خواہ مخواہ اُن کے جو اعتقاد میں تھا زبان پر آیا۔ وہ اُن کا حسب ذیل قول ہے۔

مَآذًا اَسْرَدَ اللّٰهُ بِهَا لَمْ يَخْلُكْ مَثَلًا کہ کیا ارادہ کیا اللہ نے اس مثل سے ارادہ قصد نفس کا ہو کسی شی کی جناب کبھی قصد کی انتہا پر ارادہ ہوتے ہیں وہ حکم ہو اُس شی میں کہ کی جادے یا نہ کی جاوے کبھی اُسکی ابتداء پر کہ محض توجہ نفس کی ہو ارادہ ہوتے ہیں ارادہ میں اور شہوت میں فرق ہو ان دونوں کے درمیان میں عموم و

خصوص میں وجہ ہوا سوا سطلے کہ شہوت میں لذت کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہو اور ارادہ عین نفس نشے کے ساتھ تعلق ہوتا ہو اسی وجہ سے کبھی ارادہ ہوتا ہو اور شہوت نہیں ہوتی ہو جیسے کر دی اور تیز بہ مزہ دوا پینے کا ارادہ ہوتا ہو خواہش و شہوت اُسکی نہیں ہوتی ہو اور کبھی شہوت ہوتی ہو مثلاً کسی لذیذ شے کے کھانے کی حالانکہ اُسکے کھانے سے ہلاک ہو جانے کا یقین ہو تو اسکی جانب ارادہ نہیں ہوتا ہو شہوت ہوتی ہو کبھی اشتہا بھی ہوتی ہو اور ارادہ بھی ہوتا ہو جیسے لذت دار کھانا ہو۔ قوت میں اور ارادہ میں فرق ہو قوت متعلق وقوع کے ہوتی ہو اور ارادہ متعلق ایقاع کے ہوتا ہو قوت فعل کے ساتھ ہوتی ہو نہ قبل ہوتی ہو نہ بعد فعل کے برخلاف ارادہ کے کہ وہ قبل فعل کے ہوتا ہو۔ اللہ کے ارادہ کی تفسیر میں اختلاف ہو گیا ہو کلی اور خبار کہتے ہیں اللہ اپنے فعل کا ارادہ کرتا ہو اسوا سطلے کہ وہ جانتا ہو اُس فعل کو اور جو کچھ اُسین مصلح ہیں اور افعال غیر کا وہ حکم دیتا ہو اور اُسکو مطلب کرتا ہو لہذا اس بنا پر معاصی اُسکے ارادہ سے نہیں ہوتے ہیں اور جاحظ اور دیگر معتزلہ کہتے ہیں کہ باری عز اسمہ کا علم موجودات کے ساتھ ازل سے ابد تک اسکا ارادہ ہو اور اسی کو عنایت آئیمہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اسمین ہر شے کی مناسب یا محل وقوع کا علم اُس کو ہوا ہو اور بعض لوگ ارادہ کو علم کے علاوہ صفت اندیکھتے ہیں مگر نہتے ہیں کہ وہ حادث ہو اور خدا کی ذات میں قائم ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ موجود ہی مگر اُسکے لیے کوئی محل نہیں ہو اور اہلسنت کہتے ہیں کہ ارادہ ایک صفت ذاتیہ اور قدیم ہو اور صفت وجودی ہو زاید ہو علم پر اور مغایر ہو علم کے بھی اور قدرت کے بھی اسکی وجہ سے مقدور کے دو طرفوں میں ایک طرف یعنی وقوع کی تخصیص کر دیتی ہو قوت میں وقوع کے ترجیح ہوتی ہو اور قدرت یا تفضل کے ہوتی ہو برخلاف ارادہ کے کہ قبل فعل کے ہوتا ہو جیسا کہ اوپر گذر چکا ہو بیضاوی نفس ترجیح کو ارادہ کہتے ہیں مگر اس صورت میں ارادہ صفات افعال سے ہو جاوے گا جسکا کوئی قائل نہیں ہو تعریف بہت کی صحیح ہو اسوا سطلے کہ نصوص شرعیہ اسپر دلالت کرتے ہیں جیسے ماشاء اللہ کان و ما لم یشاء لہ لیکن اور اصح تفسیر حضرات اہل تصوف کی ہو ان کے نزدیک نفس ذات عین علم و ارادہ و قدرت و مشیت سب میں آثار سے مختلف ہیں پھر اس جگہ فرماتا ہو کہ کیا ارادہ کیا ہو اللہ نے اس مثل سے یہ وہ لوگ کہتے ہیں جاہل کفر ہیں اسکے بعد فرماتا ہو۔

يُضِلُّ بِهِ كَيْتًا وَ يَهْدِي بِهِ كَيْتًا رَاجِ بَتُونَ كَو اُس مثل کی وجہ سے گمراہ کرتا ہو اور بتوں کو ہدایت کرتا ہو یہ بمنزلہ بیان کے ہو کہ خدا اس مثل کے لانے سے کیا کرتا ہو جو منکر ہیں اُنکو مگر اسی اس مثل کی وجہ سے اور بڑھتی ہو کہ وہ عناد و کفر میں زیادہ جھٹ لیتے ہیں اور جو یقین کرتے ہیں خدا پر اُنکو ایک مثل ہو اور نور ایمان ملتا ہو جس سے ہدایت ہوتی ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جواب ہو اصل شبہہ کا کہ خدا فرماتا ہو

کہ تم جو کہتے ہو کہ اس طرح کی امثال سے کیا فائدہ ہو تو وہ فائدہ یہ ہو کہ بہت سے لوگ ایمان والے ہیں انکو ہدایت بڑھتی ہو اور بہت سے کفار ہیں انکی گمراہی ظاہر ہوتی ہو بعض نے اسکو وصف کے محل میں مثلاً کے کہا ہو تو اس صورت میں یہ کلام کفار سے ہوا اور بعض نے یضیل بدکشیا واکلام کفار سے لیا ہو اور یھدی بدکشیا واکلام خدا مراد لیا ہو مگر یہ بلا دلیل ہو اور بعض نے یضیل کے معنی یہلک کے لیے ہیں اور بعض نے یضیل کے لیے ہیں لہذا اسکے معنی یہ ہوئے کہ بہت ہلاک ہوتے خطا کرتے ہیں عذاب پاؤینگے یہاں اس امر کو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کے لیے اس آیت میں اضلال اور ہدایت کی اضافت کی گئی ہو اور قدرت اور مشیت اور ارادہ کا بھی ذکر آگیا ہو اور اسکا کچھ بیان اوپر ہو بھی چکا ہو تو اب اللہ کے افعال و در بند کے افعال کے درمیان کیا نسبت ہو تاکہ بہت سے شبہات نفع ہو جائیں خداوند عالم کے متعلق جو حکماء اعتقاد رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ مبدی فیاض ہو اس سے وجود عالم اس طور پر ہوتا ہو جس طرح آفتاب سے روشنی ظاہر ہوتی ہو اس جانب سے کوئی نخل نہیں ہو مگر مقابل کی استعداد کے مطابق فیضان ہوتا ہو جس طرح آفتاب سے دھوپ نکلتی ہو اور مختلف مراتب کے مطابق ابل کے تاثیر کرتی ہو اور کچھ بڑھتی ہو تو اسکو صرف خشک کر دیتی ہو اگر آتشیں شیشہ پر پڑتی ہو تو اس کے پس پشت روئی کو جلا دیتی ہو یہ ہی کیفیت فیاض مطلق کی ہو اس صورت سے خدا کے افعال اضطرار ہوتے ہیں اور بندہ سے جو کچھ صدور ہوتا ہو وہ باعتبار اسباب کے ہوتا ہو اس سے خواہ مخواہ وہی سرزد ہوگا جو اسکے استعداد کا مقتضی ہو اگر برائی سرزد ہوگی تو وہ جہنم میں جائیگا اسکا ثمرہ بھگتے گا اگر اچھائی سرزد ہوگی تو وہ دارالنعیم میں جائیگا اور خواہ مخواہ راحت میں رہیگا نہ توبہ کوئی تاخیر کر سکتی ہے نہ عفو کوئی شے ہو تو ان قدر قدرت کا مجرم چھوڑا نہیں جاسکتا ہو معتزلہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے حقائق و جوہر تمام عالم کے پیدا کر دیے پھر ان جوہر سے اعراض خود پیدا ہوتے ہیں انسان جو ہر مجسم ہو اسکے افعال اس سے خود ہوتے ہیں وہ چاہے کرے یا نہ کرے اگر وہ بُرائی کرتا ہو برباد ہوتا ہو اگر اچھائی کرتا ہو نجات پاتا ہو البتہ نجات کا اعتبار آخر پر ہو اسواسطے توبہ مقبول ہو مگر اللہ پر واجب ہو کہ عمل صالح کی جزا دارالنعیم دے اور معاصی کی سزا کی وجہ سے عذاب کرے وہ غیر تاب کو کسی طرح بخشیکا نہیں اور عفو کوئی شے نہیں ہو اہل سنت کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے انسان کو بھی پیدا کیا اور اسکے افعال کو بھی پیدا کیا اس میں دو گروہ ہو گئے ہیں اکثر اشعریہ کہتے ہیں کہ خدا کو اختیار ہے کہ بندہ کو ایسے احکام کا مکلف کرے جسکے اوپر عمل کرنے کی بندہ کو طاقت نہ ہو اور اگر وہ چاہے تو گنہگار کو جنت میں داخل کرے اور مطیع کو جہنم میں داخل کرے ان کے نزدیک کوئی شے اللہ پر واجب نہیں ہو

اور ہر خیر و شر اللہ کی جانب سے ہو بندہ کا عمل موافق تقدیر الہی کے ہوگا اور نتیجہ بھی موافق تقدیر الہی کے ہوگا بعض کے نزدیک تکلیف والا یطاق واقع ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ واقع میں نہیں ہوتی ہو امکان میں ہو اور امکان میں اسی طرح جنت میں عاصیوں کا داخل کرنا ہو اور اطاعت شارون کا جہنم میں ڈالا جانا ہو اگرچہ واقع نہ ہوگا یہ اُسکا وعدہ ہو اُنکے نزدیک عدل اُسپر واجب نہیں چاہے وہ ظلم کرے مگر ظلم کریگا نہیں اس واسطے کہ یہ جو اُسکی قدرت میں ہو وہ ظلم نہیں ہو کیونکہ ظلم اُن کے نزدیک تصرف فی ملک الغیر ہو اور یہ خدا کے ان افعال پر صادق نہیں آتا ہو اس واسطے کہ تمام دنیا اُسی کی ملک ہو اس اعتبار سے تو یہ بھی اثر کرتی ہو اور اس کے علاوہ عفو بھی ہو سکتا ہو بندہ جو عمل کرے اللہ کو اختیار ہو کہ جو چاہے اُسکے عوض دے مگر رحمت و فضل سے وہ مطیع کو جنت میں داخل کریگا اور عدل سے وہ عاصی کو جہنم میں داخل کریگا اور مشرک کو جہنم میں ڈالے گا اگرچہ وہ جنت میں داخل کر سکتا ہو اور دیگر گنہگاروں کو اگر انھوں نے توبہ کی ہو بخش دیگا اگر توبہ نہیں بھی کی ہو تو بھی وہ اپنے فضل سے بخشے تو بخش سکتا ہو اور وہ ایسا کریگا اس لحاظ سے بندہ جو کچھ کرتا ہو اُسپر اُسکے اختیار کی ضرورت نہیں ہو خدا کی مرضی سے وہ سب کچھ کرتا ہو اور خدا ہی کی مرضی سے اُسکو ثواب و عقاب ہوگا وہ جسکو چاہے مگر اہ کرے جسکو چاہے ہدایت دے جسکو چاہے مسلمان بنائے جسکو چاہے کافر کر دے اُنکے نزدیک تمام اشیا محض اُسی کے ارادہ سے اور قدرت سے پیدا ہوتی ہیں یہ جو کہا جاتا ہو کہ فلان شے فلان شے کی علت ہو اسکا مطلب اشعر یہ کہ نزدیک صرف یہی ہو کہ اللہ کی عادت یوں ہو اس شے کے بعد اُس شے کو پیدا کرتا ہو اور وہ چاہے تو پیدا نہ کرے مثلاً آگ کسی ملائم جسم میں مس کرے تو اللہ کو اختیار ہو کہ چاہے تو احراق پیدا کرے چاہے نہ پیدا کرے مگر عادت اُسکی یوں جاری ہو اس قسم کی ملاقات کے بعد وہ احراق پیدا کرتا ہو برخلاف حکماء کے کہ وہ نتیجہ اور ثمرہ اور معلول علت پر لازم سمجھتے ہیں اور معتزلہ کے کہ وہ بالتولید کے قائل ہیں کہ اللہ نے آگ کو پیدا کیا اُس سے احراق پیدا ہوتا ہو۔

اکثر ما تریہ عادت کے تو قائل ہیں مگر تکلیف والا یطاق کے قائل نہیں ہیں اور اُن کے نزدیک بندہ اپنے فعل کا کاسب ہو اور خدا خالق ہو۔

کسب کو وہ علاوہ خلق کے ایک فعل سمجھتے ہیں جیسے افیون کو بونے والا بمنزلہ خالق کے ہو اور کھانے والا بمنزلہ کاسب کے ہو کسب میں قوت کی ضرورت ہو قوت کا مقصد یہ ہو اسباب صحیح ہوں اور آلات درست ہوں اگر آلات صحیح نہ ہوں تو پھر قدرت سے شواہر ہو اُسکی تکلیف نہیں ہو سکتی ہو اسی وجہ سے مجنون مکلف نہیں ہو بندہ پر جو الزام ہوتا ہو وہ بوجہ کسب کے ہوتا ہو کہ وہ قائم بندہ کے

ساتھ ہو اگرچہ خلق کسب بھی فعل اللہ کا ہو لہذا اُسکا گمراہ کرنا یہ ہو کہ اسباب ضلالت کے جمع کر دے اور وہی اسباب موجود ہوں جنکی بنا پر کہا جاسکتا ہو کہ چاہے کرے یا نہ کرے مگر اسباب ضلالت کو تقویت تقدیر کے باعث ہو جاوے اور بندہ سے ارتکاب معصیت کا ہو جاوے اس صورت میں بندہ کا سب ہونے کے باعث مکلف ہو اور جوابدہ ہو اور اسباب کے موجود ہونے کے باعث مختار ہے اگرچہ وہ اختیار بدست قادر مختار ہو اور یہ اختیار اسقدر بدیہی ہو کہ اس کا انکار نامکن ہے ہر شخص جانتا ہو کہ جو گمراہ پڑتا ہو وہ قابل رحم ہو اور جو بچتا ہو وہ موجب ملامت ہو اگرچہ دونوں فعل خدا کی مشیت اور ارادہ سے ہوئے ہیں مگر ایک میں ارادہ بندہ کا ہو اور دوسرے میں نہیں ہو۔

یہی کیفیت قانون قدرت کی ہو کہ وہ بمنزل تقدیر الہی کے ہو اور شخصی قوت بمنزل کسب کے ہو ایک بڑھی میز بناتا ہو یہ سب قانون قدرت کے تابع ہو مگر بُری بنی ہو تو اُسکو سزا دی جاتی ہو اور اچھی بنی ہو تو اُس کو انعام دیا جاتا ہو اختیار ظاہر ہو وہی درجہ تکلیف کا اور تابع ہونا اُس اختیار کا مشیت الہیہ کے یہ غیر معروض تھا یہ ثابت انصوص مذہب کے ہو جیسے وما تشاءون الا ان یشاء اللہ اس اعتبار سے خدا نے بندہ کو کسب پر قادر کر دیا اُسکے اعتبار سے اُسکو سزا و جزا ہو اور وہ مشیت کے موافق کر گیا اسکے اعتبار سے اضلال و ہدایت ہو خدا کے فعل پر سزا و جزا نہیں ہونے اُسکے لحاظ سے کوئی شے بُری ہے بلکہ اُسکا خلق اگرچہ وہ ابلیس کا بھی ہو اچھا ہو مگر ابلیس کے حرکات کے لحاظ اور بندوں کے کسب کے اعتبار سے بُرائی آتی ہو یہاں پر ایک مثال انجیل کی ہو کہ اُسکو تعلق اوپر کے اعتراض سے بھی ہے مگر شیطان کا حال معلوم ہوتا ہو وہ یہ ہو کہ ایک شخص نے گہیوں کا کھیت بولیا اُسکے دشمن نے سون سہین لاکے بودی جب وہ گہیوں کے ساتھ نکلی تو اُسکے خدام نے کہا کہ اُسکو کاٹ ڈالنا چاہیے مگر اُس شخص نے منع کیا اور کہا کہ اسوقت کاٹنے سے گہیوں بھی کٹ جائیگا جب تیار ہو گیا تو اُس نے خدام کو حکم دیا کہ وہ سب جدا کر دیا جاوے یہ مثل آدم علیہ السلام اور شیطان کی ہو کہ اُس نے آدم کے ساتھ بُرائی کی بیج کو بودیا اور خدام فرستے ہیں اُن سے کہدیا گیا کہ ابھی ٹھہرے رہو جب کاٹنے کا وقت آیا تو اچھا اور بُرا علیحدہ کر لیا گیا یہی چھوڑ دینا گویا اضلال اللہ کا ہو مگر تحقیق صوفیہ یہ ہو جیسا کہ حافظ نے کہا ہو یہ گناہ اگرچہ بوداختیار ماحافظ تو در طریق ادب گوش گو گناہ بہت

مگر جو لوگ آزادی چاہتے ہیں اُن کے نفس کا دھوکا ہو اگر سب اللہ کی طرف سے سمجھ لیا جاوے تو خیر ورنہ اچھا اچھا اپنا اور بُرا بُرا اُسکا بہت مذموم ہو۔

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ یہ جملہ ہو کلام سابق کا اور ضمن میں جواب کے ہو مقصد اس سے

اس امر کا ظاہر کرنا ہو کہ گمراہی اسی کے باعث پیدا نہیں ہوئی ہو بلکہ جو اس کی وجہ سے گمراہ ہوئے وہ پہلے ہی سے گمراہ رہتے فاسق مطلقاً نافرمان پر بولا جاتا ہو مگر یہاں مراد وہی ہے جو بالکلیہ اطاعت سے باہر ہو گیا ہو وہ مشرک ہیں کافر ہیں منافق ہیں۔

الَّذِينَ يَتَّقُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ یہ وصفت اُنکا بیان کیا گیا ہے جو ان مثال کے بجائے ہدایت کے گمراہ ہوتے ہیں اُنکا ایک وصف کفر کا ذکر ہو چکا ہے اب ارشاد ہوتا ہے کہ علاوہ کفر کے اُنھوں نے اُس عہد کو جو اللہ سے ہو چکا تھا بعد اُسکی مضبوطی کے توڑ ڈالا ميثاقہ کی ضمیر یا اللہ کی طرف پھرتی ہے یا عہد کی طرف پھرتی ہے اولیٰ یہی ہے کہ عہد کی طرف پھیری جاوے مراد عہد سے یا تو وہ ہو جو باعتبار عقل کے قائم ہوا ہو کہ عقل سلیم کے روبرو ایسے دلائل اور براہین پیش کئے گئے ہیں کہ اُس نے سمجھ لیا کہ خدا کی وحدت اور رسول کی رسالت کا مطالبہ ہم سے ہے اُسکا ميثاق اور تقویت دلائل قائم کرنے سے اور رسولوں کے بھیجنے سے اور حجرات ظاہر کرنے سے ہوئی اور نقض اُسکا یہ ہو کہ اُسکے موافق عمل پر انہیں ہین کفر کرتے ہیں شرک میں مبتلا ہیں یا مراد اُس سے وہ عہد ہے جو الست بربکم کے وقت ہوا یا مراد عہد سے وہ کہ جو انبیاء علیہم السلام سے کیا ہے یا مراد عہد سے وہ امانت ہے جو حکام ذکر قرآن میں آیا ہے یا مراد عہد سے بنی اسرائیل سے جو انبیاء نے کیا وہ ہو اُسکے خلاف کرنے کی صورت بھی مناسب ہوگی۔

وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ یہ تیسرا وصف ہے کہ وہ لوگ منکر ایسے ہیں کہ اُنھوں نے قطع کیا اُس شے کو جسکے ملانے کا اللہ نے حکم دیا مراد مائے یا تو نسبت رسالت آن حضرت کی ہے کہ اُسکو ملانے کا حکم دیا گیا تھا یا مراد اُس سے یہ ہے کہ حکم دیا گیا تھا کہ رسولوں کے درمیان فرق نہ کریں یہ جانتے ہیں کہ رسولوں کے درمیان تفریق ڈالیں بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں یا مراد اس سے رشتہ تانا ہوا کہ اُس کے صلہ کا اور ملانے کا حکم ہو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار تمام عرب تھے اُنھوں نے اُس رشتہ کو قطع کر دیا اور بجائے اسکے کہ رشتہ ناتانے کے لحاظ سے آپ کی اعانت و نصرت کرنے عداوت کی لڑے گھر سے نکال دیا یا مراد خاص مسلمانوں سے رشتہ توڑنا ہو کہ ایمان کے باعث اُن سے دشمنی کرنے لگے اور اُنکو تکالیف پہنچانے لگے یا عام رشتہ مراد ہو کہ اُنھوں نے خدا کے عہد کو بھی توڑا اور مخلوق کے حق سے بھی روگردانی کی یا امر اکہی مراد ہو کہ اُسکے خلاف اُنھوں نے کیا بعض لوگوں نے یہ آخری احتمال تو ہی سمجھا ہے اس واسطے کہ انہیں عموم زائد ہے۔

وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ یہ چوتھی ذمّت ہے کہ وہ زمین میں فساد کرنے ہیں اس سے عام طور پر اُنکے

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ تَمَّ يَحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

کیونکہ تم کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تم مردہ تھے تو اُسے زندہ کیا پھر تم کو ارجح کر کے لوٹا اور اُسکی طرف لوٹ جانا پھر
بھیضو (۱) فساد کے اثر کا اظہار کیا گیا ہو فساد اُنکا کیا تھا کہ وہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکتے تھے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاونت و نصرت کرنے سے لوگوں کو باز رکھتے تھے یا فساد سے مراد معاصی اور
عیوب ہیں جو روضہ ظلم ہو کہ اُس سے فتنہ و فساد برپا ہوتا ہو۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ - یہ اُنکے اعمال کا نتیجہ ہو کہ ارشاد فرماتا ہو کہ وہی نقصان اُنٹھانے والے
ہیں کہ اُنھوں نے جو صورت اپنے فائدہ کی سمجھی ہو وہ اُنکے نقصان کا باعث ہوگی بعض صحابہ روایت کرتے
ہیں کہ جب انسان پیدا ہوتا ہو تو اُسکے لیے ایک گھر جنت میں اور ایک گھر جہنم میں بنا دیا جاتا ہو مگر
جب ایمان لاتا ہو اور اچھے عمل کرتا ہو تو اُسکا جہنم کا گھر اُس سے لے لیا جاتا ہو اور دوسرے گھر جنت سے
جو کفار سے چھوٹ جاتے ہیں اُسکو دیدیے جاتے ہیں اسی طرح جو کفر کرتا ہو اور عناد کی راہ چلتا ہو اُسکا
جنت کا گھر اُس سے لے لیا جاتا ہو اور جہنم کے اور چھوٹے ہوئے مومنین کے گھر اُسکو دیدیے جاتے ہیں
تو اس صورت میں ظاہر ہو کہ خسارہ مین کفار رہتے ہیں اور نفع مین مومن رہتے ہیں اس واسطے کہ جنت کے
گھروں میں آسائش و آرام اور تمام انعامات الٰہیہ ہیں اور جہنم کے گھروں مین انعامات کے بدلے طح طرح کے
عذاب ہیں اور یہ صورت سے سختی اور کالیف ہیں تو جو چھوٹتا ہو وہ نفع مند ہو اور چلتا ہو وہ ضرر رسان
ہے اس واسطے خسارہ کافروں کو ہوا واللہ اعلم۔

اوپر اللہ نے دلائل توحید و رسالت کے ذکر فرمائے اور اُنکے شبہات و دفع کئے اب تیسرا امر ایمان کا
آخرت ہو اُسکو ارشاد فرماتا ہو اُسکے لیے نہایت خوش سلوبی سے دلائل اُسنے قائم فرمائے ہیں جنکو
غور سے دیکھنے کے بعد یقین کرنا لازم ہو جاتا ہو اس واسطے کہ اسی پر مدار نجات کا ہو بعض فرقوں
کے نزدیک امامت بھی اُن امور سے ہے جنہ پر مدار نجات کا ہو مگر یہ مسلک صحیح نہیں ہو اس واسطے کہ امامت
امور ظنیہ سے ہو اور بعد احوال دین کے واقع ہوئی ہو اس پر ایمان نجات کا دار و مدار نہیں ہو سکتا ہو اور
اگر فرض کیجیے تو یہ عجب اتفاق ہو کہ اس کلام کے بعد مسئلہ امامت ذکر کیا گیا ہو اگرچہ وہ موافق اہلسنت
کے ہو جیسا کہ آگے اُسکی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ ہوگی یہاں پر ایک سوال یہ ہو کہ اگر کوئی شخص خدا پر
اور پیغمبر پر ایمان لائے اور رسول پر ایمان نہ لائے یا رسول پر بھی ایمان لائے مگر سب رسولوں پر
نہ لائے تو اُسکے لیے جنت کا دخول ہوگا یا نہیں اور جہان یقینی طور پر انبیاء کی تعیین نہیں ہو جیسے ہندوستان
تو وہاں کے اوتار مثل مبدھ اور رام کے نبی مانے جاوین گے یا نہیں جواب دیا گیا کہ جو لوگ ایک رسول پکڑ

ایمان نہیں لائے تو وہ مسلم نہیں ہیں اور وہ من یبغ غدا لا سلام دینا فلن یقبل منه ہونی الاخرۃ
من الخاسرین وہ جہنم میں چلیگا اگرچہ مراتب جہنم کے متفاوت ہیں باہم بقدر انکار کے تفاوت ہوگا
اور ہندوستان کے اوتاروں کو بھی نہیں مان سکتے ہیں اگرچہ انکی توہین نہیں کر سکتے ہیں خصوصاً بدھ
اور کرشن کی مگر رام اگر وہی ہو جسکی تعلیم مشہور ہو تو وہ نبی نہیں ہو۔ قرآن میں تھا کہ کفر مت کرو اللہ کے
ساتھ حالانکہ وہ ایسا ہو مگر اسمین اس قدر مبالغہ نہ ہوتا جیسا کہ اس عنوان سے ہوا ہو کہ فرماتا ہو کہ کیونکر تم
کفر کرتے ہو کیونکہ کفر کرنا بعد دلائل کے اور براہین کے جو وجود و حجب پر باری عز اسمہ کے قائم ہیں
عقل و انون کے لیے ناممکن ہو مگر اللہ نے عقل دی ہو شعور رکھتے ہو تم سے اس قسم کا فعل بالکل
مستبعد ہو کیونکہ تم سے سرزد ہوتا ہو۔

اموات سے کیا مراد ہو اس میں مفسرون کا اختلاف ہو ان سب کے ذکر کرنا تطویل بلا فائدہ ہو چنانچہ قول
ہم یہاں ذکر کرتے ہیں ایک یہ کہ موت کے معنی یہ ہیں کہ حیات نہ ہو عام اس سے کہ قبل اس کے حیات
ہو چکی ہو یا نہ ہو چکی ہو جیسے موات کہتے ہیں زمین کو دوسرے یہ کہ موت وہ عرض ہو کہ جو ضد حیات ہو
اور بعد حیات کے طاری ہو تیسرے یہ کہ موت عرض مقابل ہو حیات کا مگر اُسکے لیے جسکی شان سے ہو
کہ وہ جی ہو سکے اس لحاظ سے موات زمین پر اطلاق کرنا مجازی ہوگا۔

آب ان معانی کے بعد مفسرون کا اختلاف ہو کہ مراد پہلے اموات سے کیا ہو بعض کہتے ہیں کہ مراد
اس سے لاشے محض ہونا ہو بعض کہتے ہیں تم پہلے نطفہ بے جان تھے ان دونوں پر بلحاظ معنی اول کے
موت کا اطلاق حقیقی ہو اور دوسرے معنی کے لحاظ سے مجازی ہو ہو سکتا ہو کہ مراد یہ ہو کہ پہلے جزوی یعنی
باپ مان سے جزو میت یعنی نطفہ ہوئے پھر زندہ کئے گئے اس لحاظ سے اُسکی شان سے تھا کہ زندہ ہو
اس واسطے معنی اول و ثالث کی رو سے حقیقہ ہو اور معنی ثانی کی رو سے مجاز ہو۔

ظاہر معلوم ہوتا ہو کہ مراد اموات سے حالت سابقہ ہو قبل زندگی دنیاوی کے اُسکو ارشاد ہوتا ہو
فاحیاً کہ تمکو زندہ کیا جب تمہاری عمر پوری ہو گئی تو تمکو پھر وہ موت دیگا مر جاؤ گے جو موت فطری ہو
اس موت کا ذکر یا تو بطریق حالات کے ہو یا انعام میں اسکو شمار کیا ہو یہ احتمال بھی صحیح ہو اس واسطے
کہ انعام سے موت طبعی ہو جیسا کہ فلاسفہ نے قواعد موت ذکر کئے ہیں اور ظاہر ہو کہ موت سے خواہ کافر
ہو یا مؤمن کمال زیادہ ہوتا ہو اس واسطے وہ حال سابق سے بہتر ہو اس کے بعد چند مدت کے پھر تمکو
زندہ کر دیا فتنہ لانے سے وہ زندگی بظاہر نہیں معلوم ہوتی ہو جو وقتی طور پر قبر میں ہوگی اور بعض نے اسی
زندگی کو مراد لیا ہو جب مردہ قبر میں جاتا ہو تو فرشتے منکر نکیر آکے اُس سے سوالات کرتے ہیں اُسکے بعد

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

وہی اس کے جس نے تمہارے نفع کے لیے ان چیزوں کو پیدا کیا جو زمین میں ہیں پھر متوجہ ہوا

السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

آسمان کی جانب بھراؤن کو سات سموات ٹھیک کر دیے وہی اللہ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے

بقیہ صفحہ ۷۳) اس کی ایک حالت ہوتی ہے کہ کوئی آدمی جو بعض کتے ہیں پھر قبر میں زندہ ہو کر مرتا نہیں ہو بلکہ اس کو یا انعامات میں وقت صرف ہوتا ہے یا عذاب میں اسی وجہ سے ارشاد فرماتا ہے کہ من عمل صالحا فلانفسہم مہمدون اور التادیرضون علیہما غد و او عشیاء اور حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے کہ قبر یا تو باغچہ ہے جنت کے باغچوں سے یا اگر گھاہی جہنم کے گڑھوں سے بہر حال مراد اس جگہ بعض قبر کی زندگی لیتے ہیں اور کتے ہیں کہ قبر کے بعد پھر نفع صورت میں موت ہوگی یا نہ ہوگی اسی وجہ سے اُس کے بعد موت اور حیات کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ارشاد ہوا کہ ایک مدت کے بعد پھر خدا کی طرف سب و کتاب کے لیے رجوع کرنا ہو سب رجوع کر جائیگے یعنی میدان حشر میں جمع ہونگے۔

اس آیت سے اس جانب غارہ ہو کہ جس خدانے اول مرتبہ تم کو پیدا کیا ہے وہ قادر ہے کہ دوبارہ تم کو پیدا کرے تمہارا جینا و مرنا تم کو بالیقین محسوس ہوتا ہے اور وہ کسی دوسرے کی قوت میں ہے کہ تم اُس پر قادر نہیں ہو وہی تمہاری دوبارہ زندگی کرنے پر بھی قادر ہے قُلْ یحییٰ ہا الذی انشاہا اول مرۃ قُلْ یدعیہ کہ وہی اس گھٹک ہڈی کو زندہ کر چکا جسے اُس نے پہلے زندہ کیا ہے پہلے زندہ کرنا مشکل ہے پھر زندہ کرنا مشکل نہیں ہے اور پہلے زندہ کرنے کو تم خود مشاہدہ کرتے ہو اسی پر دوبارہ زندگی کا قیاس کرو۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ اس آیت سے تنازع کی جو صورت ہونے لگتی ہے اس کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ

تھو بیچیکم ممکن ہے کہ اسی عالم میں دوبارہ حیات ہو جواب دیا گیا ہے کہ تنازع کی رو سے یہ آیت ساکت ہے مگر ثبوت تنازع اس سے نہیں ہوتا ہو نہ یونکہ احیاء اسی شخص کا جب زندہ ہوگا کہ جب اسی جسد سے ہو

تنازع کے قائل ہو۔ دوسرے مسالہ میں جنم کے قائل ہیں اس کی حیات نہ ہوئی بلکہ اُس کو دوبارہ آنا ہی البتہ صورتیہ کے خلاف یہ تو بیچیکم سے اس عالم کی حیات کا بھی احتمال منکر ہو سکتا ہے اس واسطے کہ وہ

مجدد امتثال کے قائل ہیں و ابہ قطب الذین یسیرہ فرماتے ہیں ہر زمان از عین جان است و پہلی آیت دلیل ہے خدا کی ذات اور اس کی حیات اور اس کی توحید پر ملحوظ اس کے کہ اُس میں اپنے

نفسوں کی جانب توجہ دلائی گئی ہو اس آیت میں آفاق کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے قصہ ہو

کہ عہدِ اینی ذاتوں میں اگر ملاحظہ کرو تو دلائل موجود ہیں اگر گرد عالم ملاحظہ کرو تو دلائل موجود ہیں اُسے تمہارے لیے تمام اشیاء زمین کے پیدا کیے تمام اشیاء بلحاظ انتفاع مخلوق ہوئے ہیں اگر بعض اُن میں ضرر بھی ہیں اور اُنکی تخلیق نفع حاصل کرنے کے لیے ہو اس سے اصل اشیاء میں حلت معلوم ہوتی ہو بعض نے کہا ہو کہ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ ہر شے ہر انسان کے لیے جائز ہی ہوئی قولِ اباحہ زنا و قہ کا ہو مگر مراد اس سے یہ نہیں ہو کہ نہ ملک غیر پر تصرف جائز ہو بلکہ جسکے یہ وقفہ کو سبقت ہو گئی اور تحقیق ہو گیا اُسکے مقابل دوسرے کو استحقاق باقی نہیں رہا اس واسطے کہ اُسکے لیے بھی بدرِ خلقت سے برابر نسبت تھی مگر سبقت کی زیادتی ہو گئی پھر اسکی مرضی ہو اسبوجہ سے تجارت کی صورت مشروع کی گئی ہو اور دیگر صورتیں اخذ و اعطاء کی نکاح و بیاہ کی مقرر کی گئی ہیں اس سے عمومِ منفعت کے خلاف نہیں ہوتا ہو کیونکہ وہ حالِ ابتدائی اور بلحاظ اصل خلقت کے ہو اور اُسکے بعد بلحاظ سبقت ید کے ہو۔

اس قسم کے قواعد بنا ضروری ہیں کہ جس سے باہم نزاعات دفع کئے جاسکیں اور انتفاع کی صورت نکل سکے ورنہ ترجیح بلامرجح کی صورت میں کسی کے لیے بھی صورت تحصیل کی آسان نہ رہے گی۔ پھر جب خداوند عالم نے زمین کے اشیاء کی طرف توجہ دلائی تو آسمان کی طرف بھی نظر کر نیکی ضرورت تھی کہ وہ روپرو ہمارے ہو اور اُسکی خلقت زیادہ تر عالمِ آخرت کے اشیاء سے مناسبت رکھتی ہے اسکے لیے ارشاد فرماتا ہو شمس استوی الی السماء پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا مراد اس سے یہ نہیں ہو کہ محض زمین کے پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوا بلکہ شمس ہی ان پر محض تعداد انعامات کے لیے ہو اور بعض لوگوں نے ترتیب کے لیے لیا ہو اور کہا ہو کہ پہلے مادہ زمین بنایا گیا پھر آسمان درست کیا گیا پھر زمین پھیلانی گئی بہر حال مراد سماء سے یا تو وہی آسمان میں جنکی خبر انبیاء نے دی ہو یا مجرّد بلندی ہو ایسے ہی سموات میں بھی مراد ہو سکتی ہو اور سبع سموات سے مراد یا تو مجرد کثرت ہو جیسا کہ عرب کا دستور ہو کہ وہ لفظ سبع کو محض کثرت کے معانی کے اوپر بولتے ہیں مراد اُس سے محدود عدد نہیں ہوتا ہو یا سبع سے مراد سات آسمان ہیں تو اس جگہ قدیم فلسفہ کے خلاف ہوتا ہو اسلیے علماء نے تاویل کی ہو بعض کہتے ہیں عرش و کرسی بھی شامل ہو بعض کہتے ہیں کہ سات ہی آسمان ہیں اور دلائل اُنکے نو ہونے کے غیر تام ہیں بعض کا خیال ہو کہ آسمان درہن در افلاک اور ہن گویہ قولِ مجھے صحیح معلوم ہوتا ہو مگر جو مقصد اُنکا ہو وہ پورا صحیح نہیں ہو اس واسطے کہ افلاک بطریقِ موسیٰ ثابت کرتے ہیں جنکے بطلان میں مجھے شبہ نہیں ہو البتہ افلاک دور و سر دورہ کو اکب مراد ہو تو یہ قول صحیح ہو سکتا ہو رہ گئے وہ آسمان جن کا یہاں ذکر ہو وہ بلاشبہ سات ہیں اور اُنکے محل وقوع تک ابھی حس نہیں پہنچا ہو۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

اور جب کہا تمہارے رب نے ملائکہ سے کہ ہم زمین میں خلیفہ کرنے والے ہیں
بقیہ صغیر) لفظ استوی میں وقول ہیں ایک تو اسکو مشابہات سے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی
معلوم ہو کیفیت مہول ہو اسپر ہم ایمان لائے اور دوسری جماعت کہتی ہو کہ مراد اس سے توجہ اور
غلبہ ہو اسواسطے کہ استوی کا لفظ ان معانی میں متعل ہو۔

پھر ارشاد فرماتا ہو کہ یہ جو کچھ خلقت ہو یہ اضطرابی یا بے دیدہ و دانستہ نہیں ہو بلکہ وہ اللہ سب
چیزوں کا علم رکھتا ہو علم باری میں بہت سے اقوال ہیں مگر محقق یہ ہو کہ وہ صفت ذاتیہ ہو جس سے
تمام غیر اللہ بلکہ خود ذات میں معلوم ہوتے ہیں ان آیات سے اللہ تعالیٰ اور اسکی ذات اور توحید و
صفات ذاتیہ حیات و قدرت علم و ارادہ کلام سب کا ثبوت ہوتا ہو اور صفات ذاتیہ اور اسمائہ
اور صفت افعال سب کا ایاد ہوتا ہو ساتھ ہی اسکے رسالت پر اور بعثت پر دلائل قائم کئے ہیں
اور انعام کا ذکر کیا ہو تاکہ شکر انعم واجب ہو قاعدہ سے ایمان لازم ہو جاوے۔

اور بعض کے نزدیک زائد ہو گیا اوپر سے کوئی تعلق نہیں بمنزلہ ایک سورتہ کے ہو اور بعض
داو کا عطف اوپر کرتے ہیں عطف قصہ کا قصہ کے اوپر کیونکہ اوپر اللہ نے پیدا کرنے کی اور جگہ اور مکان
بنے کی منت رکھی ہو آسمان و زمین کی پیدائش کا احسان جتایا ہو اسکے بعد اب خاص مخاطب اور
اولاد آدم پر جو احسان کیا ہو اسکا ذکر فرماتا ہو یہ بھی نعمت ہو یہ بھی کہا جا سکتا ہو بعد رسالت و آخرت
کے جو کہ بعض فرق اسلامیہ ماست کو بھی مدارجات کہتے ہیں اسواسطے عنوان بدل کے اسکے متعلق بھی
خداوند عالم نے احکام ارشاد فرما دیے ہر حال اوپر سے تعلق ہو یا نہ ہو امتنان کے تحت میں یہ واقعہ کہ جو
آگے بیان کیا جاتا ہو داخل ہو۔

اِذْ کو بعض لوگوں نے کہا ہو کہ زائد ہو اور تحقیق کے معنی میں متعل ہو جس طرح قد اور بعض اسکو زائد نہیں کہتے
ہیں اور چونکہ ظرف زمان ہو اسواسطے اسکو از کر فعل کے متعلق کہتے ہیں جو مقدر ہو از فعل ماضی کے لیے
آتا ہو اور اگر مستقبل پر داخل ہو تو معنی اسکے ماضی کے کر دیتا ہو جس طرح اذا جو وقت ماضی پر داخل ہوتا ہو
تو مستقبل کے معنی کر دیتا ہو معنی اسکے جب اور حیثیت کے ہیں اور از کر کے حذف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ
ایسے مواقع پر تر آئی شریف میں از کر کا فعل آتا ہو جیسے واذ کو فی الکتاب میر وغیرہ توجہ فعل یہاں حذف
کیا جاوے وہ بھی مناسب اس فعل کے ہو جو ایسے مقامات پر مذکور ہوتا ہو یہاں چند تہات فاع اس طرح
ہوتے ہیں کہ کہا جاوے کہ لفظ از لفظ قال کا ظرف نہیں ہو سکتا ہو اسواسطے مقصود خبر دینا ہو نہ کہ

خطر و جزا مقصود ہو اور اذکر کے بجائے اذکر و اکیون نہ مخدوف ہو اسوجہ سے کہ اسکے بعد ایک ارشاد
ہوا ہو انعام سب پر ذکر کیا گیا ہو سب کو اذکر کا فاعل کرنے سے فالوہ نہیں ہو بالخصوص ایسے انعام سے
کہ جو خبر صادق کے بدون مشاہدہ سے یا عقل سے حاصل نہیں ہو سکتی ہو۔

مطلب یہ ہو کہ یاد کیجیے اوی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خبر دیجیے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب اسکے
آن حضرت ہیں اسواسطے کہ آگے ایک کلمہ اسپر دلالت کرتا ہو اس جگہ آن حضرت کو مخاطب کرنا اور
ایک کالفظ لانا لطیف نکتہ ہو اس جانب کہ اصل خلیفہ تو آپ ہیں اور اصل مین خلیفہ کی حقیقت آپ ہی
خوب سمجھ سکتے ہیں یا غلیفہ کی حالت سے کما حقہ آپ ہی واقف ہیں امین اشارہ اس جانب ہے کہ
آنحضرت کو علم ان باتوں کا جو قبل ولادت کے ہو مین فطری طور پر اور ایجاد سے حضرت حق کے پہلے سے
حاصل تھا یہی شان نبی کی ہو کہ اُسکو علم غیب اللہ کی طرف سے حاصل ہوتا ہو یون تو خدا کے سوائے
کسی کو علم غیب نہیں ہو بلکہ بالاستقلال کوئی قوت و صف بندہ مین نہیں ہو کہا جاتا ہو لا موجود الا هو
اسی طرح ولا یعلم الغیب الا هو مگر اسکے وجود عطا فرمانے سے تمام موجود ہیں اُسکے بتانے سے دوسرے غیب دہن
ہو سکتے ہیں امین کوئی محال شرعی یا عقلی لازم نہیں آتا ہو اور خصوص اسپر دلالت کرتے ہیں یہ دوسری
بات ہو کہ کسکو کسقدر علم غیب عطا ہوا ہو اسکو علام الغیوب ہی خوب جانتا ہو۔

اعتقاد وہاں آنحضرت کے بارہ مین یہ ہو کہ آپ کو لمجاظ تمام مخلوق کے علم غیب زاید ہو کسی شی کو نہیں
کہا جاسکتا ہو کہ اُسکا علم آنحضرت کو پہ تعلیم حضرت حق نہیں ہو نہ یہ کہنا درست ہو کہ تمام اشیا کا علم
بالاستقلال آنحضرت کو حاصل ہو بلکہ اسقدر اعتقاد ہو کہ علم خواہ مشاہدہ یا غیب اصنافی ہو یا حقیقی سب آنحضرت
کو عطا ہوا جسقدر چاہا اللہ نے آپ کو تعلیم دی اور جس غیب کا آپ کو علم ہوا وہ بمنزلہ شہادت کے ہو گیا
اسواسطے آپ کو عالم الغیب کہنا کوئی وصف نہیں بلکہ آن حضرت کے اسما توقیفی ہیں اس واسطے بھی
عالم الغیب کا اطلاق آن حضرت پر صحیح نہیں ہو باوجود اسکے کہ تنہا ہی علم آنحضرت کو ہو لمجاظ شان الوہیت
کے تصور اہی ہو اگرچہ شان مخلوق کے لحاظ سے تمام عالمون سے زاید علم ہو اسی وجہ سے ارشاد فرماتا ہو
وعلک ما لم تکن تعلم آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ سکھا دیا یہ امر ایک حکیم اور صوفی کے نزدیک مستبعد نہیں ہو
اگرچہ ایک رسمی عالم کے نزدیک مستبعد ہو کیونکہ جب آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منظر اتم اللہ جل شانہ
کے ہیں اور ام جامع کا طور آپ مین ہو تو پھر کون سی شے خواہ ماکان ہو جو ہو چکے یا ماکون ہو جو آئندہ
ہوگی آپ کی ذات سے پوشیدہ ہو اگرچہ التفات نہ ہونے کے باعث بہت سے اشیا بالفعل حاضر قوت
علمیہ کے ساتھ نہ ہوں بلکہ خزانہ مین جمع ہوں اسی لحاظ سے آنحضرت نے کبھی فرما دیا کہ ماکان ماکون کو

اللہ نے مجھ پر ظاہر فرمادیا اور کبھی فرمایا کہ انتہا علم باموردنیا کہ یہ شان حضرت حق کی ہو کہ اُس کو علم بالاستقلال ہو غیب کو غیب کے اعتبار سے اور شہادت کو شہادت کے اعتبار سے جانتا ہے بلکہ اشیا کو قبل غیب و شہادت ہونے کے بھی جانتا ہے اس خطا کے آن حضرت کی بفتہ درجات کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم کے موافق خبر دیکھتے کہ جب فرمایا آپ کے پروردگار نے ملائکہ سے۔ ملائکہ میں تا زمانہ نبی ہو جا سکے کہ جمع ہے یا مبالغہ کی تائید ہے جیسے علامہ وفہامہ میں جمع ہو ملائکہ کی جس کو اکثر عرب ملک بلا ہزہ کے استواء کرتے ہیں جیسے شمال جمع شمال کی بوسنی اسکے رسول کے ہیں کیونکہ ماخذ اسکا الوتہ سے سمجھا جاتا ہے جسکے معنی رسالت کے ہیں۔ ملائکہ کی حقیقت اور پر بیان کر دی گئی مع شے زاید اسکا اعادہ کرنا بیان مناسب ہے۔ جو لوگ ملائکہ کے وجود کے قائل ہیں انہیں چند اقوال ملائکہ کے بارہ میں ہو گئے ہیں مقصد و تحریر ہو اکثر مسلمان کہتے ہیں کہ وہ احسام نورانی ہیں یا ہوائی ہیں اور انکو قدرت شکل میں آنے کی اور اُسکے تبدیل کی حاصل ہے۔

نصاری کی ایک جماعت کہتی ہے کہ نفوس ناطقہ ہیں جو بدن سے مجرد ہو جاتے ہیں اگر خیر ہیں تو ملائکہ ہیں اور اگر شر ہیں تو شیاطین اور اکثر بت پرست کہتے ہیں کہ وہ کوکب ہیں جو سجدہ ہیں وہ ملائکہ ہیں اور جو جس ہیں وہ شیاطین ہیں فلاسفہ کہتے ہیں کہ وہ جو اہر مجروحہ ہیں جو علاوہ نفوس ناطقہ کے ہیں بعض حکما کہتے ہیں کہ وہ نفوس فلکیہ ہیں جسے اقلاد کو حرکت ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ عقل عالمہ میں جنہیں سے عقل وغیرہ ہے بعض کہتے ہیں کہ رب المانوع ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کر گئے ہیں۔

ملائکہ کی حقیقت کچھ ہو مگر اہل اسلام اُنکے وجود کے قائل ہیں اور اُنکی دو قسمیں کہتے ہیں ایک وہ ہیں جو وجود حضرت حق کا پر تو ہوتے ہیں جب موجود ہوئے اور اُنکو معرفت اپنے خالق کی ہوئی تو صفت چال کا کچھ ایسا ظہور ہوا کہ وہ استغراق کے عالم میں محو حیرت ہو گئے اُنکا اشتغال محض تہذیب میں ہی اور خدا کے سوا کسی سے اُنکو تعلق نہیں ہو اُنکی شان میں ہو یسعون لللیل والنہار ولا یفترون شام و صبح خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور کسی وقت تسبیح کرنے سے غافل نہیں ہوتے ہیں یہ ملائکہ مقرر ہیں اور انہیں کو عالمین اور علیین کہتے ہیں اور یہی ملائکہ مہین کہلاتے ہیں دوسری قسم ملائکہ کی وہ ہے کہ جو تہذیب کرتے ہیں وہی ہیں جسکی شان میں ارشاد ہوتا ہے لا یصون اللہ ما اصرہو ویفعلون ما یریدون جو اُن کو حکم دیا جاتا ہے اُس میں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جبکہ اُنکو امرو ہوتا ہے انہیں ملائکہ سے اول جو ملک ظاہر ہوا ہے وہ عقل و قلم ہو اُسکے بعد اُسکے استغاضہ کی غرض سے ایک ملک ہوا جسکو لوح محفوظ کہتے ہیں جو ملکات علم باری میں حق و قلم کو تفویض ہوئی اور قلم نے سبکو لوح پر القا کر دیا

قَالُوا اتَّجَعَلُ فِيهَا مَنْ يَفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ
 كَمَا أَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

تسبیح و تحمید کے ساتھ اور پاکیزگی کرتے ہیں بڑی فرمایا اللہ نے کہ یقیناً میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو

بقیہ صفحہ ۷۹) قطب وقت ہوتا ہی جو بعد ازاں حضرت مکے مرتبہ نبوت پر فائز نہیں ہوتا ہی وہی خلیفہ اللہ ہوتا
 ہی مگر بواسطہ اسکے کہ خلیفہ الرسول ہوتا ہی تو مراد اس سے جس خلیفہ ہی یا باور خلفاء آدم علیہ السلام ہیں یا جزو
 کامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا جملہ اولاد آدم ہیں یا مراد اس سے جس کا خلیفہ بنایا جانے والا تھا
 فرشتے ہیں کہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم تمہارے بے ایک گروہ دوسرا بنانے والے ہیں خواہ مراد اس سے کل فرشتے
 ہوں یا وہی فرشتے ہوں جو زمین میں تھے یا مراد اس سے پہلی خلقت یعنی جنوں کے بعد انکی جگہ پر دوسری
 مخلوق ہم بنانے والے ہیں یا مراد یہ ہو کہ اسی صنف ہم بنانے والے ہیں جو ایک دوسرے کے باہم خلیفہ ہوں گے
 ظاہر مراد اس سے یہی ہو کہ اللہ اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہو تاکہ اُسکے تمام اسماء ظاہر ہوں اور اُسکی عبادت کل
 اسماء سے ہو خواہ وہ جلالی ہوں جنکے مظاہر شیطین ہیں اور انکی تسبیح انھیں اسماء سے ہو اور وہ دوسرے اسماء
 سے آگاہ نہیں ہیں یا جلالی ہوں جنکے مظاہر فرشتے ہیں اور انکی تسبیح انھیں اسماء سے ہو اور وہ دوسرے اسماء
 سے واقف نہیں ہیں بر خلاف اس خلیفہ کے کہ وہ جملہ اسماء کا منظر اور ہر اسم سے وہ تسبیح کریگا۔

مقصود اس ارشاد سے یا تو مشورہ کا تعلیم کرنا ہی یا خلیفہ کی فضیلت ظاہر کرنا ہی یا آدم علیہ السلام کی
 شناخت کرانا ہے واللہ اعلم۔

مخالفوں کے فاعل یا تو تمام ملائکہ مخاطبین تھے یا صرف ایسے محتاج جس طرح کہا جاتا ہی کہ فلان گروہ نے زید کو
 مار ڈالا مقصود اُس سے مارنے والا ایک ہی ہوتا ہی مگر وہ جس گروہ سے ہوتا ہی اُسکی طرف اُس واحد فعل
 منسوب کر دیا جاتا ہی بواسطہ ایسے چونکہ اُس مجمع ملائکہ مخاطبین میں تھا اسنے جو کہا وہ سب کی طرف منسوب کیا گیا۔
 بظاہر کل مخاطب ملائکہ معلوم ہوتے ہیں اسواسطے کہ جواب سب کو دیا گیا ہی اور بعد کا مکالمہ بھی سب سے کیا گیا ہی
 مقصود اس سے اعتراض نہیں ہو بلکہ محض دریافت حکمت ہو کہ خلیفہ کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہو یا مقصود نہیں
 ہو کہ کہیں خلیفہ پیدا کریگا اور کیوں یہ پیدا کرنے کا ارادہ ہے اس سے خطا فرشتوں کی ثابت نہیں ہوتی ہو
 بعض نے اسکو اعتراض فرض کیا ہی اور اس سے استدلال لکیر کے خویہ نے کہا ہو کہ ملائکہ معصوم نہیں ہیں اور
 بعض بزرگوں نے بھی کہا ہو کہ ملائکہ ارض معصوم نہیں ہیں مگر اسکی حاجت نہیں ہو اصل میں دریافت کرنا حکمت کا ہو

کہ پیدائش خلیفہ میں کیا حکمت ہو تاکہ جو شبہ فرشتوں کو ہوا ہی وہ زائل ہو جاوے ممکن ہو کہ بطور تعجب کے یہ استفہام ہو کہ مقصود تو زمین کو آباد کرنا ہو ایسے شخص کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہو جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے جو آباد کرنے کے منافی ہو یا تعجب اس امر سے ہو کہ اہل صلاح کے پرے اہل فساد کیوں پیدا کرتا ہے بعض نے تجرّد استفہام مراد لیا ہو اور یہی بنا جہتہ کے استدلال کی ہو کہ فرشتے معصوم نہیں ہیں۔

تکرار فیہا کی اس غرض سے ہو کہ فساد میں تاکیہ ہو جاوے فساد میں سفک دماء بھی داخل ہو مگر اسکے اہتمام شان کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا سفک کے معنی سب اور اراقہ یعنی بہانے کے ہیں مگر استعمال اس کا دم یعنی خون یا دموع یعنی آنسو میں ہوتا ہو کبھی دوسرے اشیاء میں بھی ہوتا ہے مگر وہ مجاز ہو مراد دم سے یا تو دم محترم ہو کہ جسکو اللہ نے ہما نا حرام کیا ہو یا دم سے مطلقاً دم ہو کہ وہ بھی محمود نہیں ہو اگرچہ خون حق پر بہایا جاوے مگر جو کہ اضاعتہ مخلوق الہی کی ہے مستحسن نہیں ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے سب راقتی کی تعمیر کی خواہش کی مگر وہ تمام نہیں ہوتی تھی ارشاد ہوا کہ تمھارے ہاتھ سے خون جانوت کا ہوا ہو اس سے کعبۃ اللہ کی تعمیر سے نہیں ہو سکتی ہو حالانکہ حضرت داؤد نے بامرائگی بہاد کیا تھا آخر حضرت داؤد نے متناکی کہ انکی اولاد سے اتمام کو ہو پچھنے پر دعا قبول ہوئی حضرت سلیمان نے اسکو تمام کیا ہماری شریعت میں خون کا بہانا حسن لذاتہ نہیں ہو بلکہ لغیرہ ہو فرشتوں کا اس قسم کا سوال بلحاظ ادعائے علم خبیث کے نہیں ہو بلکہ تخلفی ہو یا خداوند عالم سے دریافت کیا انھوں نے کہ خلیفہ سے کیا کام لیا جاوے گا تو اللہ نے ان کو بتادیا جیسا کہ بعض روایت میں آیا ہو یا انھوں نے لوح محفوظ سے اسکو دریافت کر لیا تھا یا انکی ذات میں جن قوت مصیبت کی وجہ سے مرکوز تھی اسکے ذریعہ سے بطور تم قیافہ کے یہ امر حاصل کیا تھا یا انھوں نے لفظ خلیفہ سے استنباط کیا تھا کہ خلیفہ تو وہ ہو جو قائم مقام اعم جاس کا ہو اور اس سے ظہور صفات جلالیہ کا بھی ہوگا اور ظہور صفات جلالیہ کا بھی ہوگا اور صفات جلالیہ کا مقتضی یہ ہے کہ فساد و خونریزی ہو اس وجہ سے یہ سوال کر بیٹھے۔

یہاں پر غایت وضاحت کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت وجود بمنزلہ ایک دائرہ کے مرکز کے ہو اسکے اوپر ایک الزمرہ تہہ انسانیت کا ہو اور اسمین بہت سے دوائر ہیں کہ وہ مراتب انبیاء ہیں مراتب انبیاء کے ماتحت بہت سے حقائق مومنین و منافقین و کفار کے ہیں اس دائرہ انسان کا کل کے اوپر ایک الزمرہ حیوان کا ہو اسپر ایک دائرہ ارواح مجردہ کا ہو جسکے درمیان ایک حد فاصل ہو کہ عالم و بعد اور مرکز دائرہ سے اس الزمرہ کی تصنیف ہوتی ہو نصف اسکا صفات جلالیہ کے مقابل ہو تو وہ مرتبہ شیطان کا ہو اور نصف صفات جلالیہ کے مقابل ہو وہ مرتبہ فرشتوں کا ہو فرشتے اپنے عالم وجود سے ان صفات بشریہ پر تاثر کرتے ہیں اور شیطان

اپنے مقام سے تاثیر کرتے ہیں تو جو انسان جس صفت کے مقابل ہوتا ہو وہ اپنے مقابل سے متاثر ہو جاتا ہے یہ حال انسان ناقص کا ہے مگر انسان کامل تمام صفات جلالی و جلالی کو شامل ہے اور توازن کی طاقت کے باعث نہ صفت ملکہ تیرہ مقہور ہوتی ہے نہ صفت حیوانیہ جو صفت اُس کے ملکوت کے مقابل ہے شیاطین اپنی طرف کھینچ نہیں سکتے ہیں اسی وجہ سے انسان کامل خلیفہ کی نظر ہو تمام صفات کا خصوصاً صفات تاثیر کا جنہیں سے وجود حیات علم قدرت ارادہ کلام بھارت سماعت کی قوتیں ہیں کہ ان صفات تاثیر کا مجموعہ انسان کامل ہی کی ذات کے ظاہر ہوتا ہے تو آدم کو تمام صفات کی خبر ہو اور وہ صفات سے نتیجہ کرتا ہے اور فرشتہ انھیں صفات سے باخبر ہو جسکو وہ اپنے میں پاتا ہے وہ صفات جلالیہ ہیں دوسرے صفات کو اُس نے مقابل میں اپنے حیوان و شیطان میں دیکھ کر دریافت کیا کہ منظر اتم بھی اور انسان کامل بھی اُن اسماء سے یاد کر گیا جو صفات جلالیہ کے ہیں اُن سے قتل و غارت ہوگی۔ اس جگہ قربانی کا ذکر آ گیا کہ وہ بھی مثل قتل کے حسن لغیر ہے اگر قربت و منفعت کا خیال نہ ہو تو قبیح لذات ہو ایسے ہی نیکار کہ اگر نشاء بازی کی مشق یا گوشت کا خیال نہ ہو تو یہ قبیح لذات ہو اس میں حسن لمحاظ غیر کے ہے۔

وَتَحْنُ نَسِیْمٌ حال ہے التعلیل کے فاعل سے مقصود اس سے احتجاج ہے تفخیر یا عجب نہیں ہو یا مقصود اس سے استفسار ہے کہ وجہ ترجیح کیا ہے۔ تسبیح کے معنی تمام برائیوں سے دور رکھنے کے ہیں۔

پہچند لفظ موضوع حاصل میں ہے اور بالتسبیح کے ساتھ متعلق ہے اور الصاق کے لیے ہے کہ ہمیشہ تسبیح کے ساتھ حمد بھی کرتے ہیں یا مراد اُس سے لازم حمد ہے کہ معنی اُس کے توفیق کے ہیں کہ تیری تسبیح کرتے ہیں وہ تیری توفیق کے یا مراد اس سے حال مفعول کا ہے کہ ہم تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ۔ یہ تو مراد عموماً تسبیح کی صورت میں ہے اگر مراد اُس سے تسبیح خاص ہو تو وہ تسبیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سبحان اللہ وبجلہ ہے کہ اُسکو فرشتوں کی تسبیح ارشاد ہوا ہے یا سبحان اللہ ذالملك والمملکات سبحان اللہ ذی العظمۃ و الجبروت سبحان اللہ الذی لا ینام ولا یموت ہے۔ اور تقدیس مثل تسبیح کے ہے یا تقدیس سے مراد برائت اُن اوصاف سے ہے کہ جلالِ ذات کے نہیں ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ مراد اُس سے یہ ہو کہ ہم اپنے نفوس ظاہر کرتے ہیں تیرے لیے اس صورت میں لام یا تقدیر کا ہے یا تعلیل کا ہے یا بیان کا ہے۔

قَالَ رَبِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُ کون۔ فرمایا اللہ نے کہ یقیناً میں نے کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو میں خلیفہ کے پیدا کرنے کی حکمت سے واقف ہوں اور تم نہیں واقف ہو یا تم نہیں کی معصیت آگاہ نہیں ہو میں واقف ہوں اور کون اطاعت کیلئے اس سے میں آگاہ ہوں تم آگاہ نہیں ہو میں جانتا ہوں کہ آدم کی اولاد سے کون کون پیدا ہونگے انبیاء و صلحاء خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو نہ پیدا ہوتے تو کوئی نہ پیدا ہوتا یا مراد اس سے انی اعلم غیب السعوات کا لہذا ہے کہ

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ
اور سکھایا اللہ جل شانہ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء بھراؤن کو پیش کیا لہٰذا کہ گئے اویپر

فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝
اور کہا کہ بتاؤ مجھے اسماء ان کے اگر تم سچے ہو

بقیہ صفحہ ۸۲) جیسا کہ آگے آتا ہو یا اشارہ ہو کہ خلیفہ سے وہ میرے اسماء ظاہر ہونگے جبکہ تو تم جان نہیں سکتے ہو بلکہ خلیفہ سے عالم زندہ ہو گا اس واسطے کہ اُس کے ساتھ روح آتی ہو جب تک خلیفہ نہ تھا عالم مثل روح بے جان کے تھا جب آدم ہوئے تو عالم زندہ ہوا اور کام کا شعور ہوا ظاہر ہو کہ فرشتوں کو کیسے معلوم ہو سکتا تھا اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ وہ کچھ جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے ہو۔

عطف یہاں بھی قصہ کا قصہ پر ہوا اور یہ قصہ تو روح چھوکتے ہی ہوا یا یہاں قصہ کا اختصار ہی جیسا عموماً قرآن شریف میں کیا جاتا ہو اور مراد اس سے یہ ہو کہ آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور سکھایا اسماء یا نفع روح کرنے کے بعد تعلیم کی یا خلیفہ بنانے کے بعد تعلیم کی یا پیدا کیا پھر نفع روح کی گئی پھر اُنکی بزرگی قائم کی گئی پھر خلیفہ بنائے گئے پھر اُنکو تعلیم اسماء کی کی گئی یہاں یہ سب افعال مخدود کر دیے گئے صرف علم کا فعل بوجہ آگے تہید کے ذکر کیا گیا۔

عَلَّمَ صنیعہ ماضی کا ہو تعلیم سے تعلیم اُس فعل کو کہتے ہیں جس پر علم مرتب ہو اور عالم کا اثر متعلم پر پڑے کبھی صرف تحصیل علم پر بھی تعلیم کا اطلاق ہوتا ہو اگرچہ بلا واسطہ معلم کے ہو تعلیم کبھی علم ضروری پیدا کرنے سے بھی ہوتی ہو اور بھی تعلیم اس طرح بھی ہوتی ہو کہ ذات حاضر ہو مدرک کے سامنے کبھی بواسطہ ملک کے تعلیم ہوتی ہو اس جگہ بواسطہ ملک کے تعلیم ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہو مگر یہ ممکن ہو کہ علم ضروری ہوا فنی استعداد کے آدم علیہ السلام میں پیدا کر دیا گیا ہو یا آدم علیہ السلام چونکہ نمونہ کائنات کے تھے تو وہ تمام کائنات بلحاظ انہی حقیقت کے آدم علیہ السلام کے درون میں داخل تھی تو جب اُنکو اپنی ذات کا علم ہوا تو کل کائنات کا علم ہو گیا حق یہ ہو کہ آدم علیہ السلام بلکہ کل انبیاء جیسا کہ گذرا منظر تمام اسماء انہیہ کے ہیں ایسے انہیہ تمام اسماء کے مظاہر از خود ہو یا ہین اور وہ اسماء بھی ہو یا ہین۔

آدَمَ یا تو عربی ہو اور ماخوذ آدَمَ سے ہو جسکے معنی گندم گوئی یا سفید رنگ ہونیکے ہیں یا ماخوذ آدَمَ سے ہو جسکے معنی قدودہ اور پیشوا کے ہیں فرق اول اور آخر کے لفظ میں باعتبار حرکت کے ہو کہ ہمزہ مضموم اور وال ساکن اول میں ہو اور ہمزہ اور وال مفتوح ثانی میں ہو یا آدَمَ دادم سے ماخوذ ہو جسکے معنی الفت

اور انس کے ہیں بعض لوگ اسکو ادیم ارض سے ماخوذ کہتے ہیں اور مراد ادیم ارض سے روئے زمین ہے کہ اسپر خاک و دھول ہوتی ہو اور پر کے تمام معانی کو آدم کے ساتھ مناسبت ہو آخر کو بھی بلحاظ تخلیق کے مناسبت ہو اسواسطے کہ جب آدم علیہ السلام کو خدا نے پیدا کرنا چاہا تو ملائکہ سے روئے زمین کی مٹی منگوائی اور اسکو ایک جگہ خمیر کر لیا تاہم اصناف کی مٹی کے جمع کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر قسم کے لوگ ہوئے اور مختلف اقوام انکی اولاد میں پیدا ہوئے چونکہ انکا جسم ادیم ارض سے بنایا گیا تھا اسواسطے آدم کھلانے لگے۔

آدم میں دو ہنر تھے ایک ہنر دوسرے ہنر کے مفتوح ہونے کے باعث الفت سے بدل دیا گیا آدم ہو گیا اور یہ نام ابوالبشر کا رکھا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کلمہ عربی نہیں ہے بلکہ عجمی ہے اور اسکا وزن فاعل بفتح عین مستعمل ہے جس طرح آذر اور شلخ اسم عجمی ہے۔

آلاء اسماء جمع اسم کی ہے اسم کے معنی بلحاظ اشتقاق کے علامت کے ہیں چونکہ نام شے کی علامت ہوتی ہیں اسواسطے انکو اسم کہتے ہیں عرف میں ہر اس شے کو اسم کہتے ہیں کہ جو کسی معنی کے لیے وضع کی جائے عام اس کے وہ مفرد ہو یا مکمل بجز عنہ ہو یا رابطہ ہو اور اصطلاح میں اس لفظ کو اسم کہتے ہیں کہ جو معنی مفرد کے لیے وضع کی گئی ہو اور اسمین کوئی زمانہ نہ پایا جاتا ہو اور اپنے معنی پر دلالت کرنے میں کسی دوسرے کلمہ کی اسکو حاجت نہ ہو مگر مرد ہیماں معنی مصطلح نہیں ہو سکتے ہیں اسواسطے کہ اصطلاح بعد نزول قرآن شریف کے ہوئی ہے۔ بعض لوگ اس اصطلاح کی ابتدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیان کرتے ہیں اور بعض ابوالاسود دؤلی سے اسکی ابتدا کہتے ہیں لہذا قرآن شریف میں اس اصطلاح کے موافق لفظ وارد ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جگہ اسماء سے مراد صفات اشیاء ہیں اور انکے تعریفات اور خواص ہیں بعض کہتے ہیں کہ مراد اس سے جملہ لغات ہیں بعض کے نزدیک اسماء تمام اشیاء کے ہیں جو ہو چکیں یا ہوں گی بعض کہتے ہیں کہ مراد اس سے اسماء ملائکہ کے ہیں بعض کہتے ہیں کہ مراد اس سے اسماء انکی ذریت کے ہیں بعض کہتے ہیں کہ مراد اس سے سیارات اور نجوم کے اسماء ہیں بعض کہتے ہیں کہ مراد اس سے اسماء آئینہ ہیں اور ارباب تحقیق کے نزدیک اسماء آئینہ تو ہیں مگر بلحاظ اسکے کہ وہ اسماء ظاہر ہیں اور اشیاء کو نیہ انکے مظاہر ہیں اشیاء کے لیے وجود ظلی ہے اور اسماء کا وجود وجود حقیقی ہے کیونکہ حضرت نبی وجود بحت نے کہ جہاں قید و بے قید دونوں کم ہیں اور مطلق و مقید سے وراثت ہے اسنے اپنے دو جانب کئے ایک ذات کا جسکو تنزیہ کہتے ہیں دوسرے صفات کا جسکو تشبیہ کہتے ہیں جانب صفات حقائق کو نیہ عالم ہوئے ایک وجود علی تمام اکوان کا ہوا جسکو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اسی وجود یعنی میں جو کچھ ہے وہی علم باری ہے اسی کے موافق تمام مشاہیر پھر وجود علی سے عالم ارواح مجردہ میں وجود ان اشیاء کا ہوا تہ لکوت کا

ظاہر ہو اسی طرح عالم مثال میں وجہ ہوا پھر عالم اجساد میں جماد ہوا پھر نبات ہوا پھر حیوان ہوا حیوان کے تمام مراتب طے کئے سب بعد ظاہر ہوا جعفری میں آدم کے جب یہ جسد عنصری روح الہی سے زندہ ہوا تو اس کو ان تمام اسماء الہیہ کا شعور اسی طرح ہوا جس طرح کہ ان اسماء کا تنزل ہوا ہوا اسی ظہور کے باعث خلافت ملی اور اس کا لازمی وصف علم ہی مہیاں پر ڈارون کی تحقیقات کے موافق نہیں ہو بلکہ وہ بندہ کی ترقی کرتے کرتے انسان ہونے کا قائل ہو مگر اس قول کے موافق آدم مواد کو نیہ کا انتہائی ترقی شدہ مخلوق ہو اور اسکے متصل دوسرے مخلوق ہیں ایک مخلوق دوسرے مخلوق سے قریب تر ہو مثلاً انسان کے اور حیوان کے دونوں کنارے ملتے ہیں اور حیوان کے اور نبات کے کہ بعض نباتی نشے میں اگر حرکت ارادی ہو تو حیوان ہو جاوے اسی طرح تمام موجودات مراتب و درجات رکھتے ہیں اور آخری دور آدمی ہو جیسا کہ مولانا جامی فرماتے ہیں یہ نوع آخر آدم ست و آدمی چ گشت محرم از مقام محرمی +

اس آیت سے امام ابو الحسن الاشعری استدلال کرتے ہیں کہ تمام لغات کا واضع اللہ ہو گو بعض اوقات بعض لغات بندہ خود بھی وضع کر سکتا ہو معتزلہ کہتے ہیں کہ تمام لغات کا واضع بندہ ہو بعض کہتے ہیں کہ ضرورت کے چند لغات اللہ نے وضع کر دیے بقیہ بندوں کو اختیار دیدیا انھوں نے وضع کر لیے لیکن عند تحقیق آب و ہوا کے اختلاف کے باعث لغات مختلف ہو گئے ملک قوم کے متفرق ہونے کے سبب زبانیں بھی جدا ہو گئیں اس امر میں اختلاف ہو کہ ارواح کی بھی کوئی زبان ہو یا نہیں جمہور قائل ہیں کہ ارواح کی زبان مخصوص ہو بعض کہتے ہیں کہ سُر بانی ہو اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہو کہ عربی ہو بعض آثار سے فارسی زبان کا بھی بولا جانا جنت میں مروی ہوا ہو مگر یہ امر ظاہر ہو کہ صوت و الفاظ کے ساتھ وہ زبان مقید نہیں ہو اور اغلب یہ ہو کہ عربی زبان ہو جس میں کلام اللہ بھی ہو اور وہ کلام شاہ کلام نفسی کے ہے جس میں صوت و حروف کچھ نہیں ہوتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہو کہ جب بندہ قبر میں دفن کیا جاتا ہو تو فرشتہ منکر نکیر سوال کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں من ربک و ما دینک و ما تقول فی هذا الرجل کون بخاراب ہو کون بخارادین ہو اور کیا کہتے ہو اس شخص کے بارہ میں اور اشارہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہیں ظاہر ہو کہ ایک وقت میں تمام عالم کے مردوں سے سوال کر لیتے ہیں یہ سوال کلام نفسی کے خواص رکھتا ہو مگر کلام لفظی کے خواص سے بالکل سبتر ہو اس واسطے اس کو اُسی طرح عربی کہہ سکتے ہیں جس طرح قرآن شریف کی عبارت و معانی کلام ہیں اور عربی میں اس حدیث کے علاوہ براہرتیج و تہلیل وغیرہ فرشتوں کی عربی میں مروی ہوئی ہے لہذا قول صحیح یہی ہے کہ زبان ارواح کی عربی ہو اور زبان اہل جنت کی عربی ہو جس طرح مردہ کو زبان عربی کا علم حاصل

ہو جانا ہر اسی طرح آدم کو بھی علم اسما کا ہو گیا۔

مکن ہو کہ عربی زبان کا واضح اشد ہو اور دیگر زبانوں کی واضح مخلوق ہو اسی وجہ سے اس زبان کو مرتبہ و قرب حاصل ہو گیا ہو جسکی برابری دوسری زبانیں نہیں کرتی ہیں ایک قول جیسا کہ اوپر گذرایہ بھی ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام لغات کا علم دیا گیا ہو اور حضرت آدم نے ہر لغت میں کلام کیا جن جن لغات کو انکی اولاد دہوتی ہو ان سب کو آدم نے بھی بولا اس سے معلوم ہوتا ہو کہ لغات سب تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے وضع کر لیے گئے تھے۔

ثُمَّ عَزَّاهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ ضَمِيرُ اسما یا اسمیات کی طرف راجع ہو ضمیر مذکر کی یا تو اس وجہ سے ہو کہ اسمیات اکثر ذوی العقول ہیں اور تغلیب ذوی العقول کی غیر ذوی العقول پرستعمل ہو یا تعظیم کے لحاظ سے ضمیر مذکر کی لائی گئی ہو یا اسما کی طرف ضمیر پھیری گئی ہو باعتبار اسکے کہ مراد اُس سے اسمیات ہیں اور صنعت استخدام کا قاعدہ یہاں برتا گیا ہو بعض لوگ کہتے ہیں کہ صنعت استخدام کی ضرورت نہیں ہو کیونکہ اسم عین مسمی ہو مگر اس پر اعتراض یہ ہوتا ہو کہ آگے جل کے ارشاد ہوتا ہو انبثوثی باسماء ھولاء اگر اسم مسمی ایک ہی ہو تو چاہیے تھا کہ انبثوثی ھولاء کافی تھا لفظ اسما بڑھانے کی ضرورت ہی کیا تھی بہر حال ضمیر مذکر کی لائی گئی ہو اور مراد اُس سے وہی مذکور ہو دعرضہم مراد عرض سے یا تو ان اشیا کی تصویر قلوب ملائکہ میں پیدا کر دی گئی یا وہ اشیا مثل حیوانی کے چھوٹے چھوٹے عالم ذرہ میں اُن پر ظاہر کیے گئے یا انکو جو اشیا آئینہ پیدا ہو گئی اُنکے ہونے کی خبر دی گئی اور انکو صور علیہ پر اطلاع کر دی گئی یا علم اعیان ثابتہ اُن کو عطا کیا گیا اور حق یہ ہو کہ آدم علیہ السلام کی ذات میں ان ملائکہ کو تمام آفاق ظاہر کے گئے اور ہو سکتا ہو کہ عالم مثال اُنکے دروہر کو دیا گیا۔ فَقَالَ لَنْبُوتُونِي اُنبا کے معنی مطلق خبر کے ہیں اور کبھی اُس اخبار کو بھی کہتے ہیں حسین اعلام بھی ہوا حسین اشارہ اس جانب ہو کہ منصب خلافت کا دار و مدار علم پر ہی ہو جسے اُن سے ارشاد ہوا کہ اگر تمکو اپنی خلافت یا اس خلیفہ کے مقابل اپنی فوقیت اس منصب کے لیے ہو تو اُنکے اہل ہونا ثابت کرو یا عرض اُنکے عجز ظاہر کرنے کے لیے ہو تکلیف بلا لیاقت نہیں ہو جو لوگ اس قسم کی تکلیف جواز کے قائل ہیں بلکہ وقوع کے وہ اس امر کو تکلیف کی غرض سے سمجھتے ہیں ظاہر ہو کہ اس سے مقصد تکلیف نہ تھی۔ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یعنی اگر تم اس امر میں سچے ہو جو تمہارے دل میں اس خلیفہ کے بارہ میں شبہات ہیں اور لوگوں کو کہہ دو کہ تم خلیفے کے لائق نہ جانتے والے ہو یا یہ کہ اُس سے تم افضل ہو یا تو تم سچے ہو اپنے اس ادعا میں کہ تم حق باخلافت ہو یا سچے ہو اس امر میں کہ اس اختلاف کو تم غیر مناسب سمجھتی ہو یہ امر کوئی گناہ نہیں ہو کہ دل میں اس قسم کا شبہ پیدا ہو اسکی وجہ سے صحت ملائکہ پر کچھ حرج نہیں آتا ہو اور صدق و کذب کبھی انشا میں بھی ملحوظ ہوتا ہو جبکہ اُس سے قصد اخبار کا ہو اور ملحوظ اسمین اُسکے مناسب خبر ہو بیان ایسا ہی ہو۔

قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

عرض کیا فرشتوں نے کہ پاک ہو تو کو علم اتنا ہی ہو جتنا تو نے بتایا ہے تو ہی جاننے والا حکمت والا ہو

قَالَ يَا دَرِّيُّهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ

فرمایا تمہارے رب نے کہ اے آدم بتا دو انکو اسماء ان اشیاء کے پھر جب بتا دیا آدم علیہ السلام نے انکو اسماء ان اشیاء کے پھر انکو بتا دیا کہ

إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُدْرِكُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ

کہ میں ہی جانتا ہوں پوشیدگی آسمانوں اور زمین کی اور جانتا ہوں جسکو تم ظاہر کرتے ہو اور جسکو تم چھپاتے ہو

یہ جواب ہی سوالِ مقدّر کا کہ جب فرشتوں سے ارشاد ہوا کہ تم اسماء ان اشیاء کے بتاؤ تو پھر انھوں نے کیا کیا آیا انھوں نے امتثال کر لیا اور جو دریافت کیا گیا تھا اُسکو بتا کے اپنا چھٹکا را حاصل کر لیا یا نہیں تو اُسکا جواب ارشاد ہوتا ہے کہ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم ان اشیاء کو بتا نہیں سکتے ہیں اسی وجہ سے یہاں بے واؤ سے عطف نہیں لایا گیا ہے۔

سُبْحَانَكَ مصدرِ سَجْ ثَلَاثِي مجروری ہو جسکے معنی زہ کے پاک ہونیکے ہیں اس لفظ کا استعمال بلا اضافے کے نہیں ہوتا ہو خواہ اضافت فاعل کجانب ہو یا مفعول کجانب ہو جیسے یہاں کانِ مخاطب کا یہ یا مفعول ہو کہ تیری تہ کی جاتی ہو یا تو منہ ہو تو فاعل کی جانب ہو اور احتمال یہ بھی ہو کہ سبحان علم ہو مصدرِ تسبیح کا ثلاثی فہرید کا باب ہو۔ غرض اس جگہ اعتراض کرنا ہی اس امر کا کہ کہنے جو کچھ امر خلافِ بین عرض کیا ہو وہ تفسیر ہوئی ہو اور ہمارا سوالِ اعتراض تھا بلکہ سوال تھا اُس امر سے جو میں نے عقلِ قاصر تھے وہ اسماء کی ظہور کی جامعیت میں کہ وہاں تک ہمارا ادراک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔

إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ۔ اس میں تاکید اس امر کی ہو کہ ہم قصور وار ہیں ہمارا علم اتنا نہیں ہو جتنا تجھ کو ہو حقیقہ علم تیرے لیے ہو صفت علم ذاتی مانند کی ہے پھر اُس کے بعد حکمت کا ذکر کیا ہے کہ تو ہی ذوالحکمت ہو تیرے افعال محلِ اعتراض نہیں ہو سکتے تیرے مصنوعات میں کسی قسم کے نقص کو راہ نہیں ہو بعض لوگ حکیم کو اس لحاظ سے صفت ذاتی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تیرے افعال حکم ہوتے ہیں تو یہ صفت فعل کے قائل ہیں یہاں پر ذکر کرنا مقصود صرف یہ ہے کہ جو سوالِ خلیفہ کے پیدا کرنیکی حکمت سے تھا وہ اسی غرض سے تھا کہ ہمارا علم تیرے علم تک نہیں پہنچ سکتا ہو اور تو حکمت سے آگاہ ہو حکمت کا ہونا ضروری ہو اس واسطے کہ جبل تیرا ہو گا تو حکیم ہو اور فعل حکیم خالی حکمت سے نہیں ہوتا ہو۔

آدم علیہ السلام کو ندا کر کے اللہ نے ارشاد فرمایا جیسا کہ دیگر انبیاء کے لیے بھی اس طرح کے خطاب کو

وَاذْكُرْنَا لِلْمَلِكَةِ اسْجُدْ لِاَدَمَ فَسَجَدَ اِلَّا ابْلِسَ ابْنِ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ
اور یاد رکھیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کے لیے سجدہ کو تمام ملائکہ سے حکم کیا تو ابلیس نے اس کی نافرمانی کی اور وہ نکر و عین سے تھا

بقیہ صفحہ ۸۷) پسند فرمایا ہو برخلات حضرت سید المرسلین خاتم الانبیاء کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ندا کی ہو تو القاب عظمیٰ کے ساتھ ندا کی ہو یا ایک لطف ہو جو دونوں محل میں حاصل ہوتا ہو اس میں تفصیل انبیاء کی شان کی نہیں ہو بلکہ عظمت شان حضرت محبوب رب العالمین کی ہو۔

اعلم ما تبدون سے مراد یا تو یہ ہو کہ جس شے کو تم ظاہر کرتے ہو قبل تمھارے ظاہر کرنے کے ہلکا سا علم ہے اور جس شے کو تم چھپاتے ہو اس کا علم بھی ہلکا ہے تمھارا چھپانا ہے پوشیدہ نہیں ہو بعض نے کہا ہو مراد اس جگہ ما تبدون سے عام ہو جو آسمان میں ظاہر کیا جاوے یا زمین میں اور پوشیدہ کرنے سے بھی مراد عام ہو جہاں کہیں پوشیدہ کیا جاوے بعض کہتے ہیں خاص مراد ہو بعض نے کہا ہو کہ مراد ما تبدون سے فرشتوں کا توں قبل لینا ہوا و ما تکتون سے مراد جو ان کے دل میں تھا کہ ہمیں بزرگ کوئی مخلوق نہیں اللہ نے پیدا کی ہو بعض کہتے ہیں ما تبدون سے فرشتوں کا قول کہ جو انھوں نے کہا اور جو وہ مثال کر کے سجدہ میں گر پڑے اور ما تکتون سے ارادہ ابلیس کا کہ وہ خلیفہ کی مخالفت کر گیا اور سجدہ نہ کر گیا۔ یا غیب السموات سے تو اسل شجرہ مراد ہو اور غیب الارض سے قتل قابیل کا ہو ہابیل کو کہ اس کے فرشتے تفصیل ہو

واقع تھے اور بعض لوگوں نے کہا ہو کہ ما تبدون سے مراد وہ ہو جسکو مقررین ظاہر کرتے ہیں یا غیب السموات سے مراد وہ ہو کہ جن اسما کا علم مقررین کو بھی نہیں اور ما تکتون سے مراد وہ ہو کہ جو صرف مقررین پر ہو یا اس سے اصفیا اور دیگر کمال بھی واقع نہیں اور وہ ظاہر بھی نہیں کرتے ہیں اسی طرح غیب الارض سے مراد وہ اسما ہیں جنکا ظہور عالم شہادت میں نہیں ہو۔

عظمت قصہ کا قصہ ہوا اس جگہ اللہ نے فرمایا کہ کہنے کہا اور اوپر فرمایا تمھارے پروردگار نے کہا تو اوپر آنحضرت کے فضل و کمال کا اظہار مقصود تھا کہ اصل خلافت شے کے لیے چونکہ آپ سزاوار ہیں آپ کے رب کی شان ہو کہ خلیفہ کی منادی کرے اس واسطے وہاں لفظ رب کا اختیار کیا گیا برخلات اس جگہ کے کہ یہاں تعظیم اپنی ظاہر کرنا ہو اور غنا و کبر بانی کا ایسا اشارہ کرنا ہو اور اپنے انعام و امتنان کا ذکر ہو ان امور کے لیے یہ لفظ قلنا زیادہ مناسب ہو۔

سجدہ بہ لحاظ لغت کے تدبیر انحناس و انحنا کو کہتے ہیں جسکے معنی جھکنے اور سرنگون کر نیچے ہیں اور شرعاً سجدہ پیشانی رکھنے کو زمین پر کہتے ہیں مقصود اول سے تحمیت و تعظیم ہو اور مقصود دوسرے سے

عبادت ہو چکے اس سجدہ کو شارع نے علامت تصدیق کہ ٹھہرایا ہو تو اسکو غیر اللہ کے لیے کرنا حرام و کفر ٹھہرایا ہے مگر سجدہ تحیہ جو محض انخفاض و انحناء ہوا اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہو بعض لوگوں کا خیال ہو کہ مراد اس سے سجدہ عبادت تھا اور آدم علیہ السلام قبلہ عبادت تھے اور لام کے معنی انہی کے ہیں یعنی حکم ہوا اللہ کا کہ تمام فرشتے آدم کی طرف اللہ کا سجدہ کریں اس پر یہ اعتراض ہوتا ہو کہ اس میں شیطان کو انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی اس واسطے کہ محض قبلہ ہونے سے کوئی شے افضل نہیں ہو جاتی ہو نہ اس سے فضیلت کا ثابت ہونا لازم آتا ہو کہہ کا سجدہ کرنے والے اُس سے افضل ہیں اسکا جواب یہ دیا گیا ہو کہ شاید یہ امر شیطان پر پوشیدہ و مشتبہ رہا ہو کہ اس سے خواجہ تعظیم و فضیلت مسجد کی نہیں لازم آتی ہو یا یہ کہ کہہ کی فضیلت سجدہ کی وجہ سے تمام ممکنہ میں تو لازم ہو اگرچہ ساجدین پر نہو اسی طرح سے سجدہ کرنے سے آدم کے طرف فضیلت انہی درمیان تمام خلایق کے ثابت ہو رہی تھی اس سے شیطان نے انکار و انخفاض کیا۔ بعض کا خیال ہو کہ یہ سجدہ عبادت تھا اور مقصود اس سے آدم ہی تھے قبل ہماری شریعت کے عبادت کا سجدہ بھی جائز تھا ہماری شریعت میں ممنوع ہو گیا اس پر بعض مفسرین نے اعتراض کیا کہ سجدہ عبادت کسی شریعت میں غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہو سکتا ہو اسوجہ سے کہ یہ شرک ہو مگر میرے نزدیک مقصود ان لوگوں کا جو اسکو سجدہ عبادت کہتے ہیں یہ نہیں ہو کہ یہ نیت عبادت وضع ابھہ کیا جاتا تھا بلکہ مقصود انکا یہ ہو کہ صرف وضع ابھہ کیا جاتا تھا اور نیت تعظیم کی ہوتی تھی یہ صورت ہماری شریعت میں ممنوع کر دی اس واسطے کہ جب نماز اللہ کے لیے کی گئی اور سجدہ بھی اُس کے لیے مخصوص ہو گیا تو یہ صورت عبادت کی بہ صلاح شرع ہوگی اور علامت تصدیق کی ہوئی اسی وجہ سے جب کسی کو نماز پڑھتے دیکھیں گے ایمان کا حکم دیا جاوے گا اس وضع شرعی کے باعث اب یہ صورت یعنی سجدہ صلاتی کی ہیئت مخصوص عبادت کے ساتھ ہو گئی غیر اللہ کے ساتھ کرنا علامت تکذیب ہو گئی چاہے یہ نیت عبادت ہو یا یہ نیت تعظیم اس اعتبار سے ممکن ہو کہ پہلی شریعتوں میں وضع ابھہ موضوع عبادت کے لیے نہ ہو اور حکم شرک کا اُس پر عالم نہ ہوتا ہو اس لیے جائز ہو ہماری شریعت میں منسوخ کر دیا گیا ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں سجدہ تحلیک تھا یعنی محض انحناء و انخفاض اسی پر قرآن شریف میں جا بجا لفظ سجدہ بولا گیا ہو چنانچہ قصہ حضرت یوسف میں بھی یہ ہی مراد ہو ممکن ہے کہ یہ معنی لوگوں کے عقل میں آتے ہوں میں خود تو اس جگہ نزاع کی کوئی علت نہیں سمجھتا ہوں اس واسطے کہ جبہ ملائکہ کا ثابت ہو تو وہ لازم نہیں کہ اس طرح کا ہو جیسا انسان کا ہو اور اُسکی وضع کو بھی اپنے اوپر قیاس نہ کرنا چاہیے حقیقت یہ ہو کہ اُنکے اجسام ہمارے اجسام کے ایسے نہیں ہیں اُن پر لازم معنی سجدہ کے صادق آئینگے جیسا کہ صفات الہیہ میں صدق الفاظ کا ہوتا ہو اسی وجہ سے کہا جاتا کہ مراد اس سے یہ ہو

کہ تمام ملائکہ سرنگون و منقاد ہو گئے جو اثر ہو سجدہ کا اور لازم ہی اُسکو اس فعل سے ملائکہ کے جواز پر سجدہ کی دلیل لانا ملائکہ کو آدمی بنانا ہو جو کسی طرح عقلمند کا کام نہیں ہی اس میں بھی شک نہیں ہو کہ سجدہ عبادت کی غرض سے آدم کا نہ تھا نہ اللہ نے اُسکا حکم دیا اس سجدہ کا مقصد تو محض اظہار عظمت اور اظہار استادی آدم علیہ السلام کی تھی اور اعتراض فرشتوں کو کرنا تھا وہ اعتراض سجدہ کے لفظ سے بولا گیا جو سجدہ کا اثر ہی یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ سجدہ مجازاً بولا گیا ہی ورنہ مطلب اُسکا مطیع ہونا ہی اس واسطے کہ یہ قرآن شریف کی عبارت کی تاویل ہو بلکہ مقصد یہ ہو کہ جسم نوری کے شایان شان جو سجدہ ہو سکتا ہو وہ فرشتوں سے ظاہر ہو اسی طرح یہ بھی خیال نہ کرنا چاہیے کہ آدم کی کوتاہی تھیں اُنکے تابع ہو گئیں یہ عالم ارواح کا انکار کرنا ہی اصل یہ ہو کہ وجود ملائکہ علاوہ انسان کی قوتوں کے ہی انسانی قوت اُن کا برتو اور نمونہ ہیں۔

فَسَجَدَ لِلْاٰلِہٖ اِلٰہِیْنَ ط۔ اے عجمی ہو نیکی کے باعث سے اور بعض لوگوں نے اسکو عربی کہا ہو اور ابلا اس جسکے معنی عباد کے ہیں اُس سے ماخوذ کیا ہو کہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا گیا اس نبی پر منع صرف اسکی مشکل ہو بعض لوگ کہتے ہیں چونکہ اسکے وزن کو مشابہت عجمی کلمات سے ہو اس واسطے اسکو حکم میں عجمی کے کر کے اسکو بھی غیر منصرف کر دیا گیا مگر یہ کوئی قاعدہ نہیں ہو اسکا غیر منصرف ہونا دلیل واضح ہو کہ یہ زبان عربی کا لفظ نہیں ہو۔ اسکی حقیقت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہو بعض نے کہا ہو کہ یہ جن تھا کثرت عبادت کی وجہ سے دعا ملائکہ سے آسمانوں پر بلایا گیا اور ملائکہ کے زمرہ میں داخل کر لیا گیا اسی وجہ سے قرآن شریف میں ہو کہ ان میں الحین اور یہ بھی دلیل اسی قول کی ہوتی ہو کہ اُن سے استکبار کیا اور یہ شان ملائکہ کی نہیں ہو اُرفل پر یہ خدشہ ہوتا ہو کہ پھر استثناء کیونکر صحیح ہو گا بعض نے کہا ہو کہ استثناء منقطع ہو حسین ضروری ہی نہیں ہو کہ یہ ملائکہ میں داخل ہو بعض نے کہا ہے کہ دعا ملائکہ سے آسمانوں پر چڑھایا گیا تھا اور انھیں کے زمرہ میں داخل کر لیا گیا تھا اس واسطے اُسکو حکماً ملائکہ ہی کی فرد میں شمار کر کے حکم استثناء متصل کا دیا گیا یہ بات قرینہ کی ہی اصل یہ ہو کہ امتیاز خیر و شر کا بدون حضرت آدم کے ہونا بھی ممکن نہ تھا جیسا کہ انبیاء کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہو کہ کان الناس امۃ واحدة فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین لوگ ایک ہی گروہ تھے مخلوط تھے صلح طالع سے ممتاز نہ تھا کہ اللہ نے انبیاء بھیجے جنھوں نے خوشخبری دی اور ڈور سنایا اسوجہ سے کچھ قبول کر کے مقبول ہوئے کچھ رد کر کے مردود ہوئے اسی طرح قبل انکا ر سجدہ کے اے ملائکہ کہتے ہو کوئی امتیاز نہ تھا بعض ملائکہ بھی آگ سے پیدا ہوتے ہیں اسکا شر ہو ہونا مارج من نار سے ہونا

حضرت آدم کی ذات سے ہوا اس سے قبل وہ ملائکہ میں شمار کیا جاتا تھا اور اسی وجہ سے اُس سے استثناء متصل کیا گیا جس طرح وہ نؤمن جو العیاذ باللہ آخرین مرتبہ ہو جاوے تو جب تک رتد اُس سے ظاہر نہ ہو وہ انسان کامل کے زمرہ میں ہو اُس کے بعد اولیٰک کا لانعام ملے گا اصل میں داخل ہو گیا پہلے استثناء میں داخل ہو سکتا ہی پھر استثناء میں نہیں داخل ہو سکتا ہو اسی طرح ہمیں بھی تھا۔ اگر آدم علیہ السلام پیدا نہ ہوتے تو وہ ملائکہ ہی کے زمرہ میں رہتا اور کوئی امتیاز اُس کو نہ ہوتا واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ جن تھا اور جن بھی مامور ہو جوتھے اسوجہ سے اُس سے استثناء کیا گیا انکا ذکر نہ لانا وجہ اس کے ہو کہ وہ تابعیت میں ملائکہ کے مامور تھے مگر اسپر کوئی دلیل نہیں ہے بعض کہتے ہیں خاص وہی جنون میں سے مامور تھا اسواسطے کہ قدم تک کا لفظ آیا ہی جمہور صحابہ اور تابعین کی رائے ہو کہ وہ ملائکہ سے تھا مگر مخ کر دیا گیا تھا کان من الجن بلحاظ اُس کے حال کار کے فرمایا گیا یا قوم جان جو خزنہ جنت اور کاریگر زیورات جنت کے ہیں انہیں سے تھا بعض کہتے ہیں کہ ایک خاص صنف فرشتوں کی جن پر جس طرح جن ہمارے سامنے مرنی اور شاہد نہیں اسی طرح یہ صنف فرشتوں کی دیگر فرشتوں کے روبرو مشاہد نہیں ہوتی ہو انہیں سے یہ تھا اسوجہ سے کان من الجن کہنا بھی صحیح ہو اور استثناء بھی صحیح ہو اسکا نارسے ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہو کہ وہ ملائکہ سے نہیں اسواسطے کہ حدیث شریف میں آیا ہو کہ بعض ملائکہ نور سے بنے ہیں بعض نار سے بعض رفسے بعض نارونج دونوں سے یہ بھی مروی ہوا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لیے ایک نہر تحت العرش ہو اسمین غسل کرتے ہیں اور اُس سے فرغت کر کے نکلتے ہیں اور برون کو اپنے جھاڑتے ہیں تو ہر قطرہ سے ایک ملک پیدا ہوتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہو کہ بعض ملائکہ کی حقیقت اور بعض جنون کے حقائق متحد ہوتے ہیں انہیں سے یہ شیطان تھا مگر صحیح وہی ہو کہ جو ہم نے اوپر ذکر کیا اصل یہ ہو کہ فرشتہ مظاہر جمال ہیں اور شیطان منظر جلال ہو جس طرح کفار مظاہر جلال ہیں اور ایماندار مظاہر جمال ہیں ان کا امتیاز فارق اور فرقان سے ہو سکتا ہے وہ حجۃ اللہ ذوات انبیاء میں علیہم السلام۔

آبی معنی انکار کیا اُس نے مخالفت ہو گیا یا اُس نے شناخت نہیں کی اُن کے مرتبہ سے غافل ہو گیا اور استکبر خواہ خواہ کی بڑائی جسکا وہ مستحق نہ تھا اُس نے اپنے میں دیکھی ظاہر ہو کہ جو اسماء اکہیہ اُسکی ذات میں تھے اُنکا تقاضا تھا کہ وہ کسی دوسرے اسماء کے ظہور کی تاب لائیں بالخصوص جبہ و نوین تضاد ہو گا ن من الکفرین یعنی اللہ کے علم میں پہلے ہی سے اُس کے تقاضاے فطرت موجود تھا کہ وہ انکار کر گیا یا مراد اُس سے یہ ہو کہ زمین کے اُن گروہ سے تھا جنہوں نے کفر کیا جو جن تھے یا کان کے معنی

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا
اور کہا ہنئے اے آدم قیام کر دو تم اور تمھاری بیوی جنت میں چین سے

حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ

جہاں چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ ہونا تاکہ ظلم کرنے والوں میں سے تم دونوں نہ ہو جاؤ

بقیہ صفحہ (۹۱) صار کے ہیں کہ وہ آل کار میں کافروں میں سے ہو گیا کیا وہ کافر تھا نہیں مگر فعل کفار کا کر کے کافروں میں ہو گیا اُس نے تعیل امر آئی نہیں کی لیکن اس سے کفر نہیں لازم آتا ہی بلکہ اُس نے تنبیہ امر کی کی اس وجہ سے کافر ہو گیا ظاہر کفر اُس کا کفر ہل تھا بعض کہتے ہیں کہ کفر عناد تھا اس سے اشعر یہ اور اُس کے موافق لوگ جواز استثناء انا مٹو من انشاء اللہ کہنے کی حلت نکالتے ہیں کہ اعتبار خاتمہ کا ہو مگر ظاہر ہو کہ موجب شک ہو جسکو تصدیق بالفعل قبول نہیں کرتی ہو یہ امر باقی رہ گیا کہ آیا یہ امر تعلیق تھا کہ جب ہم پیدا کریں گے جیسا کہ فرمایا ہو اتنی خالق بشر من صلصال من حماء مسنون فاذا اسوینہ و نفخت فیہ من روحی فقو اللہ ساجدین مگر جب آدم پیدا ہو گئے تو یہ ہی امر تعلیق کا تجر ہو گیا یا ابتدا سے تجر ہی تھا اس میں دو قول ہیں مگر قابل قبول قول اول ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الاحال۔ اس قول کا عطف اوپر یا تو اذ قلنا پر ہو اور اذ ہیان سے محذوف ہو یا بلا تقدیر اذ ہو یا قلنا پر عطف ہو اس قول کے اور قول سابق کے درمیان فصل ہو اس وجہ سے حرف ندا لایا گیا تاکہ مخاطب متوجہ ہو جاوے یا اسوجہ سے حرف ندا لایا گیا ہو کہ مامور بہ کی اہمیت ہو اس جانب اشارہ ہو کہ وہ ایسی شے ہو جو توجہ کرنے کے قابل ہو۔

اُسْکُنْ امر سکنی سے ہو سکون سے نہیں ہو جسکے معنی رکنے کے نہیں ہیں بلکہ گھر بنانے کے ہیں اور اَنْتَ تاکید کے لیے ہو اور تاکہ عطف و زوجک کا ہو سکے یہ امر یا تو اباحت کے لیے ہو جیسے صطا دوا ہو یا وجوب کے لیے ہو بظاہر سکنی اختیار کرنا یہ امر تکلیفی نہیں ہو بلکہ امر طبعی ہو۔

مرا د زوجہ سے خواہن یہ جس طرح آدم کی تخلیق ہوئی اسی طرح مخلوق کی لیکن خواہ آدم علیہ السلام کے جسد سے انکی تخلیق ہوئی یہ کُل ممکن ہو بعض کہتے ہیں کہ انکا نام خواہ اسی وجہ سے رکھا گیا کہ زندہ سے پیدا کی گئیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خواہ جنت میں پیدا ہوئیں مگر ظاہر آیت اسکے خلاف ہے اس واسطے کہ دخول جنت پر انکو سکنی بنانے کا حکم دیا گیا ہو اور اس میں آدم و خواہ دونوں مساوی ہیں حدیث ابن عباس کی بھی اسی پر دلالت کرتی ہو اس واسطے کہ اس میں ہو کہ آدم و خواہ کو فرشتوں نے نور کے تحت پر اٹھا کے بادشاہوں کے مانند جنت میں پہنچایا۔

جنت سے مراد کیا ہو بعض لوگوں کی رائے ہو جنت متعین نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ دلائل متعین کے مخدوش ہیں اور باوجود ان دلائل کے مخدوش ہونے کے اختلاف بھی ہو۔ مترادف کہتے ہیں کہ زمین جنت تھی اشاعرہ کہتے ہیں کہ دار ثواب ہی مراد ہو اس لیے تعین کرنا نہ چاہیے۔

مگر جہور اہل اسلام کے نزدیک یہ جنت متعین ہو اشاعرہ کہتے ہیں کہ دار ثواب ہو جہان کمین ہو ثواب یہ ہو کہ آسمانوں پر ہو بعض کہتے ہیں ہر سامان پر تو یہ جنت تھی جسمیں آدم کا قصہ ہوا مگر وہ جنت دار ثواب نہیں ہو بلکہ دار الخلد ایک جنت محض آدم علیہ السلام کے لیے تیار کی گئی تھی۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ نہ تو دار ثواب ہو نہ دار الخلد بلکہ جنت البرزخ ہو اس کا فعل محل خط استوا کے تحت میں ہو اور وہ اس کو کشف سے دیکھتے ہیں بلکہ اکثر نے اپنی سیر کی تفصیل ذکر کی ہو۔ اِنے اتر کے مترادف ہیں کہتے ہیں کہ جنت زمین پر تھی یا تو عدن کے مقام پر تھی یا فلسطین میں یا فارس و کرمان کے درمیان تھی۔

ہمارے نزدیک یہ جنت مثال اسی جنت کے ہو جو عالم ارواح میں ہو لہذا یہ جنت نہ تو جنت اعمال ہو نہ جنت القرب ہو بلکہ یہ جنت اسی روحانی جنت کے مثال اعلیٰ اور برزخ ہو اس کو خواہ عالم برزخ کی جنت کہو یا ارواح کی اس واسطے کہ یہی جنت عالم ارواح میں دارالقرار ہو جاوگی اور جنت اعمال ہو جاوگی ظاہر ہو کہ آدم علیہ السلام اس وقت تک زمین پر نہیں تشریف لائے تھے نہ اس کا جسم اگرچہ خاک کی تھان زمین کے اعراف سے حکیف ہوئے یا یا تھا قرب اتنی سے منزل ہو چکا تھا اس واسطے جنت القرب میں جانا مناسب نہ تھا مقصود اس وقت منزل تھا قرب اس کے منافی تھا تکلیف آدم علیہ السلام کو تھی نہیں اس واسطے آدم علیہ السلام کے اعمال کا عوض جنت نہیں ہو سکتی تھی لہذا نہ جنت الاعمال تھی نہ جنت القرب تھی بلکہ ایک حالت عالم مثال کی تھی اسی وجہ سے اُس میں آدم علیہ السلام سے خطاب بھی ہوئی اولاد بھی ہوئی جیسا کہ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہو و سو سہ بھی آدم کو دیا گیا شیطان بھی داخل ہو سکا اس واسطے کہ جملہ امور جنت القرب و جنت الاعمال میں ناممکن ہیں البتہ اس جنت کے وجود مثال میں ممکن ہو یہ جنت جسمیں آدم علیہ السلام تھے بارہا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت میں آئی اور آپ نے ملاحظہ فرمایا یہاں تک کہ سجد کی بو کے نزدیک اس کا مشاہدہ فرمایا اس کی کیفیت مثالی یا روحانی تھی نہ کہ جسمانی خاص بہر حال جنت روحانی میں حضرت آدم رہے اور وہاں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا بارہا ہم ادھر ذکر کرتے ہیں اور یہاں بھی ذکر کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد روحانی اشعار کے ہونے سے یہ نہیں ہو کہ وہ وجود نہیں رکھتے ہیں بلکہ وجود اس کا اقویٰ ہمارے وجود سے ہو اس واسطے کہ جس قدر وجود سے قرب ہوتی جاتی ہو اس قدر شے نورانی و روحانی ہوتی جاتی ہو اور جس قدر بُد ہوتا جاتا ہو اسی قدر ظلمانی اورادی شے ہوتی جاتی ہو یہاں تک کہ ہم

بالکل تیرہ و تار ہو تو ہم جس شو کو کہتے ہیں کہ اُسکا وجود روحانی ہو تو اُسکے موجود ہونے کو زائد ترقوت کے ساتھ سمجھتے ہیں اور جسکو جہانی کہتے ہیں اُسمین البتہ وجود کا ضعف ہوتا ہے اعلیٰ ترین موجود آگہ حق ہے پھر عالم روحانی ہے کہ جہان ہر شے نور و مادیات سے پاک ہے پھر عالم مثال ہے کہ جہان روحانی جسم مجرد حاصل کرتے ہیں اور ظلمانی جسم لطیف اختیار کرتے ہیں جو اشیا اس عالم ظلمانی و مادی میں جو اہر ہیں یعنی قائم بالذات ہیں وہ تو اُس عالم میں قائم بالذات ہی ہیں جو اس عالم میں اعراض ہیں کہ جو اپنے وجود میں محتاج اپنے محل کے ہیں تو وہ بھی اُس عالم میں موجود بالذات ہیں اسی وجہ سے یہاں بیماری اعراض سے ہے مگر عالم مثال میں وہی بیماری قائم بالذات ہے یہاں اوصاف مذموم و مہرج اعراض سے ہیں وہاں اُنکے اشکال ہیں اور اُنکے لیے جسم مثالی ہے اسی طرح روحانی افراد و اشخاص ہیں کہ اُنکے اجسام اپنے عالم میں بلا کیف و بلا شکل ہیں مگر عالم مثال سے وہ اپنے مناسب حال اشکال حاصل کرتے ہیں اور عالم جہانی میں اگر تنزل کرتے ہیں تو اپنے مناسب جو ہر با عرض جسم کو اختیار کرتے ہیں۔

آدم علیہ السلام کو جب اللہ نے اپنی روح عطا فرمائی زندہ کیا تو وہ روحانی تھے پھر اُنکو جنت المثال میں داخل کیا گیا اُن کے لئے احسام مثالی عطا ہوئے وہاں کی حالت ہمارے یہاں کی نوم کی حالت سے بہت مشابہ ہے پھر اُسی جنت سے نکالے گئے تو خوار اُس خواب کا بخوبی اُنکو رہا دنیا کے مکروہات میں گرفتار ہو گئے اس لحاظ سے یہ کو یہ جنت نہ تو جنت الاعمال معلوم ہوتی ہے نہ جنت القرب نہ جنت الدنیا نہ بالکل جنت مثال لاحق بلکہ یہ مثال سابق ہے جو علم باری کا ہے تو یہی اسمین تمام حقائق جنات کے ہیں اور یہ جنت کسی خاص جنت کے اعراض میں منحصر نہیں ہے واللہ اعلم۔

وَكَلَامُهُمْ اَرْغُلًا حَيْثُ شِئْتُمْ۔ اور تم دونوں آدم و حوا اُس جنت سے جہان چاہو خوشی سے کھاؤ یا جہان چاہو کھاتے پھرو۔

رغد کے معنی خوشی کہ جہین کسی قسم کا تعب نہ ہو یا داس و کشادہ خوشی کہا جاتا ہے رغد عیش القوم یعنی اُن لوگوں کو بہت کچھ رزق مل گیا اور خوشحالی ہو تو بھی کہا جاتا ہے رغد القوم اسی طرح کہتے ہیں و صاردانی رغد من العیش مقصود بالکلیہ اباحتہ ہے کہ جہاں چاہو کھاؤ اور چاہو کھاؤ۔

وَلَا تَقْرَبَا ظَاهِرَیْہِ نِیْیَیْہِیْ تَحْرِیْہِیْ ہُو اور اکل شجرہ کی ممانعت ہے اور یہ مبالغہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے کہ قریب تک نہ جاؤ کھانا تو دوسری بات ہے۔

ہٰذِہ الشَّجَرَةُ۔ تارا اسمین وحدت کی ہے مراد اس سے خاص درخت ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ گہیون کا درخت تھا بعض کہتے ہیں کھجور کا درخت تھا بعض انجیر بعض کا فور کے درخت کو کہتے ہیں بعض بنی بعض خنظل کے درخت کو کہتے ہیں۔

فَازِلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا
بِمَرَدُّكُمْ دِيَارِنَا دُونَ كُوَيْشَانَ سَبَبِ اُس درخت کے تبرکلو ادا اُن دونوں کو جس میں رہتے تھے اور کہا ہم نے اُن کو
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ اِلَىٰ حِينٍ ۝
حالانکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے زمین میں ایک مدت تک ٹھکانا اور سامان ہے

بقیہ صفحہ ۹۴ بعض کہتے ہیں علم کا درخت تھا بعض کہتے ہیں محبت کا درخت تھا بعض کہتے ہیں طبیعت
اور خواہش کا درخت تھا۔ کوئی ہوا ایک درخت تھا جس کے تناوُل کرنے کی ممانعت ہوئی اِن اختلافات کا
بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنت دنیا میں تھی ورنہ درخت علم اور محبت کا کیسے ہوتا تو یہ تو اعراض سے
عالم مثال کے ہے کہ وہاں اعراض بھی جو اہر کے طور پر قائم بالذات ہیں اور اسی طرح یہ جنت ملا اعلیٰ عالم ارواح
کی بھی ہوا سو اسے کہ وہاں درخت کیسوں بلکہ درخت علم کیسا وہ تو مجردات سے ہے وہاں نور ہی نور ہے
شیطان کا جانا دھوکا دینا آدم وغیرہ کا کھانا یہ سب اُسی عالم مثال کی حالت ہے۔

فَتَكُونُ اَمِنْ الظَّالِمِيْنَ ۔ اس درخت کھانے کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ تم حد سے تجاوز کر نہ لو اِن اشخاص
سے ہو جاؤ یا ظلم کرنے والے اپنے نفسوں پر بوجہ عصیان کے ہو جاؤ یا اپنی اس خطا کے باعث اپنی رحمت
و آرام کو کھو بیٹھو اور عفت کا وبال اپنے اوپر لینے کے باعث ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ لیکن ظاہر
معلوم ہوتا ہے کہ غم سے اور بلا نسیان کے اگر اس حکم کے خلاف تہی سزا دہوگا تو بلا شبہ تم گنہگار و نہیں ہو جاؤ گے
اور عصمت نبوت کے منافی ہوگا مگر حضرت آدم سے خلاف جو سرزد ہوا وہ فحشی و لم یجد لہ عزمًا
کا مصداق تھا کہ وہ نسیان سے خطا کر گئے اسکے خلاف ثابت نہیں ہو سکتا ہے سو وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ
کہ حضرت آدم سے گناہ نہیں ہوا مگر یہ امر اگرچہ نسیان ہی سے ہو گیا تھا نزدیکیان را بیش بود حیراتی
حضرت آدم کے گرفت ہوئی مگر زمین پر آنا یہ سزا نہیں ہے بلکہ یہ ثمرہ اُس درخت کے پھل کھانے کا
ہے چاہے معصیت ہو یا نہ ہو اس بیان سے ہمارے معلوم ہو گیا کہ یہ کہنا کہ قبل نبوت کے یہ گناہ
تھا اور وہ منافی عصمت کے نہیں ہے بلا ضرورت ہے واللہ اعلم

آدم علیہ السلام جنت میں رہتے تھے انعام و افضال اتنی شامل حال تھا مگر اُن سے خطا ہو گئی
جیسا کہ اوپر لکھا ہے چونکہ خطا خواہ شیطان سے ہوئی تھی سو اسے اُس کی طرف دگمگانا منسوب
کیا گیا ہے اور اسی طرح نکالنا۔

اَزَّكَیَّ کے معنی یا تو لغزش کر دینے کے ہیں سو اسے کہ عربی میں اُسکی تفسیر چلھا علی الزلۃ بسببہا
سے کی جاتی ہے یعنی برا گنجینہ کیا اُن دونوں کو شیطان نے لغزش پر بہ سبب اُس کے تو یہاں برعن

لفظ بار کے معنی میں ہو جیسا کہ قرآن شریف میں ایک دوسری جگہ بھی اسی معنی میں آیا ہو وَمَا كَانَتْ لِسْتِغْفَارًا
 اِبْرٰهٖمَ وَلَا بِيَهٗ اِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ اُسکے معنی یہ ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو استغفار اپنے
 باپ کے لیے کیا تھا وہ بسبب اُسکے تھا کہ اُنھوں نے اُس سے استغفار کر لئے کا وعدہ کر لیا تھا تو اس جگہ
 عن کے معنی بسبب کے ہیں اور ضمیر عنہا میں ہاؤ کی شجرہ کی طرف پھرتی ہو۔ یا ازال کے معنی اذہب کے ہیں اور
 عنہا کی ضمیر جنبت کی طرف پھرتی ہو معنی اُسکے یہ ہیں کہ اُن دونوں کو جنت سے شیطان نے دور ہجکا دیا۔
 ازال و ازال کے ایک ہی معنی ہیں اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اذہب کے معنی کو مقدم کیا ہو کیونکہ ازال بھی
 قزات ہو تو یہ قزات اِس معنی کی تقویت کرتی ہو مگر ازال اور ازال میں باعتبار اِس معنی کے کھوڑا فرق ہو اور وہ
 یہ ہو کہ ازال چاہتا ہو بہ عزت زوال کو برخلاف ازال کے کہ وہ محض زوال کو چاہتا ہو۔ بعض لوگ ضمیر
 عنہا کی طاعت کی طرف پھرتے ہیں جو کلام سابق سے مفہوم ہوتی ہو اور اسی طرح شجرہ کی طرف پھیر کے محل شجرہ
 جنت کو مراد لیتے ہیں تو یہ دونوں احتمال بعید ہیں۔

اور شیطان شطن سے ماخوذ ہو جسکے معنی بُد کے ہیں چونکہ یہ منظر صفات جلالیہ کا ہو اس واسطے اسکا نام
 شیطان ہو گیا کہ وہ رحمت سے دور ہو گیا ہو اور اسی وجہ سے اُسکو علیہ اللعنة کہتے ہیں جس طرح کسی منظر
 جمال کو علیہ اللعنة کہنا ناروا اور گستاخی ہو اسی طرح اُسکو علیہ الرحمۃ کہنا سب سے ہوا اُسکے لیے القاب اُسکے ترجمین میں ہیں
 شیطان نے آدم علیہ السلام کے رو برو جھوٹ کہا اور خدا کی قسم اُس جھوٹ پر کھائی جسکا نتیجہ
 یہ ہوا کہ آدم علیہ السلام نے شجرہ ممنوعہ کا پھل کھا لیا اس امر میں اختلاف ہو کہ ازال اسکا جنت تک
 کیونکر پہنچا اوپر گزر چکا ہو کہ جنت یا تو دنیا میں تھی اور کسی مقام پر زمین کے تھی تو اُس کے لحاظ سے
 جنت میں اُسکو داخل ہونا آسان تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ جنت کے پہرے والوں کو دھوکا
 دیکے اندر داخل ہو گیا بعض کہتے ہیں کہ سانپ اور مور کو دھوکا دیا اور سانپ کے منہ میں بیٹھ کے اندر
 داخل ہو گیا بعض کہتے ہیں خود مور بن کے جنت کی دیوار پر بیٹھ گیا آدم و حوا اُدھر سے سیر کرتے ہوئے
 گذرے تو اُسکے قریب جب پہنچے تو اُسے دھوکا دیا یہ سب امور جنت دنیاوی ہونے کی صورت میں
 بلا تکلف ممکن ہیں اور جو لوگ جنت دار الثواب کہتے ہیں تو وہ بھی ان امور کو ممکن بتاتے ہیں اُسکے ساتھ
 یہ بھی بعض لوگوں نے کہا ہو کہ اسی طرح سوائے اغوا حضرت آدم اور حضرت حوا کو کیا ہو جس طرح وہ دنیا
 میں تمام لوگوں کو کرتا ہو اور حدیث شریف میں آیا ہو ان الشیطان یجری لابن آدم و عجلہ لدم شیطان
 ابن آدم کے جسم میں اُسی طرح پھرتا ہو جس طرح خون پھرتا ہو مگر محققین کے نزدیک یہ حدیث اس پر
 محمول ہو کہ مقصود اس سے انقیاد اور اتباع ہو کہ آدم کی اولاد شیطان کے مطیع و منقاد ہوتی جاتی ہو۔

آخر حُجَّہا کی ضمیر مفعول حضرت آدم و حضرت حوا کی طرف راجع ہو اور ضمیر فاعل شیطان کی طرف راجع ہو
کیونکہ شیطان کے درغلانے کے باعث حضرت آدم و حضرت حوا نکالے گئے۔

اور قیام کا تَافِیُّہ سے یا مردودہ حالت خوشگوار ہو جس میں آدم و حوا تھے کمالِ نظم و فکر و مراحت آرام سے یا مرد
اُس سے لباس نکال دیا کہ اُن سے لباس فوراً چھین لیا گیا اور اُنکو اُنکا ستر دکھائی دینے لگا یا مرد اُس سے
جنت ہو تو جو احتمال و پرگند چکا ہو وہی یہاں بھی ہو جنت سے جنت دنیاوی یا جنت دارالْثَّوَاب مراد ہو
یا جو اوپر گزر چکا ہو کہ جنت برزخی مراد ہو اُس سے اخراج اس دنیا میں زندہ ہونا ہو جس طرح سونے و انسان
بیداری کی حالت میں آتا ہو اسی طرح اُس جنت سے عالم دنیا میں آگیا اسکا مقصد یہ نہیں ہو کہ جنت
محض خیالاتِ رویہ ہیں اور اُن سے نجات یہ بیداری ہو بلکہ مقصود یہ ہو کہ عالم روحانی سے اُتر کے حضرت
آدم عالم مثال اور برزخ کبریٰ میں آئے اور اُسکی جو جنت تھی اُس میں قیام کیا وہی قیام اُنکا وجود برزخی
تھا وہاں سب واقعات گزرے جس طرح واقعی خواب کی حالت ہوتی ہو اُس کے بعد اُن سے حقائق
ہو گئی جس قدر امور اوپر گزرے یہ سب خواب کے طور پر عالم مثال میں ہونا ممکن بلکہ واقع ہیں جیسا کہ
مشاہدہ ہوتا ہو خصوصاً خواب میں اگر صحیح حالت طاری ہوئی تو اثر بھی اُسکا عالم بیداری میں ظاہر
ہوتا ہو یہاں تک کہ مزہ شیرینی کا موجود ہوتا ہو اثر غصہ کا جسم پر محسوس ہوتا ہو اس سے زیادہ عالم مثال
کی وہ حالت ہو جبکہ وجود اصلی وہاں ہو اسی وجہ سے گیہون یا جو درخت ہو جسکے کھانے سے حضرت آدم
علیہ السلام تکلیف میں پڑے اپنا اثر عالم دنیا میں بھی دیتا رہا یہاں تک کہ آدم علیہ السلام اس عالم میں
بھی مدت تک مفعول رہے اگرچہ کوئی گناہ نہ تھا۔

اَهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا ۖ ہبوط کے معنی اوپر سے اُترنے کے ہیں شہر میں داخل ہونے اور
شہر سے نکلنے کے بھی ہیں اسی وجہ سے اسناد اندر اسے شمار کیا جاتا ہو اور ہبوط اخطاط و درجہ اور مرتبہ سے
گزرنے کے بھی ہیں اور یہ سب یہاں ہو سکتے ہیں خصوصاً جبکہ جنت عالم مثال کی فرض کی جاوے اور
ہبوط کے معنی اخطاط و درجہ کے لیے جاوے تو مقصود بالکل واضح ہو جاتا ہو اس واسطے کہ عالم تجرد سے عالم
مثال میں آنا یہ ایک درجہ کا اخطاط ہو پھر عالم مثال سے عالم اجسام میں آنا یہ بھی دوسرے درجہ کا اخطاط ہو
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا ۖ ماخوذ عداوت سے ہو جسکے معنی یا تو تجا و زحہ سے کرنے کے ہیں یا ظلم کرنے
کے ہیں یا تبعاعد کے ہیں اور خطاب یا تو حضرت آدم علیہ السلام اور حوا سے ہو اور جمع بلحاظ اُنکی اولاد
کے ہو یا اولاد بھی مخاطب ہو یا ابلیس اور مور اور سانپ بھی شامل ہیں اور مرد عداوت سے عداوت
طبیعی ہو اور اگر کفار اور شیطان بھی خطاب میں شامل ہو جاوے تو یہ عداوت شرعی بھی ہو سکتی ہو

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

تب آدم (علیہ السلام) کے پاس آنکے پروردگار کی جانب سے چند کلمات بھیجے گئے پھر اُس نے اُن کی توبہ قبول کی قطعاً وہی اللہ بڑا تو بہ
 (بصیرۃ ۹) بلکہ پہلی صورت میں یہ امر کو نبی ہوا اور دوسری صورت میں امر تشریف بھی ہو سکتا ہے اس واسطے کہ
 شیطان سے اور کفار سے عداوت شرعی بھی ہو سکتی ہے اس جگہ یہ اعتراض دفع ہو گیا جو کہا جاتا ہے کہ
 سائب اور مور وغیرہ بلکہ غیر موجود اولاد آدم بھی غیر مکلف ہونے کی وجہ سے خطاب کے سزاوار نہیں واللہ اعلم۔
 وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ مراد ارض سے محل سبوتا آدم علیہ السلام کا ہو یا تمام
 زمین ہو مستقر سے قیام کی جگہ مراد ہے اور متاع سے آسائش کا سامان مراد ہے اور الیٰ حین سے مراد
 یا تو وقت موت کا ہو اس واسطے کہ ہر شخص کا ٹھکانا اور سامان اس وقت تک ہوتا ہے یا مراد اُس کے قیام
 ہے اس واسطے کہ بعد مرنے کے بھی زمین ہی میں بسر کرنا پڑے گی۔

حضرت آدم و حضرت حوا دونوں کی ندامت قبول ہوئی مگر نام صرف حضرت آدم کا لیا گیا اس واسطے کہ
 وہ تابع تھیں حضرت آدم علیہ السلام کے یا یہ کہ اُن کو اس قدر حیرانی نہ تھی جتنی حضرت آدم کو نزدیکان را
 بیش بود حیرانی یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نصوص شرعیہ میں اکثر ذکر کا ذکر آتا ہے اور مراد اُس سے دونوں
 صنف ہوتے ہیں۔ تلقی کے اصل معنی تو ملاقات کرنا ہے اور دوستوں کا ایک دوسرے کے استقبال کے
 لیے آنا ہے مگر اس جگہ کسی ہدیہ کے بھیجنے کے لیے مستعار لیا گیا ہے اور وہ ہدیہ توفیق ہے اللہ کی طرف سے یا اسباب
 ہتیا کرنا ہے یا حاصل الفاظ ہیں بعض کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں آیا ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا
 وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ کی آیت ہے یہ اللہ نے القافر مائی بعض کہتے ہیں یہ پہلے القا ہوئی اُس کے بعد
 اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا وسیلہ حضرت آدم نے گردانا بعض کہتے ہیں تلقی آدم من سربہ
 کلمات سے مراد یہ ہے کہ اے اللہ کیا تو نے مجھے پیدا نہیں کیا اور اُس کے قبل یہ کچھ نہیں دیا کہ میں یہ خطا
 کرونگا ارشاد ہوا کہ ہاں ایسا ہی ہوا ہے تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ جس طرح تو نے پہلے سے
 کھدیا تھا وہی ہوا ہے اسی طرح میرے قصور کو بھی معاف کر دے اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے
 فرمایا اے اللہ مجھے اُس میرے ولد کا واسطہ جسکو تو نے اپنے نور سے پیدا کیا اور تو نے اُس کے نام کو اپنے
 نام کے ساتھ ملا کے لکھا ہے بعض نے کہا ہے کہ لا الہ الا انت سبحانک و بھدک انی ظلمت نفسی
 و علمت سوء فاغفر لی انک انت الغفور الرحیم لا الہ الا انت سبحانک و بھدک انی
 ظلمت نفسی و علمت سوء فارحمنی انک انت ارحم الراحمین ہے بہر حال کچھ کلمات القا
 ہوئے جسکو آدم علیہ السلام نے عرض کیا حقیقت دعا کی بھی توفیق اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اجاب بھی

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ
 فَرَمَا يَمْ لَمْ يَكُنْ تَرْوَم سب
 ہر اگر تمہارے پاس آئے میری طرف سے ہدایت تو جس نے میری
 هُدًى فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
 ہدایت کی پیروی کی تو ان کے اوپر نہ تو خوف ہو اور نہ وہ رنج کرنے والے ہوں گے

بقیہ صفحہ ۹۸) اُسی کی طرف سے ہوتی ہے اسی وجہ سے مولانا روم فرماتے ہیں یہی دعا از تو اجابت ہم تر تو
 قَتَابَ عَلَيْهِ توبہ اگر اللہ کی طرف منسوب ہو تو اُس کے معنی توجہ کرنے کے ہیں قبول توبہ کے ساتھ
 معذرت بندہ کی قبول کرتا ہے اس صورت میں صلہ حزن علی سے آتا ہے اور اگر منسوب بندہ کی طرف ہو تو
 مراد اُس سے بندہ کی توجہ ہے اپنے مالک کی طرف ندامت کے باعث اور امید گناہ کے بخشنے کی ہے اس صورت
 میں الی سے اُس کا صلہ آتا ہے اس جگہ قتاب علیہ ہے اس سے فاعل یہاں خدا ہی مراد ہے اللہ متوجہ ہوا آدم
 کے اوپر قبول توبہ کرنے سے کیونکہ توبہ کے معنی متوجہ ہونیکے ہیں تو یہاں ایک فعل مذکور نہیں ہے یعنی آدم
 علیہ السلام کو جب انقاہ کلمات ہوا تو آدم علیہ السلام نے توبہ کی اُس کو اللہ نے قبول کیا حدیث شریف میں
 آیا ہے اللہم التوبۃ ندم توبہ ہے مگر علمائے کہا ہے کہ توبہ کے تین رکن ہیں ایک اس امر کا علم کہ مصیبت
 ضرر کر نیوالی ہے پھر اُس مصیبت کو ترک کرنا پھر عزم کہ آئندہ اس کے مرتکب نہ ہوں گے اور مراد ندم سے دل کا دکھنا
 اور اس امر کا صدمہ ہونا ہے کہ یہ گناہ کیوں ہو گیا ندم کی حالت میں توبہ ہوتی ہے مگر ندم بدو علم بالضرر
 نہیں ہوتا ہے اور ندم کا ثمرہ آئندہ کا ترک ہے اسی وجہ سے حدیث شریف میں ندم ہی کو توبہ ارشاد فرمایا ہے
 اللہ جل شانہ نے توبہ قبول کی تو وہ اپنی صفت تواب کی وجہ سے تواب کی صفت اس وجہ سے ہے کہ وہ تمام
 گناہوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور اشارہ اس جانب ہے کہ برابر لوگ مصیبت کرینگے اور وہ توبہ قبول کرتا رہے گا
 چنانچہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ اس قدر قبول توبہ کی خواہش رکھتا ہے کہ اگر یہ جماعت انسان
 کی گناہ نہ کرے تو دوسرے انسان پیدا کرے جو گناہ کریں اور پھر اُس سے توبہ کریں تو وہ توبہ قبول کرے
 محض توبہ قبول کرنے کے لیے دوسری خلقت پیدا کرے گا اس صفت کے ساتھ رحمت کی صفت ذکر کرنا
 اس ایماء کے لیے ہے کہ قبول کرنا توبہ کا اُس کے رحم کا مقصد ہے یہ نہیں ہے کہ اُس پر قبول کرنا توبہ کا واجب ہے
 جیسا کہ معتزلہ کا مسلک ہے وہ کہتے ہیں کہ توبہ کا قبول کرنا اُس پر واجب ہے۔

یہ ندامت اگیدہ کے لیے ہوتی یا پہلے نہ قبل توبہ کے قبول ہونے کی تھی یہ بعد کو ہوتی یا پہلے نہ آسمان
 کے لیے ہوتی دوسری آسمان سے دنیا میں آنے کے لیے ہوتی مخاطب اس کے یا تو صرف آدم اور خوا
 اور انکی ذریت ہیں یا وہ اور ابلیس بھی مخاطب ہے اس واسطے کہ ایمان کا مکلف وہ بھی ہے بعض کہتے ہیں

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَلَكِنْ بَايَعْتَنَا أَوْ لِيكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلادیا ہاری آیات کو تو وہی لوگ آگ والے ہیں اور امین وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں (بقیہ صفحہ ۹۹) سب مخاطب ہیں جانور بھی اور یہ سب بھی مگر امین غیر مکلف سے بھی خطاب لازم آتا ہے تو ظاہر ہو کہ یہ خطاب تکوینی نہیں ہے بلکہ تشریعی ہے۔ اسوجہ سے مناسب یہی ہو کہ آدم وحوّا اور انکی ذریت مراد ہیں یہ بر قول جہوری ورنہ ایک قلیل جماعت تو غیر ناطق کو بھی مکلف ٹھہراتی ہے۔

ہدای سے مراد یا توحید ہو تو اس صورت میں ابلیس مراد ہو سکتا ہے یا مراد کتب ہیں یا مراد تمام رسل ہیں یا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ انکی رسالت کے مکلف تمام انبیاء ہیں۔

فَاَقَامُوا تَبَعًا مِّمَّنْ هَدَىٰ فَمَنْ تَبِعَ هَدَايَ۔ میں فاول ربط کے لیے ہے اور ابعد حصہ شرطیہ ہو مثل اسکے کہ جیسا کہا جاتا ہو ان چشتی فان قدرت احسنت الیک بعض لوگ کہتے ہیں پہلے شرط کی جزا محذوف ہو فاتبعوه اور ہدای میں اصناف ہدایت کی اپنی جانب محض شرافت اور عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہو۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ۔ مراد خوف سے جو اندیشہ زمانہ آئندہ میں ہو اور حزن گذشتہ اندیشہ ہوا و بیض کہتے ہیں حزن مقابل سرور کے ہے اور خوف کی نفی سے مقصود نفی عقاب ہے اور نفی حزن سے مراد نفی ثواب ہے۔ اس سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دار آخرت میں خوف و حزن نہیں ہے اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ دنیا میں بھی نہیں ہے اس واسطے کہ جو لوگ اتباع ہدیٰ کریں گے تو وہ رضا بالقضا بھی اختیار کریں گے جسکا لازمی نتیجہ ہو کہ پھر کوئی امر نہ رنجہ ہو یا باعث حزن و ملال ہو۔

اَسْ كَاعْطَفَ فَمَنْ تَبِعَ ہر امین مبالغہ زائد ہے یہ نہیں فرمایا کہ جو کافر اور کذب ہیں انکے لیے خوف و حزن ہے اس واسطے کہ خوف و حزن سے اس قدر توبیخ کا اظہار نہیں ہوتا ہے جس قدر اس انہماک ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک جماعت علاوہ ان دونوں کے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے مگر گناہ بھی کئے تو ان کو خوف حزن تو ہوگا مگر وہ ہمیشہ ہنم میں نہ رہیں گے برخلاف اس جماعت کے کہ جو ایمان بھی نہیں لایا وہ تو ہنم میں بھی رہیں گے اور خوف و حزن بھی اُسکو ہوگا۔

ایایہ تبتا سے مراد کتب منزل ہیں یا قرآن شریف ہے یا انبیاء ہیں یا انکے معجزات ہیں کیونکہ آیات ان سب کو شامل ہے مراد آیات سے نشانیاں ہیں اور اللہ کی نشانیاں یہ سب ہیں۔ اس جگہ یہ امر قابل خیال کرنے کے ہے کہ کفر سے مراد انکار ہے گریہ لفظ کوئی سب و شتم کی غرض سے نہیں ہے بلکہ جو خدا اور رسول کا منکر ہے وہ کافر ہے اور وہ کافر خدا اور رسول کا ہے اور جو کافر طاغوت کا ہے اور جو من اللہ اور رسول کا ہے

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَءٰىلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُواْ

اے بنی اسرائیل یاد کرو تمہاری ان نعمتوں کو جنہیں میں نے تم پر انعام کیا اور پورا کرو

بِعَهْدِيْ اَوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاَيَّامِيْ فَارْهَبُوْا

میرا عہد میں تمہارا عہد پورا کرو اور خاص کر کے مجھ سے ڈرو

بقیہ صفحہ (۱) وہ مسلمان ہو کر کفر کا لفظ ایسا نذر پر بھی استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے
وَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى اُوْرَجْنٰهُ كَفْرًا طَاغُوتًا
اور ایمان لایا اللہ کے ساتھ تو اُس نے بلند کندھے کو پکڑا ہمارے اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ حبط و دیگر مذاہب
کے لوگوں نے اپنے خلاف مذہب والوں کے القاب خراب کر دیے ہیں ایسا اسلام نے نہیں کیا ہے
بلکہ اسلام میں انتہائی لفظ کا فرکی ہو تو وہ بھی واقعہ کی تفسیر ہو اور بس۔

اللہ جل شانہ نے انعام عام و خاص عام مخلوق اور بشر پر جو فرمائے ہیں اور توحید اور دلائل توحید
نبوت اور دلائل نبوت آخرت اور اُس کے کوائف بقدر ضرورت بیان کر دیے اور امانت کی طرف بھی
اشارہ کر دیا کہ ہر انسان کا مل خلیفہ ہو اُس کے بعد مخصوص اُس جماعت کو مخاطب فرمایا جو بنی آدم میں
زائد خطاب قبول کرنے اور جلد اقرار ایمان کرنے کے لائق تھے اسوجہ سے کہ اُنکو علم تھا اور دین سماوی
رکھتے تھے ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارت سن چکے تھے خود منتظر تھے مصائب کے دھنوں میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت پر غر کرتے تھے حضرت کی دارالہجرہ سے واقعہ تھے اور وہیں تمام مذہب
تھے ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اچھا موقع تھا اور آپ کے حالات دریافت کرنے میں کوئی شراکت
نہ تھی ان حالات کے معلوم ہونے کے بعد کوئی تامل اُنکو ہو نہیں سکتا تھا بلکہ تامل کی جگہ باقی نہیں رہی
تھی اور اچھی طرح معرفت آپ کی نبوت کی اُنکو ہو گئی تھی ان سب وجوہ سے تمام اولاد آدم میں اُنکو تقدیم
تھا کہ وہ مخاطب کئے جاتے تھے چنانچہ اس آیت شریف میں اُنکو خطاب کیا یٰۤاَيُّهَا اِسْرَءٰىلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ
بنی جمع ابن کی ہو اور اسکو جمع تکسیر کے مشابہ کہتے ہیں اسواسطے کہ بناو احد کی سلامت نہیں ہو ابن کی جمع
ابنار بھی آتی ہو اور بنی بھی آتی ہو ابن کی اصل یا تو واوی ہو کہ اسمین مثل اخ و اب کے واو تھا اگر گیا
یا یابی ہو اور اصل سکی بنار سے ماخوذ ہو اب کا یہ فرع ہوتا ہو اور خالق کا مخلوق فرع ہوتا ہو اسواسطے پہلے
اسکو استقدر عام استعمال کرتے تھے کہ مخلوق کو بھی ابن بولتے تھے اسی اطلاق سے یہ ہو کہ نیک بندوں کو
ابن اللہ کہتے تھے مگر اسمین اشتباہ ایسا ہو گیا کہ بعض بندوں کو صلیبی بنیاد کا لوگ سمجھنے لگے اسوجہ سے
مخلوق پر اطلاق اسکا ترک کر دیا گیا مگر حقیقتہً اُس کے معنی صلیبی نہیں کے ہیں اور مخصوص ذکر کے ساتھ ہر انسان کو

ابن نہیں کہتے ہیں اور جب مصفا کر دیتے ہیں تو اس وقت اُسکے معنی اولاد کے ہو جاتے ہیں عورت و مرد دونوں کو شامل ہے اور کبھی اسکا استعمال مطلقاً اولاد پر بھی ہوتا ہے جن میں بیٹے پوتے اُنکی اولاد شامل ہوتی ہے اسی وجہ سے تمام بشر اولاد آدم کہلاتے ہیں اس جگہ بھی آخری معنی مراد ہیں۔

بنی اسرائیل اولاد یعقوب علیہ السلام پر بولا جاتا ہے اس واسطے کہ یہ لقب حضرت یعقوب کا ہی یہ لفظ غمی بنی عربی نہیں ہے اسکو مرکب کہتے ہیں اسرار۔ اور ایل سے اسرار کے معنی عبد کے ہیں اور صفوۃ چنندہ کے ہیں انسان اور مہاجر کے معنی میں بھی آیا ہے ایل اللہ کا نام ہے اس لیے اسکے معنی عبد اللہ اور صفوۃ اللہ کے ہوئے۔

مدینہ طیبہ میں یہود رہتے تھے اور اُسکے اطراف میں بہت قبائل یہود کے تھے بنی نضیر۔ بنی قریظہ۔ پھر خیبر وغیرہ اُنکی مشہور بستیاں تھیں عرب میں بھی اہل علم تھے اور اولاد انبیاء سے تھے انکو خطاب کرنے کے واسطے جو خوش آمد طرز ہو وہ اختیار فرمایا انکو یاد دلایا گیا کہ تم پر اللہ نے انعام کیا ہے تمہارے آباء انبیاء ہیں تم کو اُنکی پیروی کرنا چاہیے تاکہ تم پر جو انعام ہوئے ہیں وہ باقی رہیں اور تم جو مرتبہ رکھتے ہو وہ قائم رہے۔ اذکر کوا۔ ذکر بالکسر والضم ذال کے ایک ہی معنی ہیں یاد کرنے اور شکر کرنے کے ہیں خواہ دل سے ہو یا زبان سے کائی کہتے ہیں بالکسر زبان اور بالضم قلب یاد کرنے کو کہتے ہیں اول کا مقابل سکوت اور صمت ہے اور ثانی کا مقابل نسیان ہے اور اس جگہ شکر کرنا اُن انعام پر ہے جو اُن مخاطبین پر باعتبار اُنکے اور اُنکے آباء کے ہوئے ہیں آباد کا انعام بھی انھیں پر ہے اس واسطے کہ اگر اُنکی نجات فرعون سے نہ ہوتی تو یہ غلامی میں پیدا ہوتے اگر وہ گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیے جاتے تو اُنکی ولادت اُن انبیاء کی نسل میں جنکی وہ نسل سے تھے کیونکر ہوتی بلکہ اُن کی ولادت ہی سرے سے نہ ہوتی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُن کے بزرگوں پر جو انعام ہوا تھا اُسکو اُنکی جانب اس وجہ سے منسوب کیا گیا ہے کہ بظاہر یہ اپنے اگلوں کے ہم مذہب اور ہم دین تھے تو اس شکر کے لحاظ سے اُنکا انعام انھیں کا کہا گیا یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ انھیں مخاطبین پر جو انعام کیا گیا ہے اُسکے یاد کرنے کا حکم ہے وہ انعام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اُن کے روبرو ہوئی اور اُنکو پہلے سے آگاہ کر دیا گیا اُن کے شک و شبہ نہ دفع کرنے کے لیے علامت ظاہر کر دی گئی قرآن شریف اُن کے روبرو نازل ہوا۔

وَاَوْحَاۤیْٓا۟ بَعۡثۡنَا۟ اٰوٰیۡمَ بَعۡثۡنَا۟ کُمۡ۔ وئی اوئی کے ایک ہی معنی ہیں کہا جاتا ہے و فیت العمد و اوفیت العمد اور اوفیت صرف عہد کے لیے اور کیل کے لیے بولا جاتا ہے بعض مواقع میں وئی کے معنی ارتفع کے بھی آئے ہیں اور عہد قرار واثق کو کہتے ہیں عہد جن دونوں کے درمیان ہوتا ہے اُن دونوں کی طرف منسوب ہو سکتا ہے یہاں پر عہد کی اصناف کسکی طرف تھیں۔ سین اختلاف ہو گیا ہے بعض کہتے ہیں

کہ ادنوا بھمدی مین تو اضافت عہد کی طرف فاعل عہد کی ہو اور ادنیٰ بھمد کم مین عہد کی اضافت مفعول کی جانب ہو اور دونوں مین فاعل اللہ ہی مراد اس جگہ یہ ہو کہ عہد ایمان اور عہد طاعت جو مین نے تم سے لیا ہوا اور وہ اس بنا پر ہو کہ دلائل قائم کر دیے ہین اُسکو تم پورا کر دو تو مین اُس عہد کو پورا کروں جو تم سے ثواب اور جزا دینے کا کیا گیا ہو اور اس جگہ چونکہ ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہو تو اس لحاظ سے فارعہد کا اثر بھی کیا گیا ہو بعض لوگ کہتے ہین کہ دونوں جگہ مفعول کی جانب اضافت ہو مراد یہ ہو کہ جو عہد تم نے مجھ سے کیا ہو تم اُسکو پورا کرو یعنی ایمان لاؤ تو مین اُس عہد کو پورا کروں جو مین نے تم سے کیا ہو کہ اجر نیک عطا کروں گا بعض لوگ کہتے ہین کہ اگر ایفار عہد کی تفسیر کی جاوے اتہام عہد سے تو اضافت دونوں جگہ مفعول کی جانب ہوگی اور اگر رعایت کرنے سے تفسیر کی جاوے تو پہلی جگہ فاعل کی جانب اور دوسری جگہ مفعول کی جانب ہوگی۔ ان احتمالات پر یہ شبہ وارد کیا جاتا ہو کہ عہد کے ایفار کی اضافت غیر فاعل کی جانب کوئی معنی نہیں رکھتی ہو مگر اس شبہ کا دفعیہ کر دیا گیا ہو کہ چونکہ امر بالا ایمان ہو تو اس واسطے اضافت مفعول کی جانب بھی ہو سکتی ہو حاصل یہ ہو کہ تم اپنے عہد کو پورا کرو اور مین اپنے عہد کو۔

وقاء عہد کے مختلف مراتب ہین مرتبہ اولیٰ یہ ہو کہ کلمہ شہادت صدق دل سے پڑھنا اور اُس کے مقابل خدا کا عہد یہ ہو کہ جو شہادت دے وہ قتل و غارت سے محفوظ کر دیا جاوے اور آخر درجہ یہ ہو کہ انسان غیر اللہ سے ذہن کو خالی کر دے اور فنا حاصل کر لے بلکہ اس درجہ فنا کو بھی فنا کر دے اُس کے مقابل خدا کا عہد یہ ہو صفات و اسماء کے انوار اُس پر متجلی کر دے۔ بعض کہتے ہین کہ اول درجہ ایفار کا توحید لا افعال ہو اور اوسط درجہ توحید الصفات ہو اور آخر درجہ توحید الذات ہو اور خدا کی جانب سے جو حالات و کوائف سالک کو ان مراتب مین اضافہ فرمائے جاتے ہین وہ مراد ہین اور ان مراتب کے درمیان بہت سے مراد دونوں عہد کے ایفار کے ہین جو اکثر احادیث مین وارد ہوئے ہین اُنکاسب کا ذکر تطویل سے خالی نہیں ہو۔

زہری نے اون بالتشدید پڑھا ہو مطلب یہ ہو کہ اگر تم اپنا عہد پورا کر دو تو مین اپنا عہد بہت حسن و فائز کے ساتھ پورا کروں جس کو خود فرماتا ہو من جاء بالحسنة فله عشر امثالها چونکی لا دیگا اُسکو اُس کے عوض دس نیکیوں کے موافق اجر دیا جاوے گا۔

وَاَيَايَ فَارْتَهَبُونَ۔ تقدیر کلام یہ ہو دلایا ادهبوا فادهبونی ضمیمہ مفعول کی یا ہو وہ محذوف کر دی گئی تاکہ فواصل و آیات مین مناسبت ہو جاوے اور ایک غل بھی بوجہ دوسرے فعل کے دلالت کرنے کے حذف کر دیا گیا۔ الترهبة ہم معنی خون کے ہو بعض کہتے ہین کہ خوف اگر تحرز کے ساتھ ہو

وَأَمْنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ

اور ایمان لاؤ اور اس پر جگو جنہے نازل کیا ہو تصدیق کرنی والا اسکی جو تمہارے ساتھ ہی اور نہ پہلے اول اُسکے انکار کرنے والے

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَلَا يَأْتِي فَاتَقْوُونَ

اور نہ بدلو میری آیات کو تمکوڑے داموں کے عوض اور خاص کر کے مجھ سے اتقا کرو اور بچو

بقیہ صفحہ ۱۰۳) تو اسکو رہبت کہتے ہیں اور اگر حزم و احتیاط کے ساتھ ہو تو اسکو تقویٰ کہتے ہیں اس لحاظ سے رہبت تو عوام کے لیے بولی جاتی ہو اور اتقا پیشواؤں کے لیے مناسب ہو۔ تبض کہتے ہیں کہ رہبت نفسِ خوں ہو اور اتقا تحفظِ خوں خے سے ہو اور بعض کہتے ہیں کہ خوفِ عقاب اہل ظاہر کے لیے اور خوفِ اجلال اہل دل کے لیے ہوتا ہو۔ بعض تخصیص کرتے ہیں کہ ڈر و تمُّ اُن مصائب سے جو تمہارے آبا پر بوجہ نکی نافرمانی کے نازل ہوئے ہیں اس جگہ حصر ایاک نعبد سے زاید مبالغہ کے ساتھ کیا گیا ہو۔

اس آیت کا عطف اقبل پر ہو خطاب اسکا تمام بنی اسرائیل سے ہو۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف مخاطب اسکا کعب بن اشرف یہودی ہو مگر تخصیص بلا تخصیص ہو اس جگہ ایمان کا حکم دیا گیا حالانکہ ایفاء احمدین بھی وہ داخل تھا اسواسطے کہ ظہار غلٹ اہل ایمان کا ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ ہم اور اُن ایمان ہو اور مردہ اُنزَلْتُ سے قرآن شریف ہی اور ما معکم سے مراد تورات ہو اور قرآن کی تصدیق بھی چند وجہ سے ہے یا تو اس وجہ سے کہ جس طرح تورات میں نعتِ نبی آخر الزمان تھی اُسی طرح قرآن میں بھی کی گئی یا اس طرح کہ اصل دین میں دونوں ایک ہیں یا مزید یہ کہ جو احکام منسوخ نہیں ہوئے اُن میں اتفاق ہو یا تمام احکام تورات سے متفق ہیں اور منسوخ احکام کی حالت ایسی ہو جیسا کہ احکام اسلام میں احکام منسوخ ہو گئے اُن کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ اختلاف احکام سے احکام میں تبدل ہو گیا۔ یہ امر کہ تورات منسوخ ہو گئی اسکی دلیل وہ حدیث ہو کہ مروی ہو حضرت عمرؓ کچھ تورات سے لکھ کے لائے اور اسکو اُن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑھنا شروع کیا آپ نے ارشاد فرمایا لو کان موسیٰ حبلاً ووسعہ الا اتباعی اسکو حضرت جابرؓ سے امام احمد حنبل وغیرہ نے روایت کیا ہو اور دارمی نے دوسرے الفاظ سے روایت کیا ہو والذی نفس محمد بیدہ لو بد ا لکم موسیٰ فاتبعوہ و ترکوہ فی فضلکم عن سوائہ السبیل ولو کان حیاً وادرك نبوتی لا تبعنی بعض نے ما انزلت کی تفسیر کتاب اور رسول سے کی ہو اور ما معکم کی تفسیر تورات و انجیل سے کی ہو یہ بھی اول تفسیر کے قریب ہو۔ یہاں پر یہ ارشاد فرمانا کہ ایمان لاؤ اُسکے ساتھ جو تمہارے پاس ہونے والی شے کی تصدیق کرتا ہو یعنی قرآن شریف کہ جو تصدیق کرتا ہو تورات کی اس غرض سے ہو کہ وجوب ایمان اور لزوم اسکا محقق ہو جائے

کیونکہ جس میں پر تھا را ایمان ہو اُسکی یہ تصدیق کرتا ہی تو کوئی وجہ نہیں کہ ایمان نہ لاؤ۔

وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِآلِهِ۔ نہ ہو تم پہلے کفر کرنے والے قرآن کے ساتھ تو مطلب یہ ہو کہ جلدی نہ کرو کفر کرنے میں کہ تم ہی گویا پہلے کفر کرنے والے ہو جاؤ حالانکہ تمہاری شان یہ ہو کہ تم اول ایمان لانے والے ہوتے یا مراد اس سے یہ ہو کہ اہل کتاب میں پہلے سب کے تم کفر کرنے والے نہ ہو کیونکہ تمہیں خود آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کی زبان سے کلام الہی سنا ہے تو تم پہلے کافر نہ بنو کہ تمہارے دیکھا دیکھی دوسرے اہل کتاب بھی کفر کرنے لگیں گے یا مراد یہ کہ اول تورات کے تم کفر کرنے والے نہ ہو کہ مامعکم یعنی تورات میں نعت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صفت قرآن شریف کی موجود ہو تو اُسکے انکار سے مامعکم کے ساتھ کفر لازم آتا ہی تو تم کافر نہ بنو۔

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَتِي ثَمَنًا قَلِيلًا۔ اشتراء کے معنی خریدنے کے ہیں مراد یہاں پر بدلہ میں کسی شے کے ہیں چونکہ وہ لوگ اپنے کو ایمان دار سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ تورات پر ان کا ایمان ہے اس واسطے فرض کیا گیا کہ وہ ایمان دار ہیں یا مراد یہ ہے کہ تورات پر تمہارا ایمان ہو اور اُسپر قائم بھی تھے مگر اُسکو تم نے تھوڑے مال پر فروخت کر ڈالا آیات کنایہ ہیں اور مراد وہی اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو کہ کعب بن اشرف نے اجبار مدینہ کو بلایا اور ان سے کہا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسا سمجھتے ہو انھوں نے کہا کہ وہ نبی موعود ہیں اُسکو ناگوار ہوا اُس نے کہا کہ اگر اس کے خلاف تم اسے قائم کرتے تو میں تمکو انعام دیتا اُن لوگوں نے کہا کہ ہنہ بغیر سوچے کہا تھا اب سوچ کے جواب دینے چنانچہ پھر اُس نے دریافت کیا تو اُن لوگوں نے دجال کی نعت کو بدل دیا اور موافق کعب بن اشرف کے کہنے لگے اُس نے ایک کپڑا چار گز کا اور تھوڑے جواہر ایک کو دیے اُسکی جانب اشارہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہو کہ اجبار اپنے معتقدوں سے ہر سال کچھ غلہ پایا کرتے تھے اُسکی خوشامد میں احکام آتیہ کو بدل دیتے تھے اُسکی مانعت کی گئی۔ اس آیت سے اجرت لینا تعلیم قرآن شریف پر بعض لوگ ممنوع کہتے ہیں اور متقدمین احناف کا یہی مسلک ہو مگر متاخرین نے جواز کا فتوایں دیا ہو اور حدیث روایت کرتے ہیں ان خیدواخذتمہ بہ اجزا کتاب اللہ واللہ اعلم۔ وَلَا يَأْتِيَنَّكَ الْتَقْوَى۔ اور تمہیں سے بچو کہ ایمان نہ لاؤ بلکہ ایمان لانا ضروری ہو کیونکہ یہ ہی تقویٰ ہی یا یہ کہ اتباع حق کرو اور اُسکے ترک کرنے میں مجھ سے خوف کرو یا اشتراء اور تبادلہ آیات کا منن قلیل سے نہ کرو بلکہ مجھ سے پرہیز کرو مارتب تقویٰ کے بھی مختلف ہیں اول مرتبہ ترک مخطورات کا ہو اور آخر مرتبہ تو بہ غیر اللہ اور برات ماسویٰ اللہ سے ہو۔ یہاں چونکہ اجبار یہود سے مخصوص طور پر خطاب کیا گیا ہو تو تقویٰ کا لفظ جو انکی شان ہو لایا گیا ہو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اور حق کو باطل سے مشتبہ نہ کرو اور نہ حق کو پوشیدہ کرو درحالیکہ تم جانتے ہو

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝

اور نماز باادب و شروط ادا کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ

اس جملہ کا عطف آ منو پر ہو اور لبس کے معنی خلط کے ہیں اور کبھی بمعنی اشتباہ کے بھی آتا ہے اور لام عہد کے لیے ہو اور بار تعدیہ کے واسطے ہو اور واو تکتموا میں یا تو حالیہ ہو یا بمعنی مع کے ہو اور نخی دونوں معنوں سے ہو مراد یہ ہے کہ حق کو جو تورات میں نازل ہوا ہو باطل سے جسکو تم نے اختراع کر لیا ہو مخلوط نہ کرو درحالیکہ تم حق کو پوشیدہ کرتے ہو یا اور حق کو تم پوشیدہ نہ کرو یا حق کو پوشیدہ نہ کرنے کے ساتھ حق کو باطل سے مخلوط نہ کرو اس آخری صورت میں یہ معنی ہونگے کہ تم حق کو اُس شخص سے جو سن چکا ہو باطل کے ساتھ مخلوط نہ کرو ساتھ اسکے کہ حق کو پوشیدہ نہ کرو اُس شخص سے جس نے اُسکو مٹا نہیں ہو اور عبد اللہ بن مسعود نے وتکتُمون الحق پڑھا ہے اسی وجہ سے واو حالیہ بھی یہاں ذکر کیا گیا ہے اور حق دونوں جگہ ذکر کیا گیا ہے یا تو محض تاکید کے لیے ہو اور معرفہ مکرر عین اول ہوتا ہے یا عہد کے لیے ہو اور پہلی جگہ ایک مراد لیا گیا ہے اور دوسری جگہ دوسرا جو احکام حقہ تورات میں نازل ہوئے ہیں اُن کو مخلوط و مشتبہ کر کے لوگوں پر نہ پیش کرو نہ نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پوشیدہ کرو اس آیت سے علم حق کو پوشیدہ کرنے کی مذمت ظاہر ہوتی ہے اسی وجہ سے اظہار حق کو واجب کہا ہے سوائے اُن مقامات کے کہ جہاں اظہار حق مضرت شرعی یا مضرت جسمانی کا باعث ہو جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ بعض کتب میں ہے کہ اگر ام بالمعروف کفار کو کرنا ہو اور اندیشہ ہے کہ وہ ہلاک کر دالین گے تو بہتر ہے کہ جان بچائے مگر مسلمانوں کے ام بالمعروف کرنے میں اگر اندیشہ ضرر سانی کا ہو تو ام بالمعروف ترک نہ کیا جائے۔ اُس آیت کا عطف بھی اوپر کے جملہ پر ہو اور مراد الصلوٰۃ سے مخصوص وہ نماز ہے جسکا حکم اللہ جل شانہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دیا ہے خواہ الف لام عہد کا لیا جاوے یا جنس کا لیا جاوے دونوں صورتوں میں مراہ صلوٰۃ المسلمین ہو۔

اور زکوٰۃ کے معنی تو باعتبار لغت کے نما یعنی زیادتی اور طہارت یعنی پاکی کے ہیں مگر عرف خرم میں وہ صدقہ مفروضہ ہے جسکے ادا کرنے سے برکت ہوتی ہے اور مال ظاہر ہو جاتا ہے کہ پھر وہ وبال نہ ہوگا اُس کے شروط ایجاب و وجہ ادا کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

صلوٰۃ کو زکوٰۃ پر اس وجہ سے مقدم کیا ہے کہ صلوٰۃ مناجات اور خلاص و نضر ہے اور ہر مکلف

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ
کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور خود اپنی ذات کو بھولے ہوئے ہو حالانکہ تم تورات پڑھتے ہو

أَفَلَا تَعْقِلُونَ

تو کیا تم کو عقل نہیں ہے

بقیہ صفحہ ۱۰۶) صحیح پر فرض ہی بخلاف زکوٰۃ کے کہ وہ عبادت مالیہ ہی غنی پر فرض ہو اسکی تخصیص اور تفصیل کا بیان احادیث سے اور تو اتر سے اخبارات کے معلوم ہوتا ہی تبصص لوگوں نے اس آیت سے ثابت کیا ہی کہ کفار بھی عبادت کے مکلف ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایمان شرط ہی تو مراد یہ ہی کہ نماز پڑھو ایمان لا کے اور قبل ایمان لانے کے کفار مخاطب نماز کے نہیں ہیں۔ اور رکوع کے معنی شروع کے بھی ہیں اور رکن نماز کا ہی اس واسطے اس سے مراد نماز بھی ہو سکتی ہی اور چونکہ یہود کی نماز بغیر رکوع کے تھی تو اس واسطے خصوصیت سے رکوع کا حکم دیا گیا مقصود یہ ہی کہ نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ جو اہل سلام ہیں اور انکی نماز ذات رکوع وجود ہی وہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بعض نے اس آیت سے وجوب نماز جماعت کا ثابت کیا ہی۔ امام شافعی اور بعض دیگر فقہاء بلا عذر جماعت کے ترک کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں اور نماز کے باجماعت پڑھنے کو واجب کہتے ہیں مگر احناف کا قول مفتی یہ یہ ہی کہ سنت مؤکدہ ہی واجب نہیں ہی تارک عاصی ہی اور جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ اور باجماعت مسجد میں نماز پڑھنا اولیٰ تر ہی۔

عجزہ استفہام کا ہی مراد اس سے استفہام تقریری ہی اور توجیح بھی اُسکے ساتھ ملحوظ ہی اور براہی بات اور نیک بات کو کہتے ہیں اور بر شامل تمام خبر کی باتوں کو ہی اور نیاں اُسکو کہتے ہیں کہ جو سہو بعد کو پیش آوے اور مقصود اس استفہام سے یہ ہی کہ ایسا مت کرو یہ کرنا عقل مندی کے خلاف ہی اس آیت کا شان نزول یہ ہی کہ مدینہ طیبہ کے احبار یہودی جب اپنے دوستوں اور اعزاء کو نصیحت کرتے تو کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ نبی ہیں انکی پیروی کرنا چاہیے مگر خود پیروی نہیں کرتے تھے اس خوف سے کہ ریاست چھن جاوے گی بعض کہتے ہیں کہ لوگوں کو صدقہ دینے کا حکم کرتے تھے مگر خود تصدق نہیں کرتے تھے بعض نے بر سے ایمان اور احسان مراد لیا ہی اور سُدی کہتے ہیں کہ وہ احبار یہود خود تو نافرمانی اور معاصی کرتے تھے مگر لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو گناہار جو وہ امر بالمعروف نہ کرے مگر یہ کہنا صحیح نہیں ہی اس واسطے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خود ایک حکم شرعی ہی تو جو خود گناہ کرتا ہی اگر وہ اس سے بھی گریز کرے تو دہرا گناہار ہو گا اور اگر امر بالمعروف نہی عن المنکر

کرے مگر خود گناہ ترک نہ کرے تو اُس کو ایک ہی گناہ ہوگا اگرچہ اس صورت میں اثر کم ہوتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں لوگ جب جنت سے جہنم میں جائیں گے تو بعض ایسے لوگوں کو جہنم میں دیکھیں گے جنکے کہنے سے یہ لوگ تائب ہوئے اُن سے یہ لوگ کہیں گے کہ کیا وجہ ہے کہ ہم تو تمہاری وجہ سے جنت میں پہنچے اور تم جہنم میں ہو تو وہ حسرت سے کہیں گے کہ ہم حکم کرتے تھے اچھائی کا مگر خود نہیں کرتے تھے اور لوگوں کو بُرائی سے منع کرتے تھے مگر خود نہیں رکھتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ خطاب خاص بنی اسرائیل کے لیے ہی دوسروں کو شامل نہیں ہے اس واسطے دوسروں کو امر بالمعروف کرنا چاہیے چاہے خود عمل نہ کرے حق یہ ہے کہ خطاب گو مخصوص بنی اسرائیل سے ہے مگر حکم عام ہے بعض اسکے برعکس کہتے ہیں کہ یہ اَقْبِمُوا الصَّالٰتَہُ سے یا اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ سے خطاب محض ایمانداروں سے ہے جیسے یوسف اعرض عن هذا واستغفر لی الذنبک مگر یہ بعید ہے بلکہ صحیح وہی ہے جیسا ہم نے کہا ہے اس جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ تم ایسا کرتے ہو حالانکہ تم بظاہر عقلمند ہو اور یہ فعل خلاف عقل ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ یا تو اسکا مفعول محذوف ہے کہ تمکو اس بات کی عقل نہیں ہے کہ جو تم کرتے ہو کہ دوسروں کو اچھا کام بتاتے ہو اور خود نہیں کرتے ہو اور کیا اُسکے ضرر کو تم جانتے نہیں ہو یا مفعول اسکا خاص نہیں ہے یا یہ کہ تمکو جو ہر عقل نہیں ہے جو تمکو اس بُری حرکت کا باز رکھے عقل کے معنی تو روک کے ہیں اور منع کے ہیں مگر عرف میں اُس لطیفہ نورانی کو کہتے ہیں کہ جس سے نفس علوم ضرور ہے اور نظر بہ کو ادراک کرتا ہے اس آیت سے معتزلہ کہتے ہیں کہ حُسنِ وقیع عقلی ہے اس واسطے کہ اللہ نے اُس پر موقوف رکھا اشاعرہ کہتے ہیں کہ حُسنِ وقیع شرعی ہے اور اس آیت سے اُسکے عقلی ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہ خطاب بعد شریعت کے پیش کرنے کے ہے اور ہم لوگوں کے نزدیک یعنی مابعدیہ کے نزدیک حُسنِ وقیع اشیا کا عقلی ہے مگر اظہار اسکا شرع سے ہوتا ہے اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقل ادراک کر سکتی ہے یا بخصوص جس شے کا حُسنِ یا قیع شرع ظاہر بھی کر دے۔

اس جگہ سمجھنا چاہیے کہ حُسنِ وقیع بمعنی صفت کمال و صفت نقصان کے بالاتفاق عقلی ہے ہیطرح حُسنِ بمعنی موافقت غرض کے اور قیع بمعنی مخالفت غرض کے بھی بالاتفاق عقلی ہے بلکہ اس معنی کے لحاظ سے ایک ہی شے بعض اشخاص و بعض حالات کے لحاظ سے احسن ہوتی ہے اور بعض کے اعتبار سے قبیح ہوتی ہے لیکن حُسنِ وقیع بمعنی موجب ثواب اور باعث عذاب آخری ہو اُس میں اختلاف ہے، اشعر یہ کہتے ہیں کہ شرعی ہے جب تک درود شرع نہ ہو کوئی شے نہ حسن ہو سکتی ہے نہ قبیح کیونکہ استعراق

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ

اور مرد حاصل کرو تم صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ اور یقیناً وہ بڑی بات ہو گمراہ لوگوں پر جو ڈرتے ہیں

الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقَوْنَ يُومًا وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اور گمان کرتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور یقیناً وہ اسکی طرف لوٹنے والے ہیں

بقیہ صفحہ ۱۰۸ ثواب و عقاب کا عقل اور ارکان نہیں کر سکتی ہو اسی وجہ سے جس تک دعوت اسلام نہ پہنچے

وہ مکلف نہیں ہو اُس کے لیے نہ کوئی حسن ہو نہ قبیح برخلات معتزلہ کے کہ وہ اس معنی کر کے عقلی کہتے ہیں

اور ماترید کے کہ وہ شیت عقل کو اور منظر شرع کو کہتے ہیں۔

اُس آیت کا عطف بھی اوپر کی آیت پر ہی مراد صبر سے نفس کو باز رکھنا بڑی شے سے صلوٰۃ پر مقدم

کیا گیا اسوجہ سے کہ نماز میں بھی اسکی ضرورت ہو بلکہ بدن صبر کے نماز کا ادا ہونا اور اس کے شرائط کا حاصل کیا جانا

مشکل ہو یا لحاظ حفاظ کے حاصل کے صبر مقدم کیا گیا ہو کیونکہ وہ لوگ معاصی میں مصروف تھے اور مخالفت سے

احکام الہیہ کے باز نہیں آتے تھے اسوجہ سے صبر کا حکم پہلے دیا گیا اور صبر سے فالاق شے کا ازالہ مقصود ہو

اور صلوٰۃ سے لائق بات کی تحصیل منظور ہو اور ظاہر ہو کہ دفع مضرت مقدم ہو جلب منفعت سے اسوجہ سے

پرہیز مقدم ہو علاج سے اور الف لام جنس کا ہر قسم کا صبر مقصود ہو اور بعض کہتے ہیں کہ مراد اُس سے

نوع خاص ہو وہی روزہ ہو کہ اُس میں خواہش کھانے پینے جماع کی روکی جاتی ہو اسوجہ سے کہ یہاں نماز کا

ذکر آیا ہو تو اُس مناسب روزہ صبر سے مراد لیا جاوے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہو کہ

رمضان صبر کا مہینہ ہو حالانکہ رمضان روزہ کا مہینہ اور انتقامت صبر سے بنا بر پہلے معنی کے یہ ہو

کہ انتظار فرج کرو یہاں تک کہ اللہ جس پر توکل کرنا چاہے خود مصیبت کو دور کر دے اسوجہ سے کہتے

ہیں الصبر مفتاح الفرج اور بنا پر ثانی کے ظاہر ہو کہ روزہ سے کسر شہوت اور تصفیہ باطنی ہوتا ہے

اُس سے استعانت تمام امور پر برہم ہوتی ہو اور استعانت بالصلوٰۃ ظاہر ہو کہ مشعل انواع عبادت کو ہو اور

عبادت ہو جب حصول مقاصد کا ہوتی ہو اور حضرت حذیفہ سے مروی ہو کہ جب آن حضرت کو کوئی امر

ریخ دیتا یا ردیش ہوتا تو نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتے حضرت امام احمد وغیرہ نے روایت کی ہو اس سے

امید ہو کہ نماز انجاء مقاصد کا ذریعہ ہو۔

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ۔ یا ضمیر ہر ایک نماز کی طرف پھرتی ہو کیونکہ اسکی تعظیم شان مقصود ہو اور معنی کبر کے نقل کے ہیں

یعنی بوجہ ہوتی ہو سب کے لیے گمراہین کے لیے بوجہ نہیں ہوتی ہو مراد خاشع سے متواضع مسکین بے توجہ کے

ہیں یا ہاکی ضمیر راجع استعانت کی طرف ہو جیسے اعدلوا ہوا قرب للتقویٰ یا دونوں صبر و صلوٰۃ بے توجہ

يٰۤاَيُّهَا اسْرَءٰىلُ ذَكِّرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَتَىٰ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمتوں کو جنکو میں نے تمکو عطا کیا ہے اور تمہارا میری نعمتوں پر جو فضل ہے

بقیہ صفحہ ۱۰۹ راجع بتا دیں مذکور کے یا بطریق واللہ در سولہ احق ان پر وضو۔

اَلَّذِيْنَ يُّظَنُّوْنَ۔ ظن کے معنی حسان اور گمان کے ہیں اور لقاء کے معنی دو جسموں کے ملنے کے ہیں اس طور پر کہ ایک دوسرے سے تماس ہو جاوے مگر ظن سے مراد یہاں یا تو خاں علم کو ہی یا مراد متوقع ہو یا اس لحاظ سے یہاں ظن کا لفظ اختیار کیا گیا کہ مذکورات غیر متوقع ہیں مثلاً لقاء آئی کہ اگر حسن خاتمہ ہوا تو لقاء ہوگی ورنہ ہمیشہ فراق میں رہیگا اور جس خاتمہ کا علم کسی کو نہیں ہے مگر اس بنا پر انھما الیہ راجعون صحیح نہ ہوگا اسلئے کہ آئین احتمال نہیں ہے اس واسطے کہ حسن خاتمہ ہو یا نہ ہو خدا کی طرف لوٹ جانا اور حساب و کتاب کے لیے مشور ہونا لازمی اور یقینی ہے بعض کا گمان ہے ظن معلق مجبور کے ہے تو اگرچہ اللہ کی طرف لوٹنا یقینی ہے مگر لقاء اللہ غیر یقینی ہے بعض نے رجوع کے معنی میں بتا دیں کی ہے اور مراد لی ہے کہ حسن ثواب کے ساتھ لوٹنے کا جو گمان کرے تو اس صورت میں یہ ظاہر ہے کہ حسن خاتمہ پر یہ امر موقوف ہے اور حسن خاتمہ مشتبہ ہے اور بعض نے ظن سے مراد یقین لیا ہے اور لقاء اللہ سے مراد حشر لیا ہے اور رجوع سے مراد مجازات لی ہے خواہ ثواب ہو یا عقاب ہو تو اس صورت میں یقین دونوں اجزا میں صحیح ہو گیا اور اس جگہ ظن کے اختیار کرنے سے یہ مقصود ہے کہ جب گمان کی یہ حالت ہے تو یقین کا کیا ذکر ہے اس سے مبالغہ مقصود ہے اور عبد اللہ بن مسعود نے بجائے یظنون کے یعلمون پڑھا ہے تو اس اعتبار سے ظن کی تفسیر علم سے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ اور مراد لقاء اللہ سے علاوہ حشر کے ثواب ہے اور جو لوگ رویت آئی کے وقوع کے قائل ہیں وہ لقاء سے رویت مراد لیتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے من احب لقاء اللہ احب لقاء اللہ لا وہن ایفص لقاء اللہ ایفص لقاء اللہ لقاءہ جو اللہ کے ملنے کو دوست رکھتا ہے اس سے اللہ ملنے کو دوست رکھتا ہے جو اللہ کے ملنے کو برا جانتا ہے اس سے ملنا اللہ ناگوار رکھتا ہے۔

فیارب بالخل المحبیب محمدؐ نبیات وهو السید المتواضعؐ ۱۰ ان لنا مع الاحباب رویتك التي ۱۱
ایہا قلوب الاولیاء تسارع ۱۲ فباک مفتوح وفضلک زاید ۱۳ وجودک موجود و عفوک واسع
۱۴ عہ کمر انعام کا یاد دلانا محض انکی کمال غفلت کے باعث ہے کہ وہ اس قدر اپنے انعام کو فراموش کر گئے تھے اور اتنا منعم حقیقی کے ناشکر گزاری کے خوگر ہو گئے تھے کہ انکو بار بار ضرورت تھی کہ ہوشیار کیا جاوے انکو غرا تھا کہ ہم مستحق انعام ہیں تو انکو تنبیہ کی جاتی ہے کہ اُسکا شکر بھی ادا کرو ورنہ انعام نہیں قائم رہ سکتا ہے یہ بھی مقصود تھا کہ پہلے نعمت ذکر کر کے کہ جس سے ترغیب ہوتی ہے

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا

اور یہ جو تم اُس دن سے کہ حسین ایک شخص دوسرے شخص کے حق کو برداشت نہیں کر سکتا ہو نہ اُس سے

شفاعۃ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

شفاعت قبول ہوگی نہ عوض اُس سے لیا جاوے گا نہ اُن کو مدد دی جاوے گی

بقیہ صفحہ ۱۱۱) قیامت کے ہول کا ذکر کیا جاوے تاکہ ترغیب کے ساتھ ہی ساتھ ترہیب بھی ہو جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ جلثا نہ کی عادت ہو ترغیب ترہیب ساتھ ساتھ ہوتی ہو ارشاد ہوتا ہو کہ اگر تم انعام کے شکر ادا کرنے کے عادی نہیں اُسکی تمکو فکر نہیں تو عذاب کا اندیشہ کرو کسی کو ترغیب نصیحت ہوتی ہو کسیکو ترہیب ناثر ہوتا ہو۔ اس جگہ انعام کو مجمل ذکر کر کے خوف دلایا گیا ہو اور پھر تفصیلاً اُن انعام کو ذکر کیا ہو جو ان پر اور اُنکے آباء پر لیا گیا ہے کہ تھے تاکہ ترہیب کے بعد ترغیب کا فائدہ زائد ہو وہ اجمالاً ذکر آتی فضلتکم علی العالمین میں کیا گیا ہو کہ جتنے تمکو سارے جہان پر بزرگی دی ہو وہ بزرگی یہ ہو تمکو دینی و دنیوی برکت عطا کی انبیاء اور صلحاء ہوئے بادشاہ و امراء ہوئے حکومت و سلطنت ملی مراد سارے جہان سے یا تو بہت سے لوگ ہیں جمع کثیر پر بولا جاتا ہو یا عرفا کہا جاتا ہو کہ شہر کے تمام کارگر آئے مراد اس سے اکثر ہوتی ہو لہذا اس جملہ سے مراد نہیں کہ کوئی گروہ تم سے فضیلت رکھتا ہی نہیں یا مراد عالم سے تمام موجودین ہیں وقت فضیلت کے کہ جو وقت تمکو بزرگی دی اُس وقت کے تمام لوگوں سے تمکو افضل کیا یا مراد بعض لحاظ سے فضیلت دنیا ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہو کہ تمام وجہ سے فضیلت دیکھی ہو ان وجہ سے معلوم ہو کہ کنتم خیر امتہ جسکی خان میں ہو تفصیل بنی اسرائیل کی ثابت نہیں ہوتی تو اس جگہ ایک لطیفہ ہو کہ بنی اسرائیل کو اپنی فضیلت ملحوظ رکھنے کا حکم ہوا اور امت محمدی کے لیے خدا کے فضل کا مشہود ہونا امور ہوا قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا اظاہر ہو کہ اللہ کے فضل کو ملحوظ رکھنا زاید مرتبہ کی بات ہو اگر عام طبائع اپنی فضیلت کو زاید ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔

یوم سے قیامت کا دن مراد ہو اُس سے بچنے کا مطلب یہ ہو کہ جو عذاب و عقاب اُس دن نافرمان لوگوں کو ہوگا اُس سے بچنے کی فکر کرنا چاہیے ورنہ قیامت کا دن تو خواہ مخواہ مطیع و عاصی دونوں کے لیے آتا ہو اُس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہو اب اگر یوں مافصول بہ ہو تو یا بطریق مجاز کے ہو ظرف بولے اور مظنون مراد لیا یا بطریق کنایہ کے ہو کہ ملزوم بولے اور لازم کو مراد لیا اور اگر اسکو بنا بر ظرفیت کے منصوب کرین گے تو مفعول بہ یعنی عذاب اور صواب جزا ایہاں بر محمد و ہوا کا پھر اُس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے چونکہ سوائے اطاعت و فرمانبرداری کے کوئی صورت نہیں ہو

اس واسطے وہ سب صورتیں جو عموماً طالبہ بچنے کے لیے کی جاتی ہیں سب کی نفی کی گئی ہو ارشاد ہوا
 لا تجزى نفس عن نفس شيئاً۔ جزی کے معنی یا تو قضی کے ہیں یا اُس کے لازم پر بولا جاتا ہے یعنی قضی کے
 یا بمعنی لا نفی کے ہو اور ماخوذ جزاؤں سے ہو نفس کے معنی جان کے ہیں اسی وجہ سے بجائے نفس کے نسبتہ
 بھی بعض قرآنہ شاخہ میں مروی ہوا ہو اور مراد اُس سے ذوات انسان ہیں یا ذی نفس اور ہر جاندار ہو۔
 شئیگا۔ متعدی بنفسہ ہو اور عن نفس متعدی بہ حرف جار ہو اور تنوین تنکیر کی ہو خواہ جنس کی ہو یا نوع کی ہو
 شئیگا یا تو مفعول بہ ہو یا مفعول مطلق ہو اور اگر اجزاء کے معنی ہوں تو مفعول مطلق ہو سکتا ہے۔ یہ بولا جملہ
 متعلق یوم کے ہو اس میں دو قول ہیں یا تو تعلق صفت و موصوف کا ہو اور فیہ محذوف ہو تاکہ ربط جملہ کا
 موصوف کے ساتھ ہو جاوے اور کسائی کہتے ہیں قاعدہ تدریج کا ہو کہ پہلے حرف جار حذف ہوا اور
 ضمیر فعل کو لاحق ہوئی پھر ضمیر حذف کر دی گئی یا مفعول مطلق ہو اور معنی شئیگا کے جزا کے ہیں۔

وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً۔ یہ دوسری صفت اُسی یوم کی ہو کہ اُس دن اُس سے شفاعت مقبول
 نہ ہوگی۔ شفاعت کے معنی سفارش کے ہیں ماخوذ ہو شفع سے کہ جو مقابل وتر کے ہو چونکہ اس میں ایک
 طالب کے ساتھ دوسرا شخص بھی اپنے کو ملا دیتا ہو اس واسطے اس فعل کو شفاعت کہنے لگے یہ دعا سے انحصار ہو۔
 وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ۔ یہ تیسری صفت اُسی یوم کی ہو کہ اُس دن کسی سے عدل بھی لیا جاوے گا
 عدل کے معنی اگر بالفح ہو تو ہر مساوی کو کہتے ہیں بعض نے جنس کی بھی تید لگائی ہو اس لحاظ سے عدل
 بالفح ایک مرد مقابل میں دوسرے مرد کے ہو تو عدل کمالیگا اور فدیہ کے معنی بھی ہیں اور مثل کے معنی
 بھی ہیں اور کبھی کفیل اور رشوت کے معنی میں بھی آتا ہو اور اگر بالکسر ہو تو محض مساوی جنس اور جرم میں
 مستعمل ہوتا ہو اور بعض عرب عدل بالکسر کو بھی فدیہ کی جگہ پر دیتے ہیں یہاں قرآنہ عدل بالفح ہو اور منہا
 کی ضمیر دوسرے نفس کی طرف راجع ہو کیونکہ وہی قریب ہو اور آگے ہمہ ینص دن کی ضمیر سے بھی موافق ہو
 تو اس صورت میں یہ معنی ہوئے کہ اگر شفاعت نفس ثانی کی کیا دینی تو وہ نہ قبول کیا دینی نہ اس کی طرف فدیہ لیا جاوے گا
 نہ وہ مرد کیے جاوے گی بعض لوگوں نے نفس اول کی جانب ضمیر پھیری ہو کہ جو وہ شفاعت کر گیا یا فدیہ دیا
 وہ مقبول نہ ہوگا لیکن سیاق و سباق و دونوں کے لحاظ سے اس احتمال کو ہم بہتر نہیں سمجھتے ہیں خصوصاً
 ہمہ ینص و ن کا جملہ کہ اس کی ضمیر اول کی جانب راجع کرنے میں بہت بعد ہو نصرت کے معنی معاونت اور
 مدد کے ہیں اس جگہ بوجہ اسکے کہ نکرہ سیاق میں نفی کے عام ہوتا ہو اس واسطے نفس عام ہو شامل ہو نفوس کثیرہ
 کس لحاظ سے ضمیر جمع کی لائی گئی ہو اور مذکر کی ضمیر باعتبار معنی ناس یا عباد کے ہو اسی جملہ سے یہ ظاہر کر دیا
 گیا ہے کہ نفوس مقہور و ذلیل ہیں خداوند عالم کی قدرت و سلطنت کے سامنے اگر وہ نہ چاہے تو کوئی مرد نہ کرے۔

عموماً دستور ہے کہ جب کسی سے مطالبہ کیا جاتا ہے اور وہ اُس مطالبہ سے بچنا چاہتا ہے تو پہلے وہ کسی کو نہیں تلاش کرتا ہے یا کوئی اپنے اوپر بارے لیتا ہے یا خود ادا کر دیتا ہے پھر اگر ان امور سے کچھ نہ ہو سکے تو اگر آدمی مالدار ہوتا ہے یا دل اُسکا بے پروا ہوتا ہے تو مطالبہ کے عوض فدیہ یا بدلہ دے کے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے اور اگر یہ ناممکن ہو یا بدل میں اُسکے مال کی محبت ہے تو پہلے وہ کسی کو سفارش کرنے والا تجویز کر کے اُس سے سفارش کراتا ہے اور اگر دل میں مال کی عزت زیادہ ہے تو پہلے سفارش کراتا ہے پھر جب اس سے مایوس ہوتا ہے تو فدیہ اور بدلہ دیتا ہے اس میں لوگوں کے مختلف احوال ہیں اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے ایک جگہ شفاعت کو مقدم کیا دوسری جگہ عدل کو مقدم کیا جیسا کہ آگے اسی بارہ میں دوسری جگہ آویگا پھر جب انسان ان دونوں باتوں سے مایوس ہو جاتا ہے تو پھر مدد طلب کرتا ہے اپنے حمایتی لاتا ہے اور قہر و غلبہ سے مطالبہ سے نجات حاصل کرتا ہے ان سب امور سے جب مایوسی ہو تو اُس وقت اولے مطالبہ کے سواے کوئی چارہ کار نہیں ہو اللہ جل شانہ نے اسی وجہ سے اس دن ان تمام حیلوں کی نفی کر دی اور متعین ہو گیا کہ اگر ادا سے مطالبہ نہ ہوگا تو کسی طرح مفر نہیں اس واسطے کہ نہ تو کسی کو قدرت ہے کہ وہ ادا کرے یا اپنے اوپر لے نہ سفارش کسی کی سنی جاوے گی نہ فدیہ اور بدلہ قبول کیا جاوے گا نہ کسی طرح کی کوئی معاونت یا نصرت ہوگی۔

اس آیت شریف سے یہ امر ظاہر ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کی سفارش و شفاعت نہیں کریگا اس واسطے کہ یا مطالبہ کو اپنے ذمہ لیکے اور ادا کر کے سفارش کریگا تو اُسکی اللہ تعالیٰ صاف طور پر نفی کرتا ہے لا تجزى نفس عن نفس شیئاً یا یون ہی محض اپنی وجاہت اور رسوخ کے غرے پر سفارش کریگا تو اُسکے لیے ارشاد ہوتا ہو لا یقبل منہا شفاعۃ تو جب شفاعت قبول نہیں ہوگی تو کیوں کوئی شخص اپنی وجاہت اور رسوخ کو ضائع کرے گا اور اپنی بات کو نفل کریگا اگر بدلہ دیکے سفارش کر سکتا ہو تو ظاہر ہے کہ ارشاد ہوتا ہو کہ لا یؤخذ منہا عدل کسی کی سفارش جب فدیہ دیکے بھی مقبول ہوگی تو بلا فدیہ دیے کیونکر مقبول ہو جاوے گی پھر باوجود اسکے اگر کوئی شخص اپنی قوت اور غلبہ سے کسی سفارش کرے گا تو اس سے بڑھ کر معاونت اور مدد اور کیا ہو سکتی ہے اُسکے لیے بھی نفی ہو گئی کہ وہ لا ینصرہ دن لہذا یہ بات صاف ہو گئی کہ اس آیت کی رو سے کسی طرح سفارش و شفاعت کسی شخص کی کوئی نہیں کر سکتا ہو اسی وجہ سے ایک گروہ کہتا ہے کہ قیامت میں کوئی صورت شفاعت کی نہیں نہ مؤمن اور صالح بلکہ نبی کسی مؤمن کی شفاعت کر سکتا ہے چاہے وہ گنہگار ہو یا گنہگار بھی نہ ہو نہ کافر کی کوئی شفاعت کر سکتا ہو کیونکہ یہ آیت صاف ہر طریقہ سے شفاعت کی نفی کرتی ہے اگر دلیل عقلی سے استدلال کیا جاوے

تو عقلاً بھی صحیح معلوم ہوتا ہو کہ خدا کے روبرو یوم الحساب میں کسی قسم کی سفارش نہ ہو سکے ورنہ مقصود شریعت اسلام کا بالکل فوت ہو جاوے گا اس واسطے کہ مقصود اسلام کا توحید ہو اور خدا کی شناخت ہو اور لوگوں کو شرک سے بچانا ہو اور عمرہ اوصاف کی ترغیب ہو اور بُری باتوں سے اجتناب کرنے کا حکم ہو اور اُن کے ارتکاب پر تنزیہ کی گئی ہو خصوصاً ہول قیامت اور حساب و کتاب اور جنت و دوزخ کے احوال ذکر کرنے سے یہی فائدہ ہو کہ لوگ ابھی باتیں کریں اور بُری باتوں سے بچیں لیکن امید شفاعت سے یہ سب فوت ہو جاتا ہو شفاعت کی توقع اگر ہو تو پھر ترغیب و کتاب و یوم جزا کا خوف بالکل مفقود ہوتی ہو اس واسطے کہ گناہ کرتے وقت امید شفاعت کی باعث جرأت زائد ہوتی ہو اور خیال ہوتا ہو کہ ہم سے یہ تصور ہو جاوے گا تو ہمارا فلاں شخص سفارش کر سکتا ہو ہر کوئی ایک گناہ پھر حساب و کتاب و یوم جزا کا خوف بالکل جاتا رہے گا خدا کی طرف سے ایسی بدظنی ہو جاوے گی جس سے اُس کے اوصاف جمیلہ میں نقص وارد ہوتا ہو کیونکہ سفارش جن صورتوں میں ہوتی ہو وہ سب صورتیں موجب نقصان ہیں بعض صورتوں میں ایک شخص نصف و عادل ہوتا ہو مگر تخاصمین میں ایک شخص اپنے مطالبہ کو قوت کے ساتھ بیان کرتا ہو اور دوسرا بیان کرنے سے قاصر رہتا ہو یا ایک شخص نہایت خیر خواہ ہو مگر مالک اُس کا بدخواہ سمجھتا ہو یا کسی سے کوئی قصور چوک کے ہو گیا مالک اُس کا ناواقفیت کے باعث اُس کو ترمذ سمجھتا ہو یا ایک حاجتمند کسی سے اپنی حاجت کا ذکر کرتا ہو مگر وہ باوجود قدرت کے اُس کی حاجت روائی نہیں کرتا ہو خواہ اس وجہ سے کہ اُس کی حاجت کا احساس نہیں کرتا ہو یا اُس کے مزاج میں بغل ہو یا کسی سے خاص عداوت اور ناراضگی ہو ان سب صورتوں میں سفارش کی جاتی ہو واقعات صحیحہ سے آگاہ کیا جاتا ہو شہادت دفع کئے جاتے ہیں اگر انہیں وجہ سے قیامت میں خدا کے روبرو شفاعت ہو تو ظاہر ہو کہ ماننا پڑے گا کہ خدا کو علم نہیں ہے یا وہ حاجت روائی خلق نہیں چاہتا ظلم اور تشدد کرنا چاہتا ہو اُس کو رحم و کرم نہیں ہے یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ خدا کے صفات کمالیہ کے بالکل خلاف ہیں کبھی ایسا ہوتا ہو کہ سفارش محض اس وجہ سے کی جاتی ہو کہ سفارش کرنے والا ذی وجاہت ہوتا ہو یا حاکم کو اُس کی پرواہ ہوتی ہو اُس کی ناخوشی سے ڈرتا ہو اگر یہ باعث شفاعت کا ہو تو ظاہر ہو کہ اس میں خدا کے استغناء کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہو اور اُس کو معلوم ہوتا ہو کہ بندہ کی پرواہ ہو اور اُس کی ناخوشی سے وہ موعوب ہو اُس کے رحم و کرم میں نقصان معلوم ہوتا ہو کہ دوسرے کو تحریک کرنے کی ضرورت ہوتی ہو اُس کو ظلم سے باز رکھنے کی دوسرے شخص کو ضرورت ہوتی ہو یا دوسرا شخص اُس کو ظلم پر آمادہ کر سکتا ہو بہر حال خدا کے اوصاف میں محبت کچھ نقائص پیدا ہو جاتے ہیں حالانکہ اسلام کی تعلیم کی بنا اس پر ہو کہ خدا تمام صفات کمالیہ کا

جامع ہو یہ بھی مشاہدہ ہوتا ہے کہ لوگ اس شخص کی زائد پرواہ کرتے ہیں جس کا رسوخ حاکم کے حضور ہوتا ہے بعض اوقات تو اس شخص کی خوشامد زائد کی جاتی ہے جو حاکم کا منہ چڑھا اور بادشاہ کا مصاحب خاص ہوتا ہے اگر شفاعت کی تجویز ہو تو پھر ضروری ہے کہ وہ شخص جس سے شفاعت کرنے کی توقع ہو زائد منظور نظر خلایق کا ہو جاوے بلکہ اس کی پرواہ بہت ہونے لگے اور تعظیم و تکریم اس درجہ بڑھ جاوے کہ عبادت کی حد تک پہنچ جاوے چنانچہ کفار عرب نے جب بعض معبودوں باطل کی جانب یہ اعتقاد کیا کہ وہ خدا کے یہاں شفاعت کریں گے تو ان کی عبادت کرنے لگے قرآن شریف میں بھی اسکا تذکرہ ہوا ارشاد ہوتا ہے مَا نَعْبُدُ إِلَّا إِلَهًا يُّؤْتِي الْحَيَاةَ وَالْمَوْتَ لَئِنْ أُنْذِرْتُمْ لَا تَنْفِرُوا اَللّٰهُ ذُلْفٰی اِنَّمَا تُعْبُدُوْنَ اِبَاطِلًا عِبَادَتِ صِرْفِ اِس غرض سے کرتے ہیں کہ وہ ہماری بخشش کا ذریعہ خدا کے حضور ہوں اور برابر دیکھا جاتا ہے کہ جبکا عقیدہ شفاعت پر ہو وہ انبیاء اور صلیاء اور مشائخ و اولیاء کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں اور اس درجہ مبالغہ کرتے ہیں کہ عبادت کے درجہ تک وہ تعظیم پہنچ جاتی ہے اس سے صحت معلوم ہوتا ہے کہ شفاعت ذریعہ شرک ہے اسلام نے تو توحید کی عام دعوت دی ہے اور اس کے احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سہ ذرائع شرک کرتا ہے لیکن یہ عقیدہ بالکل اس کے منافی ہے بجائے اس کے کہ سہ ذریعہ شرک ہو مگر بشرک ہی لہذا شفاعت ماننے کے قابل نہیں ہے۔ اور اسلام کا بڑا گروہ بلکہ عام طور پر تمام مسلمان اس امر کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ آیت خاص ہے اور قیامت میں شفاعت ہوگی معتزلہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی شفاعت ہوگی جو مرکب کبیرہ نہیں ہیں اور مقصود شفاعت سے صرف یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے ان کے درجات کی ترقی ہو اور جن سے معمولی لغزش ہو گئی اور مرکب صفائے کے ہیں انکی تفصیل معاف ہو جاوے گی فاسق مرکب کبیرہ اور کافر کی شفاعت نہ ہوگی بلکہ وہ لوگ قیامت میں خواہ مخواہ عذاب میں گرفتار ہوں گے البتہ جو لوگ مرکب کبائر کے ہوئے اور انھوں نے توبہ کر لی ہے ان کی شفاعت کی جاوے گی اور وہ بخش دیے جاوین گے۔

آشاعرہ کہتے ہیں مؤمن کی شفاعت ہوگی معتزلہ سے کہا جاتا ہے کہ تم جب اس آیت کو خاص سمجھتے ہو اور مرکب کبیرہ ہی کے لیے سمجھتے ہو تو ہلکے بھی اختیار ہے کہ اس آیت کو خاص سمجھیں اور محض کفار کے ساتھ اس آیت کو مخصوص سمجھیں اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ اور اشاعرہ کے درمیان تخصیص میں اختلاف ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص آیت میں اختلاف نہیں ہے بلکہ فاسق کے بارہ میں چونکہ اختلاف ہے اس واسطے معتزلہ کہتے ہیں کہ فاسق کی سفارش نہ ہوگی و دونوں کہتے ہیں کہ مؤمن کی شفاعت ہوگی اور غیر مؤمن کی شفاعت نہ ہوگی یہاں غیر مؤمن مراد ہے مگر معتزلہ فاسق کو غیر مؤمن کے

افراد سے شمار کرتے ہیں اور شاعر اُسکو مومن کے افراد سے سمجھتے ہیں اور جا بجا دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فسق کے ارتحاب سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے مومن رہتا ہے لہذا اس مسئلہ شفاعت میں ہکو معتزلہ کی تردید کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مسئلہ ایمان فاسق میں اُنکی تردید خاطر خواہ ہو چکی ہے یہاں پر اس نفی شفاعت کو عام کرنے والوں سے خطاب ہو سکتا ہے وہ لوگ جو خدا و رسول کے معتقد نہیں یوم جزا اور قیامت کے مقرر نہیں اُن سے بھی کلام دربارہ شفاعت قبل از وقت ہو اُنسے تو پہلے اقرار خدا اور توحید و رسالت و قیامت کرایا جاوے گا اور اُس کے بعد مسئلہ شفاعت میں اور تفصیل احکام میں گفتگو ہو سکتی ہے ہمارے نزدیک یہ آیت مخصوص ہے جس طرح اکثر کلام عرب میں عام بولا جاتا ہے اور خاص مراد لیا جاتا ہے اور اُس پر قرآن موجود ہوتے ہیں اسی طرح یہاں پر بھی اُسکے قرائن کے باعث تخصیص کیجاتی ہے ابھی اوپر ذاتی فضلہ کہ علی العالمین من العالمین کی تخصیص کی گئی ہے بنی اسرائیل میں سے وہ مراد نہیں جو ملعون و مردود ہوئے اور عذاب میں مبتلا ہو گئے اور بند را در سور کر کے ہلاک کیے گئے ظاہر ہے کہ اُنکو کیا فضیلت ہے اور جن پر فضیلت دی گئی ہے وہ بھی مخصوص ہیں۔

کتنے لوگ ہیں کہ ملائکہ پر بشر کو فضیلت نہیں دیتے وہ ملائکہ کی تخصیص کرتے ہیں جو بشر کو ملائکہ پر افضل بھی کہتا ہے وہ بھی امت محمدی کو اور دیگر صلحاء و عباد کو دوسرے زمانہ میں بنی اسرائیل سے خواہ مخواہ مفضول نہیں سمجھتے ہیں جیسا کہ اوپر تخصیص کی صورت میں گذر گئی ہیں استغراق ہوتا ہے مگر عرفی مراد لیا جاتا ہے فرد کامل مراد ہوتا ہے جو شخص عربی زبان سے واقف ہے وہ اس امر کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ ایسے مقام پر عام کی تخصیص لازمی ہے جہاں قرینہ صارفہ موجود ہو یہاں پر ایسا ہی ہے اس واسطے کہ اگر اس آیت کو ہم عام لیتے ہیں تو بہت سی نصوص شرعیہ کی مخالفت لازم آتی ہے اور اختلاف کلام آئی میں بلکہ تضاد یہ باتفاق اہل اسلام ممنوع ہے یا اُس آیت میں تخصیص کر کے تاویل کرینگے یا دوسری آیتوں کے ایسے معنی کہیں گے جن سے تعارض دور ہو لیکن ہم جب سیاق و سباق اس آیت کا دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تخصیص زاید قرینہ کے موافق ہے کیونکہ خطاب اوپر سے بنی اسرائیل سے ہے جو کفار تھے اور بعد اس آیت کے بھی وہی مذکور ہیں لہذا یہ حکم کافرون کے حق میں ہے جو غیر کفار اس حکم کے مخاطب نہیں ہیں پھر اگر ہم دیگر آیات کو مطالعہ کرتے ہیں تو تمام آیات کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ آیت مخصوص ہے شفاعت کے ثبوت پر کبھی آئین ہیں اور نفی پر بھی یہ آیت ہے تو اب دیکھنا ہے کہ شفاعت قیامت میں کون کون سکتا ہے اور کسکی شفاعت ہو سکتی ہے اور کسکی شفاعت نہیں ہو سکتی ہے جب یہ واضح ہو جاوے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ لوگ کون ہیں جنکی شفاعت نہیں ہو سکتی ہے وہی یہاں مراد ہیں اور دوسرے مراد نہیں ہیں۔

کون لوگ شفیع ہو سکتے ہیں قرآن شریف میں استثنائے کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حکم استثناء یہ ہے کہ جو
 ماقبل استثناء کے حکم ہوتا ہے اس کا عکس مابعد استثناء ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں جاءنی القوم الا نریذ
 قوم آئی میرے پاس مگر زید نہیں آیا اسی طرح کہتے ہیں ما شرب من هذا الماء الا فلان کسی نے
 اس پانی کو نہیں پیا مگر فلان نے اس پانی کو پیا ایک وقت زید مثلاً کہے کہ لا اعطی شیئا لاحد منکم
 کوئی شے نہ دوں گا مگر دوسری جگہ کہے لا اعطی شیئا لاحد الا من جاء عندی راکباً میں کسی شخص کو
 کچھ نہ دوں گا مگر اس شخص کو بوجہ یہ ہے۔ پاس سوار آئے ظاہر ہے کہ ان دونوں کلاموں کے درمیان تطابق
 اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جب پہلا کلام بھی استثنائی منہ کے مانند کر دیا جاوے اور کہا جاوے کہ اُس کلام
 میں بھی یہ ملحوظ ہے کہ راکب کو عطادی جاوے گی پہلے کلام کے عموم میں بقرینہ اگر تخصیص ہو سکتی ہے
 تو تخصیص کی جاوے گی ورنہ کہا جاوے گا کہ پہلا کلام ناقص ہے پوری مراد ظاہر نہیں کر سکتا ہے یہاں چونکہ
 قرینہ بھی موجود ہے اور کلام بھی نقص سے پاک ہے اس واسطے تخصیص لازمی ہو جاوے گی اس تہید کے بعد
 ہم کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں آیا ہے ما من شفیع الا من بعد اذنه کوئی شفیع نہیں ہے مگر بعد
 اُسکی اجازت دینے کے یہ آیت سورہ یونس گیارہویں پارہ میں ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے
 اجازت دینے کے بعد شفیع ہو سکتا ہے یہ ظاہر ہے شفاعت کسی ایسے شخص کے مطالبہ کے بارہ میں طلب
 عفو کرنا ہے جس کے مطالبہ میں عفو بدو ن اس سفارش کے غیر متوقع ہو اگر یہ شفاعت نہ کرے تو عفو
 نہ ہو تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ کوئی شخص شفاعت نہیں کر سکتا ہے مگر بعد اللہ کے
 اذن کے یعنی کسی مجرم کے بارہ میں کوئی عفو تقصیر نہیں چاہ سکتا ہے جب تک کہ اللہ اسکو اجازت نہ دے
 اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اوپر کی آیت یا بنی اسرائیل الا یہ من الا من بعد اذنه کا
 استثناء ہے ابھی یہ امر متنبہ ہے کہ اوپر کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کوئی سفارش نہیں
 کر سکتا ہے احتمال یہ ہے کہ شفاعت اذن سے تو ہو سکتی ہے مگر دنیا میں یا روز قیامت کے بعد لیکن ہم
 قیامت میں شفاعت نہیں ہو سکتی اس صورت میں استثنائے کی ضرورت نہیں ہے بالخصوص اس جگہ
 کس سے سفارش کی جاوے اس کا ذکر نہیں ہو ممکن ہے کہ دنیا میں سفارش اللہ کے اذن یعنی اُسکے
 حکم کے موافق ہو سکتی ہو جبکی تحریر بھی آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اس سے یہ کہاں سے
 ثابت ہوا کہ قیامت میں اللہ سے کوئی سفارش اُسکے اذن سے کر سکتا ہے قرآن شریف کی آیات
 میں تالاش سے اس احتمال کا دفعیہ بھی مل جاتا ہے اس واسطے دوسری جگہ بارہ سویم آیت الکرسی میں
 ارشاد فرماتا ہے من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنه کون ہو وہ جو شفاعت کرے اُسکے پاس

کسی کی مگر اس کے اذن سے اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ مراد لوگوں کے پاس سفارش کرنا نہیں ہے بلکہ خدا کے روبرو مقصود ہو لفظ عندہ نے اشتباہ بالکل دفع کر دیا مگر ابھی یہ احتمال باقی ہے کہ دنیا میں یا بعد یوم حشر شفاعت خدا کے نزدیک ہو سکتی ہو مگر قیامت میں نہیں ہو سکتی ہو چنانچہ استغفار دنیا میں اور سفارش دنیا میں اللہ کی درگاہ میں بھی مشروع ہو اس احتمال کے متعلق قرآن شریف میں جو تالاش کی گئی تو ایک آیت نہایت صاف ملی کہ قیامت میں خدا کے روبرو بعض لوگ شفاعت کریں گے جن کا استثناء نفی شفاعت سے کیا گیا ہے سورہ طہ سولہویں پارہ میں ہو یومئذ لا منفع الشفاعۃ الا من اذن له الرحمن ورضیٰ له قولا اُس دن جس کی حالت اور پر مذکور ہو چکی اور وہ قیامت کا دن ہو اُس دن کسی کی شفاعت نفع مند نہ ہوگی مگر اُس کی شفاعت نفع مند ہوگی جس کو رحمن نے شفاعت کی اجازت دی ہو اور اُس کا قول خدا کو پسند ہو ان آیات سے واضح ہو گیا ہے کہ قیامت کے دن بعض ایسے لوگ ہونگے جن کو اذن ہوگا کہ شفاعت کریں لہذا بالکل شفاعت کرنے کی نفی عموماً صحیح نہیں جواب یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ جل شانہ نے من اذن له الرحمن سے مراد لیا ہے اور جو اسکے مصداق ہو سکتے ہیں یہ مجمل ہے اور ظاہر ہے اجمال قرآنی کا دفع کرنے والا اور بیان کرنا والا کلام رسول حدیث شریف ہے بیان تو حدیث آحاد سے ہوتا ہے مگر یہاں حدیث متواتر المعنی بلکہ متواتر اللفظ بھی کہی جاوین تو موجود ہیں جسے من اذن کی تعین ہو سکتی ہو شفاعتی کا اہل الکبائر من امتی کتب احادیث و تفاسیر میں مشہور و متواتر ہے بخاری و مسلم وغیرہ میں حدیث شفاعت عامہ کی مذکور ہے ارشاد ہوتا ہے کہ خلافت جب آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کی شفاعت کی درخواست لا چکینگے اور میرے حضور میں آویں گے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں شفاعت کے لیے تیار ہو جاؤں گا اور کہوں گا کہ یہ میرا ہی حق ہے پھر حضرت زیر عرش تشریف لے جاوین گے اور سجدہ کرینگے اور اُس میں اُن اسماء کی تسبیح کرینگے جن کا علم پہلے سے کسی کو نہیں ہے تو اُس وقت ارشاد ہوگا ارفع راسک و قل سمعہ و اشفعہ تشفع سرٹھائے فرمائیے سنا جاوے گا سفارش کیجئے سفارش مقبول ہوگی اسی طرح مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے وہ بھی حدیث طویل ہے تمام انبیاء نے اپنی مخصوص دعا کر لی مگر میں نے اپنی دعا اٹھا رکھی قیامت کے دن میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ من اذن میں اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ شفاعت کی اجازت صرف اُن حضرت ہی کو دی جاوے گی یا دوسرے بھی اس میں شریک ہیں تو جب ہم قرآن شریف کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء مکملہ صلح المؤمنین سب اس صفت میں شریک ہیں

اس واسطے کہ اُذن سے شفاعت صادر ہوئی یا وہ شفاعت کے مامور ہیں ظاہر ہے کہ بعد وقوع کے امکان سے بحث نہیں ہوتی ہے اور امر وہی ہوتا ہے جو وسعت میں ہو کلا یکلف اللہ نفساً الا وسعها انا زودہ لوگ جنکی شفاعت قرآن شریف سے ثابت ہو اُن میں حضرت ابراہیم ہیں ارشاد فرماتے ہیں فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانه غفورٌ رحيم اسی طرح حضرت عیسیٰ ہیں کہ فرماتے ہیں ان تعذبهم فانه عبدك وان تغفر لهم فانه انت الغفور الرحيم ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان نبیوں نے گناہگاروں کی عفو تقصیر طلب کی ملائکہ کی شان میں ہے و يستغفرون لمن في الارض اور استغفار کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو زمین میں ہیں۔

اس آیت سے شبہ ہوتا ہے کہ تمام زمین کے ذوالعقول کے واسطے استغفار کرتے ہیں جن میں کفار بھی داخل ہیں تو اس شبہ کو دوسری آیت دفع کرتی ہے سورہ مؤمن چوبیسویں پارہ میں ہے۔
الذين يحملون العرش ومن حوله يسبحون بحمد ربهم ويستغفرون للذين امنوا
اُنکی دعا بھی ارشاد فرمادی گئی رہنا وسعت کل شیء رحمۃ وعلما فاغفر للذين تابوا واتبوا
سبيلك وقهم عذاب الجحيم اس آیت میں ظاہر فرمادیا کہ وہ لوگ ایمانداروں کے لیے استغفار کرتے ہیں اور کہتے ہیں تو اُن لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ اور تیری راہ کی پیروی کی ظاہر ہے کہ تمام گناہوں سے توبہ مقصود نہیں ہو ورنہ لازم یہ آوے کہ اگر ایک شخص ایک گناہ سے توبہ نہ کرے تو اُس کے دوسرے گناہوں کے لیے جن سے اُس نے توبہ کی ہو مغفرت کی دعا نہ ہو بلکہ مراد اس سے کفر سے توبہ کرنا ہے اور دین اسلام جو اللہ کی راہ ہو اُسکو اختیار کرنا ہے لہذا یہ واضح ہو گیا کہ ملائکہ برابر طلب عفو گناہگار اہل ایمان کے لیے کرتے ہیں اور تخصیص اسکی بھی آیت متاخر نے نہیں رکھی کہ وہ لوگ زمین پر ہی ہوں بلکہ جہاں پر ہوں ملائکہ استغفار کرتے ہیں اس واسطے کہ تخصیص بالذکر کہ آیت مقدم میں ہو اور لفظ فی الارض موجود ہو نفی عما داکي جو بیان عام ہی غیر فی الارض کو بھی شامل ہی نہیں کرتی ہے۔

اب یہ خود اللہ چاہتا ہے امداد دیتا ہے کہ طلب عفو کیا جاوے اور مجرم کی اس طرح مرد و بچہ توبہ کا عدم وقوع ناممکن ہو اس کے لیے بھی ہم قرآن شریف کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ خود ان حضرت سے شفاعت کرنے کو طلب کرتا ہے اور است کی شفاعت کرنے کا حکم دیتا ہے سورہ محمد چھبیسویں پارہ میں فرماتا ہے واستغفر لذنوبك وللمؤمنين المؤمنين اور طلب مغفرت کیجیے آپ اپنے ذنب اور مؤمنین و مؤمنات کے گناہوں کے لیے یہ امر ہے جو

مفید و جوب ہی علاوہ برین ہکو حکم ہوتا ہو کہ وہ درود پڑھیں جسین طلب رحمت ہو ظاہر ہو کہ یہ شفاعت نہیں ہی بلکہ خاص دعا ہی اس واسطے کہ ایسے شخص کے لیے ہو کہ اُس پر رحمت نازل ہی ہوتی رہتی ہی ہمارے درود پڑھنے نہ پڑھنے کو رحمت نازل ہونے میں کوئی دخل نہیں دوسرے حضرت اسقدر اعلیٰ و ارفع ہین کہ جن کو ہماری شفاعت کی ضرورت نہیں ہو یا وجود اسکے تحیہ ہونے سے خالی نہیں ہو امت کا تحیہ آن حضرت کے لیے جب پہونچے گا تو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم ہو جاوے گا کہ ویسا ہی تحیہ کریں اور ہمارے لیے بھی رحمت نازل ہونے کی دعا کریں بلکہ اس بہتر تحیہ کریں چنانچہ معروف فی الشرع ہو کہ آن حضرت کے درود و شنبہ اور خشنبہ کو اعمال امت پیش ہوتے ہین اور آپ اگر اچھے اعمال ملاحظہ فرماتے ہین دعاے ترقی مدایج کرتے ہین اور خوش ہوتے ہین اور اگر بد اعمال ملاحظہ فرماتے ہین تو ملول ہوتے ہین اور مغفرت کی دعا کرتے ہین ہی تحیہ حضور کا ہو اور قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہو سورہ نسا پانچوین پارہ میں ہو وَلَا ذَا حِیْتَمَ تَحِیْتُهُ فِیْہَا بَا حَسَنَ مِنْہَا اوردوھا جب تم سے تحیہ کیا جاوے تو تم کو چاہیے کہ تم اُس سے اچھے طریقہ پر تحیہ کر دیا اُسی کا ایسا لوٹا دو ایما دارون کی شان میں ارشاد فرماتا ہو سورہ نسا پانچوین پارہ میں ہو وَلَوْ اَنھُمْ اذ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَاءُوْکَ فَاسْتَغْفِرْ وَاَللّٰھُ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمْ الرَّسُوْلُ لَوْ جَدَّ وَاَللّٰھُ تَوَّابًا رَّحِیْمًا اگر اُن لوگوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی تھی گناہ کیا اور وہ آپ کے حضور میں حاضر ہوئے پھر اُنھوں نے خود اپنے گناہوں کا اللہ سے عفو طلب کیا اور آپ نے بھی اُن کے لیے استغفار چاہا تو اللہ کو وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پادین گے ظاہر ہو کہ دامن رسول کے زیر سایہ آنے والے کفار نہ ہونگے تو اس جگہ ظلمو اسے عصوا غیر الکفر مراد ہوگا یعنی اُنھوں نے گناہ کیے جو غیر کفر ہین ورنہ کفر سے توبہ کرنے کے متعلق دوسرے آیات و احادیث موجود ہین اس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ لوگوں کو تحریر کی جاتی ہو کہ وہ آن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنے گناہوں کے لیے آن حضرت سے سفارش کراوین خود استغفار کرنا کافی نہیں ہی چنانچہ صحابہ کا برابر دستور تھا اور امت کا زمانہ صحابہ سے لیکے اب تک دستور ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جاتے ہین اور طلب عفو کی درخواست کرتے ہین اور شفاعت چاہتے ہین۔ علاوہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مومنین خود باہم مامور ہین کہ ایک دوسرے مومن کے لیے طلب عفو اور شفاعت کریں استغفار کا حکم دیا گیا ہو اور اس استغفار کا اثر مرنے کے بعد بھی ہو نماز جنازہ محض استغفار کے لیے مشروع ہوئی ہو اور وہ لوگ جو میت کو بالکل معدوم نہیں

بچتے ہیں بلکہ حی اعتقاد کرتے ہیں اُن کے نزدیک تو یہ ہو کہ بوجہ آیت و اذا حیئتم تجمیع الایہ کے جب اہل ایمان مسلمانوں کی قبروں پر جا کے سلام و تحیہ و استغفار کرتے ہیں تو اُن کو بھی لازم ہوتا ہو کہ وہ بھی اُس سے اچھا تحیہ پیش کریں کہ اُس کو دو ہر اذین اس جگہ یہ امر باقی رہ گیا کہ جن لوگوں کو شفاعت کی اجازت ہوگی اور جو مذکور ہوئے یعنی انبیاء اور ملائکہ اور ایماندار وہ سب کی شفاعت کرینگے سب کی شفاعت کرینگے یا کسی خاص جماعت کی اسپر غور کرنے کے لیے جب ہم نے قرآن شریف کو تالاش کیا تو ہم نے پایا سورہ انبیاء سترھویں پارہ میں فرماتا ہے ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ وہم من خشیتہ مشفقون وہ شفاعت نہ کریں گے مگر اُسی شخص کی کہ جو مرتضیٰ ہو اور وہ لوگ جو شفاعت کرنے والے ہیں اللہ کی خشیت کے باعث بہت خائف ہیں یہ نہیں کر سکتے کہ غیر مرتضیٰ کی شفاعت کریں ظاہر ہو کہ مرتضیٰ کافر تو ہی نہیں اور غیر مرتضیٰ مشغور صالح تو ہو نہیں سکتا اس واسطے کہ اُس کی شفاعت کا کوئی ثمرہ نہیں ہو یہاں مراد وہی ہوگی جو باوجود اس کے کہ مرتضیٰ ہی محتاج طلب عفو کا ہو وہ گنہگار امت محمدی کا اور ایماندار ہو کہ بلحاظ ایمان کے مرتضیٰ کا لفظ اُس پر صادق آتا ہو اور باعتبار گناہ کے محتاج طلب مغفرت کا بھی ہو اس تخصیص کو یعنی غیر کافر مراد ہو اور اس تکمیل کو کہ گنہگار کی بھی شفاعت ہو سکتی ہو اور یہاں مرتضیٰ میں وہ بھی داخل ہو جب قرآن شریف سے ہم نے تالاش کیا تو اُس کے لیے سورہ مزیم سو لھویں پارہ میں آیت ملی یوم یخسر المتقین الی الرحمن و عندا و نسوق المجرمین الی جہنم و رد الا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمن عهدا اُس دن کہ ہم اُٹھائیں گے پر ہر گز رونا کو کہ جو رحمن کی طرف بطور وفد کے جائینگے اور ہر گز گنہگاروں کو جہنم کی جانب جانوروں کے طور پر کوئی انہیں سے سفارش لانے کی قدرت نہ رکھیں گے مگر وہی شفاعت لانے پر قادر ہوگا جس نے رحمن کے پاس عہد اختیار کیا ہو ظاہر ہے کہ عہد سے مراد توحید و ایمان ہو جیسا کہ اوفا بعهدی اوقت بعہد کہ میں گذر چکا ہو تو جو شخص عہد کو اختیار کرے گا اور اُس کو پورا کرے گا وہی شفیع لاسکے گا وہ کون ہوگا وہ موجد و مؤمن ہوگا چنانچہ اس آیت کی تفسیر اور بیان شفاعتی لاہل الکبار سے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی کہ مراد اس سے مومن ہیں تو اب شفاعت جن کی کی جاسکتی ہے وہ مومن ہیں غیر مومن کی شفاعت نہیں کی جاسکتی اب یہ دیکھنا ہو کہ غیر مومن جن کی شفاعت نہیں کی جاسکتی وہ کون ہیں تاکہ معلوم ہو جاسکے کہ آیت مذکورہ صدر میں نفی شفاعت کی جو کی گئی ہو اُسی کے واسطے مخصوص ہو قرآن شریف میں سورہ مدثر اُتیسویں پارہ میں ہو قالوا لعلنا من المصلین و لعلنا نطعم

المسکین وکناخوض مع الخاضعين وکنا نکذب بیوم الدین حتی ائنا الیقین فیما
تنفعهم شفاعته الشافعين اُن لوگون نے کہا کہ ہم تو نہ نماز پڑھنے والوں میں سے تھے نہ مسکین
کھانا کھلاتے تھے یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے اور ہم باتوں میں بیٹھتے تھے بیٹھتے والوں کے ساتھ اور ہم دین
دن یعنی قیامت کو جھٹلاتے تھے وہ آئینہ نہیں اور یہ تکذیب اُس وقت تک رہی جب تک کہ ہمارے پاس یقین
یعنی موت آئی تو اُنکو شفاعت سفارش کرنے والوں کی نفع مند نہ ہوگی اس سے صاف ظاہر ہو کہ
جن لوگون کے واسطے یہ حکم ہو کہ اُن کو سفارش نفع مند نہ ہوگی یعنی قبول نہیں کی جاوے گی وہ وہ لوگ
ہیں کہ نماز پڑھنے والے یعنی ایمان داروں میں سے نہیں ہیں یہ نہیں کہ وہ نماز شامت سے نہیں
پڑھتے تھے بلکہ مصلین کے زمرہ سے نہیں تھے اسکی نظیر اوپر گذر چکی ہو کہ اِدکھوامع الہر اکعبین
یہودے ارشاد ہوا کہ نماز مسلمانوں کے ساتھ پڑھو یعنی اسلام کی علامت کہ جو نماز ہو اُسکو بجا لاؤ
یہ اُسکو بجا نہیں لاتے تھے اس سے صاف اور واضح اس جملہ سے کہ ہم جھٹلاتے تھے یوم دین و
روز جزا کو ہو جاتا ہو کہ یہ لوگ کافر تھے اور حتی ائنا الیقین سے یعنی مرنے کے وقت تک تکذیب
کرتے رہے ظاہر ہو گیا کہ کافر ہی مرے آخر دم تک ایمان نہیں لائے اُنکی جزا یہ ہو کہ وہ شفاعت سے
محروم ہیں نہ کہ وہ لوگ جنہر یہ اوصاف صادق نہیں آتے ہیں گو یہ آیت صاف ثابت کر رہی ہو
کہ کافر مراد ہیں کہ جن کے لیے شفاعت مقبول نہ ہوگی پھر بھی صراحت اسکی اگر دیکھنا ہو تو بھی قرآن
شریف سے معلوم ہو سکتا ہو کہ محروم الشفاعۃ کفار ہیں سورہ مائدہ چھٹے پارہ میں ارشاد فرماتا ہے
وما للظالمین من انصاف ظلم کرنے والوں کے لیے مددگاروں میں سے نہیں ہو اور فرماتا ہے
سورہ مؤمن جو مبسوطین پارہ میں وما للظالمین من حمیم ولا شفیع یطاع اور ظالموں کے
لیے نہ تو کوئی دوستی کرنے والا ہو نہ کوئی ایسا شفیع ہو جسکی اطاعت کی جاوے اس سے یہ معلوم ہوا
کہ ظالموں کی شفاعت نہ ہوگی اور بزرگ ہو چکا ہو کہ ظلم سے یہاں گناہ مراد نہیں کہ جس کے کرنے سے
آدمی محروم شفاعت ہو جائے مگر کفر مراد ہو اس سے ظالم ہو گیا کہ ظالم کہ جو کافر ہیں محروم شفاعت ہیں وما للظالمین
بنسبہ وہ الکافون کے ہر اس پر دوسری آیت قرآن شریف کی دلالت کرتی ہو کہ اس موقع پر ظالم سے مراد کافر ہو سورہ
تقریس پارہ میں فرماتا ہو من قبل ان یاتی یوم لا ینفع فیہ ولا خلة ولا شفاعۃ والکافون ہم الظالمون
قبل اس کے کہ وہ دن آوے جس دن نہ دوستی کام آوے گی نہ شفاعت اور کافر ہی ظالم ہیں
دوسری جگہ مشرک کو بھی اس میں شمار کیا ہو بلکہ شرک کو ظلم عظیم فرمایا ہو ان الشرک لظلم عظیم
شرک بہت بڑا ظلم ہو ظاہر ہو کہ بڑا کافر تو مشرک ہی اسی وجہ سے ارشاد فرمایا ان الله لا یغفر ان یشرک به

و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء اللہ اُس شخص کو ہرگز نہ بخشے گا جس نے شرک کیا اور شرک سے کم درجہ پر جو گناہ ہو اُس کو جس شخص کے لیے چاہے تو بخش دے اُس جگہ شرک بولا ہو جو بڑا ظلم ہے اور ظلم سے مراد کفر ہی جیسا کہ اوپر گذرا اِنذا لفظاً ان شرک فرمایا مگر مراد اُس سے کفر ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ اس کی تصریح کر دی کہ کفار کے لیے چاہے طلب عفو اور شفاعت کی جاوے یا نہ کی جاوے وہ ہرگز بخشے نہ جاوے گے سوا علیہم استغفرت لہم امر لہم تستغفر لہم لن یغفر اللہ لہم برابر ہو اُن پر چاہے آپ اُنکے لیے طلب مغفرت کریں یا نہ کریں ہرگز اللہ اُن کو بخشے گا نہیں دوسری جگہ سورہ توبہ دسویں پارہ میں ارشاد فرماتا ہو ولا نقض علی احد منہم مات ابدًا ولا تقمہ علی قبرہ انہم کفروا باللہ آپ اُس پر کبھی نادر جنازہ نہ پڑھیے جو اُن میں سے مر جاوے اور نہ اُس کی قبر پر بٹھریے اُنھوں نے کفر اللہ کے ساتھ کیا ہو اُن آیات و احادیث سے معلوم ہو گیا کہ کفار کی شفاعت مقبول نہ ہوگی جب آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ مومنین کی شفاعت ہوگی اور انبیاء و صلحاء اور عامہ مومنین اور ملائکہ اُن کی شفاعت کریں گے اور جو کفر پر مر اُس کی شفاعت نہ ہوگی تو اب ضرور ہوا کہ آیت کے ظاہری عموم کو عرفی عموم پر محمول کریں اور اس کے معنی کہیں کہ جس دن کوئی سفارش کرنے والا کسی خدا کے دشمن کا فر کی سفارش نہ کرے گا تاکہ تمام آیات اور نصوین میں اتفاق ہو جاوے نہ کہ تضاد رہے۔

اب رہ گیا عقل کے خلاف ہونا شفاعت کا تو اُس کے متعلق یہ غور کرنا ہو کہ وہ عقلاً جو خدا کے منکر ہیں اور قیامت کے منکر ہیں اسات کے منکر ہیں ان کے اقوال سوائے شفاعت میں قابلِ سماعت نہیں اس واسطے کہ اُن کے دوسرے اقوال کہیں زیادہ قابلِ گرفت ہیں جو اس مسئلہ سے بھی اہم تر مسائل اور واضح تر امور میں ہیں اور یقیناً غلط ہیں دیکھنا اُن حکما کے اقوال کو ہو جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور یومِ حشر کے قائل ہیں اعمال کے عوض جزا و سزا ملنے کے مقرر ہیں اُن کے اقوال سے اگر شفاعت کا خلاف عقل ہونا ثابت ہو تو قابلِ توجہ ہو ورنہ قابلِ توجہ نہیں ہو اُن میں سے شیخ ابو علی سینا اور علم اول فابالی سے یہ لوگ شفاعت کے امکان کے قائل ہیں اور اپنے اصول کے موافق شفاعت کو ممکن سمجھتے ہیں اُنکے نزدیک تمام اسباب کا مسببات سے ارتباط بطور ایجاب ہو اور خداوند عالم مبدی فیاض ہو اُس میں خل نہیں ہو مگر اُس کا فیضان مادہ کی قابلیت پر موقوف ہو بعض مواد ضعف قابلیت کی وجہ سے اُس کے فیضان کو قبول نہیں کرتے ہیں تو جو قوی قابلیت رکھتے ہیں وہ بہ ذریعہ حصول فیضان کا اُن ضعفاء کے لیے ہو جاتے ہیں اس لحاظ سے بہ قوی شفیع ہوئے اُن ضعفاء کے لیے اسکی نظیر و تمثیل

امر شاہد ہے دیکھ کر قریب الذہنی اس طور پر کرتے ہیں کہ مثلاً آفتاب ہو کہ اُس کی روشنی ہر شے کو پہنچ سکتی ہو مگر بعض اجسام مواجہہ تمام نہیں رکھتے ہیں وہ اُسکی روشنی سے بوجہ اپنے مادہ میں مانع ہونیکے فائدہ نہیں حاصل کر سکتے ہیں اُسکی روشنی سے محروم ہیں تو اگر آفتاب کے سامنے آئینہ یا پانی رکھ دیا جاوے تو اُس وقت اُس سے انعکاس کے ذریعہ سے روشنی اُن اجسام تک پہنچ جاتی ہو۔

یہ تو ان عقلا کے اصول پر ہے مگر ہم لوگ اللہ کو قادر مختار سمجھتے ہیں اُس کے افعال معلل بالاغراض نہیں سمجھتے اُس کو علت تامہ نہیں مانتے ہیں کہ وہ فاعل ہو جیسے بڑھئی اور وہ محتاج تحت بنانے میں لکڑی یعنی مادہ کی جانب ہو اور صورت اور غایت اُسکے فعل پر مرتب ہوتی ہو جب تک نہ ہو کسی طرح وجود تحت کا ہو ہی نہیں سکتا ہی ہم تو اذا اراد الله شيئا ان يقول له كن فيكون کے قائل ہیں کہ وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے ہر شے کو خلق کرتا ہو فاعل مختار کے افعال میں غایت کی ضرورت نہیں ہو نہ اُس کے اغراض معلل بالاغراض ہوتے ہیں بسا اقل بے غایت و غرض حرکات کرتا ہو جیسے عقلا کا منہ بھون پرتا و دینا بالکل بلا غرض ہوتا ہو بلکہ اسکی حکمت بھی کچھ محسوس نہیں ہوتی ہو خدا چونکہ حکیم ہو اُسکے افعال اگرچہ معلل بالاغراض نہیں ہوتے تاہم حکمتیں اُس پر مرتب ہوتی ہیں جن افعال کی حکمت اُس نے خود ظاہر کر دی ہم کو معلوم ہو گیا اور جن افعال کی حکمت اُس نے خود ظاہر نہیں کی اُنکی حکمت ہم تلاش کرتے ہیں کبھی ہم کو حکمت معلوم ہو جاتی ہو اور کبھی ہم قاصر رہتے ہیں اور جو حکمتیں ہم کو معلوم بھی ہوتی ہیں اُن کے متعلق بالیقین ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اُنکی حکمت یہی ہو ممکن ہو کہ اُنکی حکمت دوسری ہو جس کو ہم نہ جانتے ہوں جب کہ یہ اصول ہو تو اب ہمارے روبرو شفاعت کے متعلق یہ سوال پیش نہیں ہو سکتا ہو کہ اسمیں یہ نقصان ہو اور یہ بے فائدہ ہو اور اُس کی غرض کچھ نہیں ہو کیونکہ جب یہ معلوم ہوا کہ یہ اللہ نے خلق کر دیا اور واقع میں اسکا وجود ہو گیا تو اُس پر حکمتوں کا مرتب ہونا ضروری ہو شفاعت کو دلائل شرعیہ سے ہم ثابت کر آئے کہ واقع ہوگی اور خدا کے حکم سے ہوگی جو حکمتیں اُسکی بننے محسوس کی ہیں ممکن ہو کہ وہ حکمتیں اُسکی نہ ہوں اور اگر فرض کیا جاوے کہ وہی حکمتیں ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان ناامید ہو جاتا ہو تو ہر فعل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہو جب کوئی گناہ کر کے ناامید ہو گیا کہ کسی طرح اُسکی بخشش نہ ہوگی نہ وہ توبہ کرنے کی قدرت رکھتا ہو اپنی طبیعت سے مغلوب ہو اور اُسکو کوئی صورت بخشش کی بھی معلوم نہیں ہوتی ہو تو پھر اُس کو کفر کرنے میں باک نہ ہوگا لیکن جب اُسکو توقع ہوگی کہ غیر کافر کی سفارش بھی ہو سکتی ہو تو اس توقع کے باعث وہ کفر سے اجتناب کر لگا ممکن ہو کہ اللہ کی شان رحم اس سے ہو یا ہو کیونکہ خلاف وعید کرنا

کرم ہو اور اُس کے ضمن میں اپنے ایک بندہ کی یا ایک عمل کی فضیلت ظاہر کرنا ہو مثلاً انبیاء علیہم السلام کے یا حفظ قرآن کی یا تحصیل علم کی جب لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا کہ فضائل نہ صرف اپنے کو بخشتا ہے بلکہ ان اعمال کے کرنے سے دوسروں کی بھی شفاعت کر سکتا ہو تو اعمال خیر کی طرف توجہ ہوگی اپنے بچوں کو تحصیل علم کروا دینا یا قرآن حفظ کرنے کی طرف متوجہ ہوگا احادیث شریف میں جب لکھا ہو کہ فلان فلان گناہوں کی میں شفاعت نہ کروں گا تو اس اندیشہ سے کہ شفاعت سے محروم ہو جاؤں گا اُن گناہوں سے اجتناب کریگا یا اُسکو جب معلوم ہو جاوے گا کہ شرک سے محروم شفاعت ہو جاتا ہو تو وہ شفاعت کے غرہ پر شرک کیسے کریگا بلکہ زائد اجتناب کریگا غرض کہ عقلی و نقلی دلائل سے ثبوت شفاعت ہو گیا واللہ اعلم

مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعد اس بحث شفاعت کے چند شبہات کے باعث ایک مختصر مضمون اضافہ کر دوں جس سے علاوہ دفع شبہات کے شفاعت کا مفہوم اچھی طرح سے ذہن نشین ہو جاوے گا۔ اس مضمون میں اگر تکرار ہو یا توضیح اجمال کی یا اجمال واضح کا تو اُسکو جدید فائدہ پر محمول کرنا چاہیے۔ شفاعت افراد دعا سے ہو دعا اور شفاعت میں چند وجوہ سے فرق ہو بخلاف اُس کے ایک فرق یہ ہے کہ شفاعت حقیقہً غیر کے لیے ہوتی ہو اسی وجہ سے اُسکو شفع سے ماخوذ کیا ہو اور عرف میں شفع اُسکو کہتے ہیں جو غیر کے مطالبہ میں اُسکی اعانت کرے اور مجرم کے ساتھ خود بھی مجرم و مجرم کے آجاوے اور جرم سے سزا کو دوسرے سے باز رکھنے کی کوشش کرے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ شفع کو توقع ہوتی ہے کہ اُسکی شفاعت موثر ہوگی اور دعا کرنے والے کو ضروری نہیں ہے کہ اُسکو توقع ہو بظاہر شفاعت بخشش گناہ میں تاثیر کرنے والی بات ہو اور ابتدا سے تاثیر مد نظر ہوتی ہے برخلاف دعا کے کہ اُس میں تاثیر خواہ مخواہ ملحوظ نہیں ہوتی ہے تیسرا فرق یہ ہے کہ دعا ہر امر کے لیے ہوتی ہے اور شفاعت خاص مجرم کے واسطے ہوتی ہے چوتھا فرق یہ ہے کہ شفاعت ذمی وجاہت اور با اثر کرتا ہو مجرم مجرم کی شفاعت نہیں کرتا ہو برخلاف دعا کے کہ گناہگار بھی گناہگار کے لیے دعا کرتا ہو۔

بہر حال شفاعت فرد ہو اور خاص ہو اور دعا مطلق ہو اور عام ہو جو عمومی اعتراضات دعا پر ہیں اُن کو یہاں ذکر کرنا بے محل ہے جو مخصوص شفاعت پر وارد ہوتے اُن کو دفع کیا گیا اور آئندہ بھی دفع کیا جاوے گا۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کا ہے کہ دعا کرنے کا ہر حکم دیا گیا ہو اور اُس کو عبادت بتایا گیا ہو چنانچہ فرماتا ہو ادعوی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جہنم داخرین دعا کرو تم لوگ مجھ سے میں اُس کو تمہارے اندیشہ کے لیے قبول کروں گا

یقیناً جو میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں اُن کو جہنم میں داخل کر دینا ذلیل و خوار اس سے معلوم ہوتا ہو کہ دعا کا حکم ہو اور دعا کی تاثیر ہو اگرچہ وہ تاثیر بلا حکم خدا نہیں ہو سکتی ہو جس طرح دیگر اسباب ہیں اگر اسباب کے بعد مسببات کے مرتب ہونے کو لحاظ میں رکھا جاوے اور خدا کی عادت جاریہ کا اعتبار کیا جاوے تو اسباب کا ارتباط مسببات سے ہوتا ہو لیکن اگر خدا کی قدرت کا پہلے ہی سے اعتبار کر لیا جاوے تو پھر تعلق اسباب کا مسببات سے باقی نہیں رہتا ہو تاہم اسباب کی مسببات سے ایک اعتباری فہم ہو جاتی ہو اس امر خاص میں دعا یا شفاعت کو کوئی امتیاز دیگر اسباب سے نہیں رکھتی ہے بلکہ جو حال دیگر اسباب کا ہو وہی حال دعا و شفاعت کا بھی ہو جس طرح اور اسباب کی ایجاد ہوئی ہو اسی طرح دعا کا حکم بھی ہوا ہو اور شفاعت کی بھی اجازت ملی ہو وہ قادر ہو کہ بلا اسباب جو چاہے کرے مگر اسباب کی ایجاد میں اُسکی حکمتیں ہیں کہ بعض کی خبر ہلکو ہو اور بعض کی خبر ہلکو نہیں ہے بخلاف اُن اسباب کے شفاعت بھی ہو اُسکو اختیار ہو چاہے تو وہ بلا شفاعت مرتکب کبیرہ کو بخش دے اور چاہے شفاعت کے بعد بخشے چاہے نہ بلا شفاعت بخشے نہ شفاعت کا اذن کسی کو دے مگر یہ اُسکی عادت کے خلاف ہو کہ شفاعت کا اذن دے اور پھر شفاعت قبول نہ کرے شفاعت کا اذن اُسی کے بارہ میں ہو گا جسکے بارہ میں خدا کو شفاعت قبول کرنا اور بدو شفاعت کے برخلاف منظور ہے اس طرح بخشنا اور شفاعت کو سبب بخشش کا کرنا یہ اُسکی حکمت کی بنا پر ہو جسکی خبر ہلکو اُس نے نہیں دی ہو اپنی عقل سے ہم اُسکی حکمت تجویز کرتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مدار شفاعت کا وہ ہماری تجویز کردہ حکمت ہو ممکن ہو کہ وہ ہی حکمت ہو یا دوسری کوئی حکمت اُس سے بھی غامض ہو ہم شفاعت میں مثلاً اظہار اعزاز و تفضیل کو حکمت کہتے ہیں یہ ہی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی حکمت ہو یہ حکمت اگرچہ ظاہر نہیں کی گئی ہو مگر شفاعت سے فائدہ مشفوع کا ہونا ظاہر ہو یہ فائدہ شفاعت کا کیا کم ہو اس واسطے کہ شفاعت اسکی نجات کا باعث ہوگی شفاعت کرنے والے کو اذن دیا جاوے گا ممکن ہو کہ اسکو عام لوگوں کی شفاعت کا اذن دیا جاوے اگر عام اذن ہو گا تو اُسکو اختیار ہو گا کہ جسکی شفاعت چاہے کرے اگر خاص اذن ہو گا تو مخصوص شفاعت کرنے کا اُس کو حق ہو گا خدا کو اختیار ہے کہ وہ بلا شفاعت اور بلا اذن کے بخش دے یا شفاعت کا اذن ہی نہ دے اس صورت میں تین قسم کے مرتکب کبیرہ اشخاص ہیں ایک وہ جن کو اللہ خود بخش دے گا دوسرے وہ جن کو اللہ بواسطہ شفاعت بخشے گا تیسرے وہ جنکو اپنے اعمال کی جزا بخشنا ہوگی یہ اقسام اُسی طرح ہیں جس طرح خدا کے تمام بندوں میں بعض جنتی ہیں اور بعض دوزخی ہیں چنانکہ اعتبار خانہ کا ہو اس واسطے

کسی کے متعلق بلا خدا کے ظاہر فرمائے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی ہی اسی طرح کسی کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اُس کو خدا خواہ خواہ بخش دیگا یا اُس کی شفاعت خواہ خواہ ہوگی یا یہ یقیناً نہ بخشا جاوے گا۔

یہ کہا جاسکتا ہو کہ ایماندار کی شفاعت ہو سکتی ہو مگر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایماندار کی شفاعت ہوگی کہ وہ بغیر خدا کے بخش دیا جاوے گا اسی طرح یہ کہا جاسکتا ہو کہ کافر کی شفاعت نہ ہوگی اور جو شخص بظاہر کافر ہو اُس کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ اُس کی شفاعت نہ ہوگی لیکن اگر وہ خدا کے نزدیک مومن ہے تو اُس کی شفاعت ہوگی۔

جن لوگوں کے متعلق حکم بالیقین ایمان پر مرنے کا ثابت ہو اُن کے لیے کہا جاسکتا ہو کہ بالیقین اُن کے لیے نفی شفاعت کی نہیں ہو سکتی ہو اور جن لوگوں کے لیے یقین ہے کہ وہ کافر مے تو اُن کے واسطے بالیقین یہ کہا جاسکتا ہو کہ اُن کی شفاعت نہیں ہوگی۔

حاصل یہ ہو کہ ایماندار یا جو حکم میں ایماندار ہے اُس کے لیے نفی شفاعت کی نہیں ہو سکتی ہو اور جو کافر ہے اور مشرک ہو اُس کی شفاعت یقیناً نہیں ہوگی اور اُن کے لیے شفاعت کا اذن نہیں ہوگا جو لوگ ایسی جگہ پر ہیں جہاں دعوت اسلام نہیں ہو چکی اور لوگ اُن حضرات کے ادعائے نبوت سے واقف ہی نہیں ہیں مگر انھوں نے خدا کو پہچانا اور اُس کی توحید کا اقرار کیا تو وہ حکم میں ایماندار کے ہیں سوائے اسکے جہاں ادعائے نبوت کا علم ہو گیا ہو مگر انھوں نے اقرار نبوت نہیں کیا اُنکے بارہ میں احتمال ہو کہ ادعا نبوت کی خبر نہیں ہو چکی ہو بلکہ افواہ غیر مصدق ہو اور اُس کے اسباب اُن کے پاس نہ ہوں کہ وہ تصدیق کر سکیں تو وہ اُن کے لوگوں کے لیے بھی معذرت عدم قبول اسلام مقبول ہو سکتی ہو یا نہیں یہ امر محتمل ہو کہ اُنھوں نے جس قدر تفتیش کرنا اختیار میں تھا اُس قدر تفتیش نہ کی ہو اور بقدر وسعت جو تکلیف اُن پر تھی اُسکو اُنھوں نے ادا نہ کیا ہو اس واسطے اُس جگہ کے لیے کوئی حکم ایماندار کا نہیں دیا جاسکتا ہو اور یقیناً نہیں کہا جاسکتا ہو کہ اُن کی شفاعت کی نفی نہیں ہو۔ ایسا غیر موصد کہ جس کو موقع توحید کے ولاتل پر غور کرنے کا ملا ہو یا وہ غیر مقرر بار رسول جہاد و تبلیغ دعوت کے ایماندار نہیں ہو بالیقین اُس کی شفاعت نہیں ہوگی۔

یہود و نصاریٰ کی بھی شفاعت نہیں ہوگی جن کو تبلیغ رسالت ہو چکی ہے اگرچہ وہ قبل اس تبلیغ کے استحقاق شفاعت کا رکھتے تھے۔

یہود و نصاریٰ قبل اسلام کی تکمیل کے مومن تھے اسی وجہ سے اُنکے بارہ میں ارشاد ہوتا ہو کہ

کہ اگر وہ ایمان آن حضرت پر لائیں تو ان کو دونا اجر ہوگا یہ امر کہ یہود و نصاریٰ کا حکم مشرکوں کے حکم کے علاوہ ہوا اگرچہ ان سے بھی شرک سرزد ہوا ہی یہ محض شریعت کے احکام کے باعث اسے ہی دینہ شرک میں سب شرک باہن وہ چونکہ کتب منزلہ کے مقررین اس وجہ سے ان کے شرک میں اور دوسروں کے شرک میں شریعت اسلام نے فرق کیا ہی اسی طرح یہود و نصاریٰ میں باہم کوئی تفرقہ نہیں کیا گیا ہے اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت لانے سے منسوخ ہوگئی ہو۔ ممکن ہو کہ شریعت عیسوی میں عمل شریعت منسوخہ پر معتبر ہو چنانچہ تورات پر عمل کرنے کا حکم حضرت عیسیٰ نے بھی دیا ہی برخلاف شریعت محمدی کے کہ اُس میں منسوخ شریعت پر عمل ناز واکر دیا گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہو کہ عمل صالح کے مقبول ہونے کی شرط شریعت عیسوی میں ایمان عیسیٰ علیہ السلام پر لانا نہ ہو برخلاف ان حضرت کی شریعت کے کہ وہ ان عمل صالح کی مقبولیت کی شرط اتباع اسلام ہو جس طرح وضو حضرت عیسیٰ کی شریعت میں شرط نماز نہیں ہو مگر اسلام میں ہو بدون وضو کے امت عیسیٰ علیہ السلام کی نماز مقبول ہو مگر امت محمدی کی مقبول نہیں ہو۔

یہ امر کہ یہود و نصاریٰ کا شرک قبل شریعت محمدی کے قابل گرفت نہیں ہوا مگر دوسرے لوگوں کا شرک قابل گرفت ہوا اس وجہ سے ہو کہ ان کا شرک ایسا ہے جس کے باوجود وہ خدا کی توحید کے قابل ہین اور وہ شرک میں تاویل کرتے ہین برخلاف دوسروں کے کہ ان کا شرک ایسا نہیں ہو باوجود اس کے گرفت میں نہ آنا یہود و نصاریٰ کے شرک کا غیر مسلم ہی کیونکہ ان کے شرک پر زیادہ تفصیح کی گئی ہو اور ان کے ہاتھ سے جو مقتول ہو اس کو دونا اجر ملے گا حکم دیا گیا ہو اگرچہ ان کے شرک سے وہ اہل کتاب کے حکم میں باقی رہے ہوں اور ان کے اعمال صالحہ مقبول ہوں اور ان کی شفاعت ہو سکتی ہو اور بعد تکمیل ایمان کے یہ حق ان کو بھی نہ رہا ہو۔

اس امر سے یہ واضح ہو گیا کہ یہود و نصاریٰ بلکہ صائبین قبل شریعت اسلامیہ کی تکمیل کے حکم میں مومن کے ہوں اور بعد تکمیل شریعت کے وہ کافر ہوں اور کفر کتابی اور غیر کتابی میں فرق ہو لہذا ان کی شفاعت ہو سکتی ہو جو حکم میں مومن کے ہین اور ان کی شفاعت نہ ہو سکتی ہو جو کافر ہین۔ آیت مذکورہ بالا وانقوا دیوما لا تجزی سے وہی بنی اسرائیل بلکہ وہ ہی کفار مقصود ہوں جو کافر ہین حکم میں مومن کے نہیں ہین یا وہ بھی داخل نہ ہوں بلکہ ان کے لیے بھی یہ حکم ہو کہ ان کی شفاعت نہ ہوگی وہ بعد رہنے گناہوں کے سزا پانگے اس صورت میں تمام بنی اسرائیل اور کل کفار شامل ہین اور یہ حکم عام ہو باوجود اسکے یہ آیت منافی اسکے نہیں ہو جہاں ارشاد ہوتا ہو

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّالِحِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
 عمل صالحاً فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون اسو اسطے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ان
 لوگوں میں سے ایمان لایا یا یہودی رہا اور نصاریٰ اور صابین جنہوں نے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا یا یہ عمل صالح
 کیا ہے تو انکو کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنج کرینگے یہاں تو ان کے بارہ میں یہ حکم ہے جو عمل صالح کرتے
 ہیں اور شفاعت ان لوگوں کے لیے ملحوظ ہے جو مرتکب کبائر ہیں اور انھوں نے عمل صالح نہیں کیا ہے
 صرف ایمان لائے ہیں کبیرہ وہ ہے جس پر حد کا حکم ہو یا کوئی سزا ارشاد کی گئی ہو یا وہ فعل ایسے افعال سے زائد
 بڑا از روئے عقل و شرع کے ہو اسکو کبیرہ کہتے ہیں جو ایسا نہ ہو وہ صغیرہ ہے اسکے اندر ہر حرام کا ارتکاب اور
 ترک فرض و واجب و سنت مؤکدہ داخل ہو گیا ہے اور باقی گناہ صغائر ہیں کبائر کا مرتکب جو ایمان
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں لایا ہے وہ ہرگز مستحق شفاعت نہیں ہے۔

ہم اسکو قبول کرتے ہیں کہ یہ آیت عام الفاظ میں ارشاد ہوئی ہے اگر دوسرے آیات وارد نہ ہوتے
 اور خصوص شرعیہ انکی تخصیص نہ کرتی ہوتی تو بلاشبہ یہ آیت سب مکلفین کو شامل تھی خواہ وہ مسلمان ہوں
 یا کافر مشرک ہوں یا اہل کتاب مگر چونکہ اس آیت کی تخصیص کے وجہ و فرائض ہیں اسوجہ سے اسکو سمجھنے
 عام غیر مؤمن کے لیے رکھا ہے کیونکہ الفاظ عموم سے اسی قسم کا عموم بھی مفہوم ہوتا ہے اور اسی طرح اگر شریعت
 میں شفاعت کا وقوع و دلائل قویہ سے ثابت نہ ہو جاتا تو اس آیت سے بلاشبہ نفی شفاعت کی بالکل یہ ہوتی۔

اب یہ امر کہ یہ آیت اپنے اس عموم پر نہیں ہے جس میں مؤمن بھی داخل ہوں اسکی وجہ بہت واضح
 اور پرہیزگار ہے ذکر کر آئے ہیں اسکو دوبارہ ذکر کرنا فضول ہے سیاق و سباق بھی ظاہر ہے یہاں ہم صرف اس
 وجہ کو ذکر کرتے ہیں جسکو سمجھنے اور پر ذکر نہیں کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخرین ارشاد ہوتا ہے
 ولا ہم یحزنون اور وہ لوگ جنکی شفاعت نہ ہوگی انکی مدد نہیں کی جاوے گی اگر اس جملہ کو عام مکین
 اور تائید و معاونت کے باعث امین من جمیع الوجہ نصرت کی نفی کر دین تو لازم آتا ہے کہ کسی مسلمان
 کی بھی نصرت و اعانت نہ ہو حالانکہ یہ عموم بخر ہوتا ہے دوسری آیت کی تکذیب کا اسو اسطے کہ قرآن
 میں ارشاد فرماتا ہے عَلَيْنَا نَصْلُ الْمُؤْمِنِينَ ہمارا مقصد فضل کا یہ ہے کہ ہم ضروری ایمان داروں کے
 مددگار ہیں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنوں کی مدد ہوگی اور ادھر کی آیت میں بھی اگر مؤمن
 داخل ہوں تو انکی مدد کی نفی کی گئی ہے یہ بالکل تضاد ہے اور قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے لَوْ كَانَ
 مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کے پاس سے آتا تو
 ضروری اس میں بہت سے اختلاف پاتے اس سے تو اختلاف و تضاد کی نفی ہے اور یہاں اس آیت میں

بمھا جاسکتا ہے جو الفاظ اس آیت میں مذکور ہیں اب رہا یہ امر کہ بدون شفاعت کے جنبشش ہو سکتی ہے تو پھر شفاعت کی کیا ضرورت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت میں ہونے کا کسی کو انکار نہیں ہے جس طرح بغیر اعمال صالحہ کے جنت میں داخل ہو سکتا ہے لیکن قدرت اکہیرے قطع نظر کر کے اسباب کا لحاظ کیا جاوے تو ان لوگوں کی جنبش ہو ہی نہیں سکتی ہے جنکی جنبش شفاعت پر موقوف ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے ملاحظہ ہو حدیث بخاری کی دربارہ شفاعت کبریٰ جو بطریق متواترہ مروی ہے۔

حدیث بخاری

وقال ليجاج بن مھال حدثنا ھام بن یحیی قال حدثنا قتادة عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یحبس المؤمنون یوم القیمۃ حتی یتھیبوا یدک فقیولون لو استشفعنا الی ربنا فیریمنا من مکاناتنا فیاتون ادم فقیولون انت ادم ابوالناس خلقک اللہ بیدہ واسکنک جنتہ واسجد لک ملائکتہ وعلک السماء کل شیء اشفع لنا عند ربک حتی یریمنا من مکاناتنا هذا فقبول لست ھناکم قال فیکر خطیئۃ التی اصاب کلہ من الشجرۃ وقد نھی عنها ولكن ائتوا نوحا اول نبی بعثہ اللہ الی الارض فیاتون نوحا فقیول لست ھناکم ویکر خطیئۃ التی اصاب سوالہ ربہ بغیر علم ولكن ائتوا ابراھیم خلیل الرحمن فیاتون ابراھیم فقیول انی لست ھناکم ویکر ثلاث کلمات کذبھن ولكن ائتوا موسی عبد اناہ اللہ التورۃ وکلہ قریبہ نجیا قال فیاتون موسی فقیول انی لست ھناکم ویکر خطیئۃ التی اصاب قتلة النفس لكن ائتوا عیسی عبد اللہ ورسولہ وروح اللہ وکلمتہ قال فیاتون عیسی فقیول لست ھناکم ولكن ائتوا عھرا عبد اغفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر فقال فیاتونی فاستاذن علی ربی فی دارہ فیؤذن لی علیہ فاذا رايتہ وقعت لہ ساجدا فیدعی ما شاء اللہ ان یدعی ثم یقول ارفع محمد وقل تسمع اشفع تشفع وسل تعط قال فارفع راسی فانتہی علی بی ببناء وتحمید یعلمنیہ ثم اشفع فیحدی حدی فخرج فادخلہ الجنة قال قتادة وسمعتہ ایضا یقول فخرج فخرجهم من النار وادخلہم الجنة ثم اعود فاستاذن علی ربی فی دارہ فیؤذن لی علیہ فاذا رايتہ وقعت ساجدا فیدعی ما شاء اللہ ان یدعی ثم یقول ارفع محمد وقل تسمع اشفع تشفع وسل تعط قال فارفع راسی فانتہی علی بی ببناء وتحمید یعلمنیہ قال ثم اشفع فیحدی حدی فخرج فادخلہم الجنة قال قتادة وسمعتہ ایضا یقول فخرج فخرجهم من النار وادخلہم الجنة ثم اعود الثالثة فاستاذن علی ربی فی دارہ فیؤذن لی علیہ فاذا رايتہ وقعت ساجدا فیدعی ما شاء اللہ ان یدعی ثم یقول ارفع محمد وقل تسمع واشفع تشفع وسل تعط قال فارفع راسی فانتہی علی ربی ببناء وتحمید یعلمنیہ قال ثم اشفع فیحدی حدی فخرج فادخلہم الجنة قال قتادة وقد سمعتہ ایضا یقول وخرج فخرجهم من النار وادخلہم الجنة حتی ما یبقی فی النار الا من حبسہم القرآن ای وجب علیہ الخلود قال ثم تلا ھذہ الایۃ

عسی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً قال هذا المقام المحمود الذی عہدنا بیکم صلی اللہ علیہ وسلم۔
یہاں پر یہ اعتراض ہو کہ شفاعت جب بدون اللہ کے اذن کے نہیں ہو سکتی اور اُسی کی ہو سکتی ہو
جسکو اللہ بخشنا چاہے تو شفاعت پر بھر دوسرے فضول ہو اللہ کی رحمت کافی ہو اسکا جواب یہ ہو کہ اللہ نے
بخشائش کے اسباب شفاعت کو بھی کیا ہے جس طرح اعمال کو بخشائش کا ذریعہ وسیلہ بنایا ہو خدا چاہے
تو بدون اعمال کے بھی بخش دے اور اگر وہ چاہے تو بدون شفاعت کے بھی بخش دے اُسکی بخشش محض
اپنے رحم و کرم سے بھی ہوتی ہو اور بذریعہ شفاعت بھی ہوتی ہو اور بعد اعمال کے بھی ہوتی ہے اور
ہر حالت میں اُسکا رحم و کرم درکار ہو باوجود اسکے عمل ذریعہ نجات ہو اور اُسکی ضرورت ہو اسی طرح شفاعت
ذریعہ نجات ہو اور اُسکی ضرورت ہو فضول نہیں ہو اب یہ امر کہ اُسے چند اشخاص کو اذن شفاعت
دید یا چند کو شفاعت سے بخشنا تجویز کیا اُس سے شفاعت فضول ہو جاوے قابل غور ہو اسواسطے کہ
اگر مقصد یہ ہو کہ زید سے مثلاً کہدیا گیا کہ ہم عمر کو بخشنا چاہتے ہیں تو عمر کی شفاعت کرو تو اس صورت
میں زید کی شفاعت فضول ہو وہ شخص خود ہی کیون نہ بخش دے کیون زید کو واسطہ بنائے برخلاف
اسکے اگر یہ کہدیا جاوے کہ ایسے اعمال حسنہ کرنے والے کو اس امر کا اذن دیا جاوے گا کہ وہ شفاعت
کرے اور ایسے شخص اعمال کرنے والے کو مستحق شفاعت سمجھا جاوے گا تو اس صورت میں یہ کہنا کہ
زید نے عمر کی شفاعت کی فضول ہوا غلط ہو اسواسطے کہ زید نے عمل خیر کیا اُسکو ثمرہ شفاعت کرنیکی
اذن کی صورت میں ملا اور عمر نے دوسرا عمل خیر کم درجہ کا کیا وہ مستحق شفاعت ہوا اگرچہ علم باری
میں یہ ضرور ہو کہ زید عمر و دونوں عمل کرینگے اور شفاعت سے عمر و بخش دیا جاوے گا اسکی بعینہ وہی
حالت ہو جو تمام اعمال کی ہو کہ جنت کے جانے والے عمل خیر کرینگے اور وہ علم باری میں معین ہیں
اور ضرور بخشے جاوے گے اسہیں تمام عمل اگر فضول سمجھے جاوے تو شفاعت بھی فضول ہو جاوے گی لیکن
ایسا ہی نہیں اسواسطے کہ عالم امر میں اور علم میں تعین ہو مگر وہ مدار عالم خلق میں نہیں ہو عالم خلق
میں عمل کا ثمرہ اپنی نجات اور دوسرے کی نجات ہو بعض اعمال ایسے ہیں جنکا ثمرہ دوسروں کی
بھی نجات ہو اپنی بھی نجات ہو جیسا کہ شفاعت کے اذن سے معلوم ہوتا ہے یہ نہیں ہے کہ
شفاعت کرنے والوں کو دوسروں کے اعمال کو اپنے ادب پر اٹھاتا ہو کیونکہ قرآن شریف
میں ہے ولا تنذرہ واذہرہ و ذرا اخری ایک دوسرے کا گناہ کوئی برداشت
نہیں کرتا ہو بلکہ واللہ ین امنوا واتبعتہم ذریتہم الا یتہم جن لوگون نے دولت ایمان کامل
حاصل کی اور اُنکی ذریت نے اُنکی اتباع ایمان لانے میں کی تو ہم اُن کے ساتھ اُنکی ذریت کو بھی

وَإِذْ نَجَّيْنَاكَ مِنَ الْيَمِّ وَفِرَّحُونَ يَوْمَ نُفِخُ فِي سُرَّةِ الْعَذَابِ يَوْمَ يُنْفَخُونَ
اور یاد کرو ای بنی اسرائیل اُس وقت کو جب تمکو عین نجات دلائی فرعون والوں کے جو طرح طرح سے تمکو عذاب پہنچاتے تھے

أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ
تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی
بقصہ (۱۳۲) کر دینگے اور شخص اپنے کے کا گرفتار ہو تو درحقیقت گناہ کا دال ایک دوسرے کا اٹھایا نہیں جاوے گا
مگر خیر کا ثمرہ خصوصاً اُس خیر کا جو متعدی ہو ضرور دوسرے کو بھی پہنچ سکے گا۔

یہ خیال کہ مثل عیسائیوں کے عقیدہ کے نجات ہوگی غلط ہی اس واسطے کہ عیسائی ایک شخص معین عیسیٰ کے
مصائب برداشت کرنے کے باعث ایک مخصوص اعتقاد کر نیکی بعد نجات دلائیوالے ہو گئے بظلماتِ شفاعت
کے کہ کسی شخص کو بھی یقین نہیں کہ اسکی نجات شفاعت سے بالیقین ہو جاوے گی نہ شفاعت کر نیوالے کو
یقین ہو بلکہ تمام استحقاق اعمال پر موقوف رکھا گیا۔

اسی طرح یہ بھی اعتراض نہ کیا جاوے کہ شفاعت کرنے والا زاید شکر یہ کا مستحق ہی نجات دہندہ اس واسطے کہ
شفاعت اگر ایسے شخص سے کیا جاوے جو شفاعت کر نیوالے سے محبوب ہو جاوے گا تو بلاشبہ اصل حسان شفاعت کر نیوالے کا
ہو مگر یہاں ایسا نہیں ہے نجات دہندہ غنی تمام عوام سے ہے شفاعت کرنے والے کی بھی اُسکو پرواہ نہیں ہے کہ اسنے
اُسکی نجات محض نجات دہندہ پر موقوف ہو اب یہ شبہ ہوتا ہے کہ پھر شفاعت ذریعہ نجات نہ ہوتی تو ہم کہتے ہیں
کہ تمام اسباب کی جو حالت ہو وہی شفاعت کی ہو اگر علم باری کا اور تقدیر کا لحاظ کیا جاوے تو تمام اسباب
مخلول ہیں لیکن اگر اس امر کا لحاظ کیا جاوے کہ خدا نے فلاں شے کے بعد فلاں شے کی ایجاد کی تو شے اول سبب اور
ثو ثانی سبب ہے اس صورت میں شفاعت سبب نجات بھی ہے اور شفیع بھی شکر یہ جو سطح کھانا کھلا نیوالا اور دعا کرنے والا
شکر یہ ہو لیکن دونوں صورتوں میں یہ فرق نہیں ہے کہ خدا جو اصل قدرت والا ہے اس سے بے پرواہی ہو جاوے اس
شبہ کو رد شرک کی تقریر میں دفع کر دیا ہے اُسکو ملاحظہ کرنا چاہیے۔

اصل یہ ہے کہ شفاعت میں تو علم باری کا لحاظ کر کے نفی ذریعہ نجات کی کی جاتی ہے اور دوسرے اسباب
میں خصوصاً عمل میں ایسا نہیں کیا جاتا ہے اگر یہ کہا جاوے کہ یہاں اذن پر شفاعت موقوف ہے یہ فرق ہے
تو ہم کہیں گے کہ وہ بھی عمل کا نتیجہ ہو کوئی فرق نہیں ہے اب غالباً کوئی شبہ نہیں رہا۔

اُس آیت کا عطف و اتقوا پر ہے۔ سکے قبل بنی اسرائیل کو جو عتقین دی گئی تھیں اُن کو محلاً بیا
کیا تھا خصوصاً فضلتم علی العالمین میں تمام انعام کی طرف توجہ دلائی گئی تھی اب بعض ہم
اور قابل ذکر نعمتوں کو تفصیل کے ساتھ یاد دلاتا ہے۔

خداوند عالم کو بنی اسرائیل کی تاریخ بیان کرنا نہیں ہو جو انعامات کو مفصل ترتیب بیان کرتا کہ فلاں امر پہلے ہوا اُسکے بعد فلاں امر ہوا مقصود یہاں تو صرف انعام کا ذکر کرنا ہی جس سے تنبیہ ہو اور ترغیب ترسب میں اُن سے کام لیا جائے اس وجہ سے تقدم و تاخر زمانی کا لحاظ یہاں نہیں کیا گیا ہی بلکہ انعام کی عینیت کا ذکر کیا گیا جو نعمت اہم تر ہو اُسکو پہلے ذکر کیا گیا ہو اُسکے بعد اور انعام مذکور ہوے ہیں جنہیں سے بعض اس انعام کے قبل ہوے اور بعض بعد میں واقع ہوے اسی وجہ سے اس جگہ یہ شہہ بالکل غیر مسموع ہے کہ قرآن میں فلاں قصہ جو قبل ذکر کیا گیا ہو وہ واقع میں بعد کو ہوا ہی یا فلاں بعد کو ہوا ہی اور قبل ذکر کیا گیا ہو ظاہر ہو کہ یہ فرض مؤرخ کا ہو مقصود کا نہیں ہو۔ بنی اسرائیل کنعان سے ہجرت کر کے ملک مصر میں آئے بسے تھے مگر مصر کے بادشاہوں نے اُن کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا جس سے یہ لوگ مصر میں رہ کے اپنی حالت درست کر لیتے بلکہ اُنکی حالت نہایت ذلیل تھی اور وہ خواری اور غلامی میں بسر کرتے تھے جب اُن کے مصائب انتہا کو پہنچ گئے تو اللہ جل شانہ کی رحمت کو جوش آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا جنہوں نے بنی اسرائیل کو مصر کے بادشاہ کے ظلم و تشدد سے نجات دلائی اُس کے بعد سے ایک آزاد زندگی اُنکی شروع ہوئی اس سے بڑھ کر اور کون نعمت ہو سکتی ہو اس انعام کا افراد و اولاد و باقی رہا اس کے اصل مورد اگرچہ حضرت موسیٰ کے وقت کے بنی اسرائیل تھے مگر اس نعمت کی منت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے بنی اسرائیل پر رکھی گئی اس کے چند وجوہ ہیں دو یہاں پر ہم ذکر کرتے ہیں ایک تو یہ جس کی طرف پہنچنے اور پر اشارہ کیا تھا کہ یہ انعام ایسا عظیم اور متعدی ہے کہ اس سے صرف قوم موسیٰ نے موسیٰ ہی کے وقت میں فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ مخاطب بنی اسرائیل بھی مستفیض ہوے کیونکہ اگر ان کے آباد و اجداد آزاد نہ ہوتے تو یہ بھی اُسی حالت میں پیدا ہوتے اُس وقت کی نجات ذریعہ اُنکی آزادی کا ہوئی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کا محاورہ ہو کہ جب کبھی قبیلہ کے ساتھ کسی وقت کوئی برتاوا ہوتا ہو چاہے وہ افراد منقرض ہو جاوین جنکے ساتھ وہ برتاوا ہوا تھا جب س قبیلہ کو خطاب کیا جاتا ہو تو وہ برتاوا اُنہیں کا فرض کیا جاتا ہو کہا جاتا ہے کہ فلاں جنگ میں ہمنے نکو شکست دی حالانکہ نہ تو شکست دینے والے زندہ رہے بلکہ شہید یا پشت گذر گئے اور شکست خوردہ ہی موجود رہے اسی طرح یہاں پر بھی وہ بنی اسرائیل مخاطب کئے گئے جو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے کیونکہ یہ اُسی قبیلہ سے تھے جنکے اوپر انعام مذکور کیا گیا تھا اُس کو بمنزلہ ان پر خاص انعام کے فرض اُسکے ذکر کیا گیا تاکہ اُس انعام کو یاد کر کے ہجرت پکڑیں اور دیگر

الغمامات کی خواہش کریں اور وجہ الغمام کو کہ جنہیں سے سب بڑی وجہ ایمان ہو اسکو حاصل کریں اور سمجھیں کہ سوائے قدرت حق کے جسکو جینا کلمہ کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہو اور کسی صورت سے محکوم فرعون کے دست ظلم سے نجات نہیں مل سکتی تھی اب بھی تمام مورثین اُسی قدرت حق کو پیش نظر رکھو۔

نَجِّیْنٰکُمْ کا مصدر تَجْمِیْہ ہے جسکے معنی رہا کرنے کے ہیں اور اُسی کے ہم معنی نجات اور سلامتی اور خلاصی اور تخلص ہے بلکہ انجا ابھی کبھی اسی معنی میں آتا ہو اور بعض لوگ انجا اور تَجْمِیْہ میں فرق کرتے ہیں اس طور پر کہ اگر قبل وقوع تہلکہ کے نجات دلائی جاوے تو انجا ہے اور اگر بعد وقوع تہلکہ کے نجات دلائی جائے تو تَجْمِیْہ ہے اس جگہ لفظ انجا کو بھی آگیا ہے لَجِیْنٰکُمْ بھی آیا ہو مگر معنی وہی تَجْمِیْہ کے ہیں سو سب سے کہ یہ نجات بعد وقوع تہلکہ کے ہوئی تھی کلمہ سے مراد وہی بنی اسرائیل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور وجہ خطاب کی گزر چکی ہے۔

آل کے معنی متعلق کے ہیں خواہ نسب کا تعلق ہو یا کسی اور نسبت کا تعلق ہو اسی وجہ سے تابع کو بھی آل کہتے ہیں اسکی اصل میں اختلاف ہو دو ہمزہ ہیں کہ ایک بوجہ فتح ماقبل کے الف سے بدل گیا یا ایک ہمزہ اور دوسرا اصل میں واو ہو اور یہ واو ہمزہ سے بدل گیا ہو یا کبھی ہمزہ کہتے ہیں کبھی ہا کہتے ہیں اور آل و اہل دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں اسپر دلیل یہ ہو کہ آل اور اہل دونوں کی تفسیر اہل سے آتی ہو مگر یہ دلیل اسوقت صحیح ہو سکتی ہو کہ جب آل کی تفسیر اہل نہ آوے حالانکہ بعض نحویین نے بعض فضائل عرب سے اسکی تفسیر اہل بھی لینی ہو اس لئے معلوم ہوتا ہو کہ آل اور اہل کی اصل جدا گانہ ہو اسی طرح استعمال میں بھی علیحدہ علیحدہ مواقع پر استعمال ہوتا ہو آل خاص ہو آل کو فہ نہیں کہتے ہیں بلکہ اہل کو فہ کہتے ہیں اسی طرح آل حجام نہیں کہتے اہل حجام کہتے ہیں اور آل علی کہتے ہیں آل فرعون کہتے ہیں اور معنی آل کے اگر اصل اسکی واوی ہو تو الاول سے ماخوذ ہو جسکے معنی رجوع کے ہیں اور اگر ہمزہ اصل ہو تو بھی ماخوذ اسکا یہی ہو عرب برابر ہمزہ کو واو سے یا ہمزہ کو ہا سے بدل کر کہتے ہیں یہی معنی جمع کے ہست کبھی آل تابع پر بولا جاتا ہو کبھی اسکی قوم پر بولا جاتا ہو اور اہل جب بیت کی طرف منسوب ہو تو مخصوص زودہ پر بولا جاتا ہو ورنہ عام طور پر بولا جاتا ہو۔

آل فرعون سے مراد فرعون کے تابع ہیں ظاہر معلوم ہوتا ہو کہ یا تو اسکی بدانتظامی کے باعث اسکی ہم قوم کو رنج امور سلطنت میں زائد ہو گیا تھا یا کسی قسم کی جمہوریت تھی اسواسطے کہ اسوقت کے حالات کے اندازہ کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ جو یہ آل فرعون چاہتے تھے وہ ہوتا تھا چنانچہ جب اٹھنوں نے چاہا کہ بنی اسرائیل کی اولاد درمیانہ قتل ہونے لگی جب اٹھنوں نے منع کیا تو فرعون کو

قتل روک دینا پڑا اسی طرح حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے جب قبلی قتل ہوا ہی تو اُس وقت بھی قتل کا فیصلہ ملا، فرعون نے کیا تھا کیا عجب ہو کہ ایک جماعت آل فرعون ہو اور اُسی ہی شخص کو فرعون ہوں مگر اسمین شک نہیں ہو کہ یہ قوم مصری جو آل فرعون تھے اُسکو ایک خاص امتیاز امور سلطنت میں تھا جو بنی اسرائیل کو حاصل نہ تھا۔ فرعون کو بعض ماخوذ فرعون الرجل سے سمجھتے ہیں جسکے معنی عتا اور تکبر کے ہیں اور بعض اسکو جاہد کہتے ہیں یعنی کسی سے ماخوذ نہیں ہو لہٰذا شاہ مصر کا جس طرح کہ ہر قتل یا قیصر لہٰذا شاہ روم کا اور کسریٰ فلکس کا اور شاہ کلاو تیرج میکیش کا اور شاہ قازان ترکستان کے بادشاہ کو کہتے ہیں اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا بعض کہتے ہیں کہ یہی فرعون حضرت یوسفؑ کے وقت میں تھا اسکی تردید اس وجہ سے کہ اس صورت میں اسکی عمر چار سو برس کے قریب ہوگی قوی نہیں ہو کیونکہ عمر بن براہگھنتی جاتی ہیں اور بڑی عمر بن حبیبی حضرت نوح کی قرآن سے ثابت ہو گریہ قول تاریخ کے خلاف ہوا سوا سطلے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا فرعون یان نلمی تھا اور فرعون موسیٰ ولید بن مصعب بن ریان تھا جیسا کہ آگے اُسکا منضصل قصہ بیان ہوگا۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کا نام ولید ہی جیسا کہ پہلے ذکر کیا اور بعض قابوس کہتے ہیں اور بعض نے قنطوس لکھا ہے اور علاقہ سے شمار کرتے ہیں یہ گروہ اولاد سے علمیق بن لا، و ذبن ارم بن سام بن نوح کے ہر انکے دو قبیلہ بہت مشہور ہیں ایک جبارہ شام دوسرا فراعنہ مصر یہ دونوں گھرانے شام و مصر میں سلاطین کے رہے ہیں بعض کہتے ہیں فرعون جو علاقہ سے حقیقت نہیں ہو بلکہ یہ بمنزلہ متنبی کے ہو گیا ہے اور غالباً ولید بن مصعب بن ریان اسی وجہ سے کہلاتا ہے سطلے کہ ریان حضرت یوسف کے وقت میں جو فرعون تھا اُسکا نام ہی اور وہ علاقہ سے ہی اس فرعون کو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ اصہبانی تھا اور وہ ان یہ عطر کی تجارت کرتا تھا اتفاق سے اسکی تجارت میں نقصان آیا اور یہ قرضدار ہو گیا ناچار اسکو اپنے ملک سے بھاگنا پڑا یہ پھرتے پھرتے شام پہونچا وہاں بھی اسکی فلاح کی کوئی صورت نہیں دکھائی دی تو یہ مصر پہونچا راہ میں اسنے دیکھا کہ ایک درم کو دس خربوزے فروخت ہوتے ہیں شہر میں جب داخل ہوا تو اُسنے دیکھا کہ ایک خربوزہ ایک درم کو ملتا ہے یہ سمجھا کہ اسمین بڑی منفعت ہے باہر سے جا کے دس خربوزہ ایک درم کو خرید لایا مگر جب بازار مصر میں پہونچا تو ایک ہی خربوزہ اُس کے پاس بیچ گیا سوا سطلے کہ وہاں حکومت اتنے غیر منتظم تھی کہ عمال حکومت اور حکام جو چاہتے تھے کرتے تھے جس سے چاہتے تھے فلکس وصول کر لیتے تھے جب اسکو اندازہ ہو گیا کہ خربوزہ میں نفع نہیں ہو تو اُسنے قبرستان میں جا کے خود لوگوں سے فلکس وصول کرنا شروع کیا جو مردہ آتا تھا اُسکے ورثہ سے وہ ایک درم فلکس کا

وصول کر لیتا تھا وہاں کے لوگ اس قدر ٹکس کے عادی تھے کہ ان کو یہ امر کوئی تعجب کا معلوم نہیں ہوا ہر شخص وہ ٹکس ادا کر دیتا تھا اور کوئی پیر یافت نہ کرتا تھا کہ آیا ٹکس کیون وصول کیا جاتا ہے اور کون وصول کرتا ہے کس کا حکم ہے اس حیلہ سے اُس نے بہت روپیہ جمع کر لیا ایک مردہ لایا گیا تو اُس کے ساتھ جو لوگ تھے وہ ذرا بچھڑا اُن سے جو اس نے ٹکس طلب کیا تو انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ تو کون ہے اور کس کے حکم سے یہ وصول کرتا ہے اس نے کہہ دیا کہ میں اپنی خوشی سے وصول کرتا ہوں کسی کے حکم سے وصول نہیں کرتا ہوں جب ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا تو وہ اُس کو حاکم کے پاس لائے درجہ بدرجہ فرعون کے پاس پہنچا اُس سے اُس وقت کے فرعون نے سوال کیا کہ تو کس کے حکم سے ٹکس وصول کرتا تھا اُس نے کہا کسی شے کے حکم سے میں وصول نہیں کرتا تھا بلکہ میں نے یہ حیلہ کیا تھا آپ ہی تک پہنچنے کا اور کہا کہ میں نے آپ کے ملک کی بدانتظامی اس درجہ دیکھی ہے کہ مجھے تحمل نہیں رہا میں نے چاہا کہ آپ کو گوش گزار کر دوں مگر آپ تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی یہ صورت تجویز کر کے میں نے ٹکس لیا اور آپ تک پہنچا ہوں اس صورت کی جرأت بھی مجھے آپ کی ملک کے بدانتظامی کے باعث ہوئی چنانچہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور آپ تک پہنچ گیا اُس سے اس نے مفصل بدانتظامی کا حال ذکر کیا یہ شخص اُس فرعون کو اس قدر پسند آیا کہ اُس نے اس کو عزیز و وزیر مقرر کر لیا اُس نے اپنے حسن انتظام سے اس قدر سوخ حاصل کر لیا کہ فرعون نے تمام امور اسکے سپرد کر دیے مصر میں ایک بادشاہ ہوتا تھا جس کو فرعون کہتے تھے اور ایک شریف ہوتا تھا جس کو عزیز کہتے تھے یہ عزیز مقرر ہو گیا غالباً اس کا مرتبہ لوگوں سے زائد تھا اور دیگر وزراء اسکے مرتبہ سے کم تھے چنانچہ جب فرعون اس وقت کا مرا تو تمام لوگوں نے اسی کو فرعون کر دیا۔

یہ امر یا تو خاص اسی کے واسطے تھا خواہ اس وجہ سے کہ اس سے لوگ مانوس ہو گئے تھے یا یہ وجہ سے کہ فرعون سابق کی وصیت ہو یا عوام تھا کہ عزیز فرعون ہوتا ہو یا انتخاب سے فرعون مقرر کیا جاتا ہو یہ سب احتمالات ہیں مفصل اس وقت کے انتظام کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرعون اصفہان کا رہنے والا تھا تا جرح تھا بعض نے تصریح کی ہے کہ عطر کا تاجر تھا جس کو عطار کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اصل طر کار رہنے والا تھا مصر میں آ گیا تھا اتفاقات سے فرعون تک پہنچا اور وہ اس کا قائم مقام ہو گیا جیسا کہ اوپر گذرا اس صورت میں کہ وہ مصر کا رہنے والا نہ تھا اُس فرعون کی اولاد سے نہ ہو گا جو حضرت یوسف کے وقت میں گذرا ہو اور اس کا نام ریان ہو

بعض کہتے ہیں ولید بن مصعب بن ریان فرعون موئی تھا ممکن ہو کہ مصعب کے وقت میں موئی پیدا ہوئے اور ولید کے وقت میں نجات بنی اسرائیل کی حاصل کی ہو بعض علماء عرب کہتے ہیں کہ اہل کتاب اس فرعون کا نام قابوس ہی کہتے ہیں اور اسکی کنیت ابو مرہ ہو اور یہ قطعی تھا۔

بہر حال اسکا نام فظوس ہو اور وہ علیق یا علق بن لاذر بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد سے ہو یا اصفہانی عطار ہو یا اصطر کا رہنے والا ہو ولید نام ہو یا مصعب ہو یا قابوس نام ہو اور قبلی ہو جب وہ فرعون ہوا تو اُسے عدل و انصاف کرنا شروع کیا اور ملک کا معقول انتظام کیا قبطیوں کی خاص رعایت کرتا تھا اور تمام رعیت پر اُس نے اُن کو مقدم کیا تھا خصوصاً بنی اسرائیل کے مقابل قبلی حقوق بہت زائد تھے اور عالقہ کا خاص لحاظ کرتا تھا یہاں تک کہ آل فرعون ایک خاص گروہ ہو گیا بنی اسرائیل اُن کے خدام اور عبید کے طور پر تھے۔

يَسْؤُكُمْ سُوءُ الْعَذَابِ اُنکو طرح طرح کے مصائب و آلام برداشت کرنا پڑتے تھے معنی یسومونکم کے مختلف ہیں یسومون ماخوذ سومر سے ہو اُس کے معنی الذہاب للطلب کے ہیں کسی شے کی طلب میں جانا مگر کبھی مجرد طلب پر استعمال ہوتا ہو کبھی مجرد ذہاب پر کبھی دونوں کے مجموعہ پر کبھی اسکے لوازم پر اسی وجہ سے اسکے معنی پرید و نکمہ اور یبغونکم کے مذکور ہوئے ہیں اور ينقلونکم و یصرفونکم کے بھی معنی ہیں اور الفاظ یكلفونکم اور یذیقونکم اور یبخشونکم اور یعذبونکم کے بھی معنی ہیں مذکور ہوئے ہیں۔ سوء العذاب عذاب تو خود ہی برا ہو مگر اُس کے کمال شدت پر دلالت کرنے کی غرض سے لفظ سوء زائد کیا گیا ہو کہ بدترین عذاب میں تمکو فرعون والو نے گرفتار کر رکھا تھا عورتوں سے مردوں سے ضعیفوں سے اور قویوں سے سب سے خدمت لیتے تھے اپنی راحت اور آسائش کے اشیاء بنواتے تھے عورتیں سوت کا تہی تھیں کپڑے بنی تھیں اور سب آل فرعون کے لیے تمام مکانات بناتے تھے بڑے بڑے پتھر تراشتے تھے لاتے تھے لادتے تھے یہاں تک کہ اُن کے بوجھ سے گردن درم کر جاتی تھی پیٹھ زخمی ہو جاتی تھی ہاتھ شل ہو جاتے تھے اُنے اینٹیں بچھوائی جاتی تھیں لوہاری و نجاری کا کام لیا جاتا تھا مزدوری بار برداری کھیتی باغبانی سب یہی کرتے تھے یہ محنت شادہ تھوڑی مزدوری پر بلکہ بیگار کے طور پر محض عالقہ اور قبطیوں کے لیے بنی اسرائیل کو کرنا پڑتی تھی اتفاق سے جو ضعیف ہو جاتا یا بیمار ہوتا کام نہ چکاتا تو اُس نے کس وصول کیا جاتا تھا اگر کس کی ادائیگی میں اسقدر دیر ہو گئی کہ آفتاب غروب ہو گیا اور کس ادا نہیں ہوا تو سزا دی جاتی تھی معمولی سزا یہ تھی کہ ہاتھ گردن میں باندھ دیا جاتا تھا اور

ایک ماٹک اُسکو بندھا رہنے دیتے تھے اسی قسم کی دیگر سزائیں تھیں ان سب کی جانب ارشاد فرماتا ہے
 یسومونکم سوء العذاب اسکا تعلق اوپر سے یہ ہے کہ یہ جملہ حالیہ ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے ذیل ایضاً: عمرو
 تقدیر عبارت یہ ہوئی کہ بخینا کہ مسمومین لہم: بعض کہتے ہیں یسومونکم کی تفسیر آگے کے جملہ سے
 ہو کہ وہ سوء عذاب بنی اسرائیل پر کیا تھا جس سے نجات ملی۔

یذبحون ابناءکم ویستحيون نساءکم تمھارے ذکور لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمھاری
 عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اختیارِ نساء سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ انکی عورتوں کی شرمگاہوں کی تلاشی
 لی جاتی تھی تاکہ حاملہ ہونے کا ثبوت ملے اور ظاہر ہے کہ ذبح ابناء سے نسل کی بربادی بھی عورتوں کے
 زندہ رہنے سے قضیح کا اندیشہ تھا اور ابناء اگرچہ مطلقاً اولاد پر بولا جاتا ہے مگر یہاں چونکہ نساء کے مقابل
 ہے اس واسطے اولاد کو مراد لی گئی اور نساء مطلقاً اناث پر بولا جاتا ہے خواہ بالغ ہوں یا نابالغ ہوں
 مگر یہاں یہ بھی مراد لی گئی ہے کہ مراد بالغہ عورتیں ہیں جو حاملہ ہوتی تھیں جب ان کے بچے مار ڈالے
 جاتے تھے تو اسوقت وہ زندہ رکھی جاتی تھیں بعض نے یہاں مقابلہ کے لحاظ سے وہ ہی عورتیں مراد
 لی ہیں جو نابالغ ہوں بلکہ نوزائیدہ ہوں۔

وَقَدْ ذَلَّلْنَا بِكُلِّ مَشْرِعٍ لَّكُم مَّا تَشَاءُونَ ذَلَّلْنَا بِكُلِّ مَشْرِعٍ لَّكُم مَّا تَشَاءُونَ
 نساء کہہ دیا یا بخینا کہہ دیا پورا جملہ ہوا اور یہ تینوں احتمال درست ہیں اس واسطے کہ بلا آرایش کو
 کہتے ہیں اور آرایش کبھی نعمت پر ہوتی ہے راحت دیجاتی ہے تاکہ اندازہ کیا جاوے کہ اس نعمت کے
 مقابل نعم علیہ نے کیا کیا چاہے کہ شکر کرے اگر شکر بجا لایا تو ظاہر ہے کہ آرایش میں کامیاب ہو اور
 کبھی آرایش مصیبت میں مبتلا کرنے سے ہوتی ہے اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس شخص نے صبر کیا یا نہیں
 اگر صبر کیا تو کامیاب ہو اور نہ نا کامیاب ہوا کبھی دونوں حالتوں سے آرایش کی جاتی ہے تاکہ
 صبر و شکر دونوں کا اندازہ کیا جاوے یہ صورت ترغیب و ترہیب دونوں کو شامل ہے تو اگر شار الیہ
 جملہ کیا جاوے تو دونوں مراد ہیں اور اگر یذبحون کی جانب اشارہ ہو تو معنی ہلاک کے یہاں مصیبت
 میں گرفتار کرنے کے ہیں اور اگر بخینا کہہ اسکا مشار الیہ ہو تو معنی اسکے نعمت کے ہیں حاصل یہ ہے
 کہ ہم نے تمکو نعمت بھی عطا کی کہ فرعون کے دستِ ظلم سے نجات دلائی تمکو صبر و شکر کرنا چاہیے یہاں
 بلا کی صفتِ عظیم کے لفظ سے کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی آرایش تھی فرعون نے حکم
 دیدیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو وہ فوراً ہلاک کر ڈالا جاوے اور اگر لڑکی پیدا ہو تو
 وہ قتل نہ کی جاوے بلکہ اُسے زندہ رہنے دیا جاوے اس حکم کی تعمیل کرانے کی غرض سے اُس نے

پہرے والے مقرر کئے تھے دایان مقرر کی تھیں جو حاملہ عورتوں کا پتہ لگائے رکھتی تھیں جہاں اُنکو خبر ہوئی کہ لڑکا پیدا ہوا یا ہونے والا ہو وہ فوراً پہنچ جاتی تھیں ایسا انتظام کیا تھا کہ کسی بنی اسرائیل کی عورت حاملہ کے لڑکا نہین ہونے پاتا تھا مگر دایہ کو معلوم ہو جاتا تھا اور وہ اُسکو قتل کر دیتی تھی۔ اس امر میں اختلاف ہو کہ یہ حکم فرعون نے کیوں دیا تھا بعض کہتے ہیں کہ تولد و تناسل بنی اسرائیل میں اس درجہ کثرت سے تھا کہ فرعون کو اندیشہ ہوا کہ کہین بنی اسرائیل اس روز افزون ترقی سے عاملہ اور قبط پر غلبہ نہ حاصل کر لیں اس اندیشہ سے اُسنے ہلاک کرنا شروع کیا تاکہ اولاد ایسی نہ ہو جس سے اُنکی نسل بڑھتی رہے ظاہر ہو کہ لڑکی کی اولاد اُنکی نسل سے نہیں ہوتی البتہ ذکور اُنکی نسل سے ہوتے بعض کہتے ہیں کہ کاہنوں نے فرعون کو خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ہوگا جو تیری سلطنت پر قبضہ کرے گا اسوجہ سے اُسنے یہ حکم دیا تھا بعض کہتے ہیں کہ اُس نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ اُٹھی ہو اور اُسے مصر کا ملک جلا نا شروع کیا ہو تمام قبطیوں کے گھروں کو اُسے جلا یا مگر بنی اسرائیل کے گھر محفوظ رہے اسکی تعبیر دی گئی کہ اس قوم میں ایک لڑکا ہوگا جس سے بنی اسرائیل نجات پاویں گے اور قبطی ہلاک ہونگے اُسے ارادہ کر لیا کہ ایسا لڑکا پیدا ہی ہونے نہ پاوے اُسنے یہ حکم دیا کہ جو لڑکا ہو وہ قتل کر ڈالا جاوے اس حکم کے سبب سے بارہ ہزار لڑکے قتل کر ڈالے گئے اور نوے ہزار نوزائیدہ ہلاک ہوئے اسی زمانہ میں بنی اسرائیل میں ایک ایسی بیماری شروع ہوئی کہ جس سے مرد و جان مرنے لگے اُسوقت قبطیوں کو پریشانی ہوئی کہ اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو بنی اسرائیل فنا ہو جاویں گے تمام کام کا بار ہم پر چڑھا دیا وہ سب بل کے فرعون کے پاس آئے اُس سے اپنی پریشانی ذکر کر لی تو اُسے حکم دیا کہ ایک سال جو ہو وہ زندہ رہے دوسرے سال جو ہو تو بچہ قتل کر ڈالا جا یا کرے لڑکی زندہ رکھی جاوے اس حکم کے بعد حضرت ہارون پیدا ہوئے اُس سال لڑکا قتل نہین کیا جاتا تھا وہ زندہ رہ گئے دوسرے سال حضرت موسیٰ ہوئے وہ سال اولاد زریہ کے قتل کیے جانے کا سال تھا اس سے معلوم ہوتا ہو کہ فرعون نے یہ حکم محض بنی اسرائیل کے کثرت کے خوف سے دیا تھا ورنہ تعبیر خوب یا کاہنوں کے خبر دینے سے اگر حکم ہوتا تو ایک سال قتل کا اور دوسرا سال عدم قتل کا قرار دینا فضول تھا بہر حال حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو اُنکی والدہ نے خون سے صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا خدا کی شان کہ اُسکو آسیہ زوجہ فرعون نے اور اُسکی دختر نے دیکھا اُسکو اٹھوایا فرعون سے پہلے پوشیدہ رکھا پھر اُسکو خبر دی اُس سے پرورش کی بھی اجازت لیلی یہ امر بھی دلیل اس بات پر ہو کہ قتل اولاد بنی اسرائیل محض خون سے کثرت کے تھا آسیہ نے موسیٰ کو پرورش کرنا شروع کیا

اتالین بلانی گئیں مگر کسی انا کا دودھ حضرت موسیٰ نے نہیں پیا برابر انا کی تلاش رہی حضرت موسیٰ کی ہنسی
 آسیر کے پاس آتی جاتی تھیں انھوں نے حضرت موسیٰ کی والدہ کو پہنچایا انا کا دودھ حضرت موسیٰ نے
 پینا شروع کیا غرض کہ حضرت موسیٰ فرعون کی گود میں پرورش ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جان قوی مضبوط دلاور ہوئے ایک دن یہ بازار میں کسی ضرورت سے
 جا رہے تھے انھوں نے دیکھا کہ ایک بنی اسرائیل کے ضعیف شخص کو ایک قبلی مار رہا ہو اُس نے حضرت
 موسیٰ سے فریاد کی حضرت موسیٰ نے پہلے قبلی کو بہت سمجھایا مگر اُسے حضرت موسیٰ کا کچھ کہنا نہ مانا تو اُس وقت
 حضرت موسیٰ نے اُس قبلی کو ایک تھپڑ مارا ارادہ نہ تھا کہ اُس کو ہلاک کر ڈالیں مگر مقیدیوں ہی تھا کہ
 اُسکی قضا آ جاوے وہ قبضائے الٰہی فوت ہو گیا حضرت موسیٰ اُس کو اپنے تھپڑ کا اثر سمجھے اور بہت ناؤم
 ہوئے مگر کیا کرتے تو یہ استغفار کر کے اور اسرائیلی کی اعانت و مدد سے اُس مردہ قبلی کو حضرت موسیٰ نے
 دفن کر دیا اُسکے قاتلوں کی تلاش ہو رہی تھی مگر کسی کو پتہ نہیں لگتا تھا اتفاقاً دوسرے دن حضرت موسیٰ
 بازار میں نکلے تو دیکھا کہ پھر وہی اسرائیلی ایک دوسرے قبلی سے لڑ رہا ہو اُسے حضرت موسیٰ سے اعانت
 طلب کی آپ نے اُس کو ڈانٹا کہ روز روز تو لڑتا ہو اور اُسکی مدد کے لیے بڑے اُس کو خون معلوم ہوا کہ
 کہیں حضرت موسیٰ مجھ کو نہ ارڈالیں گھر کے کہنے لگا کہ جس طرح آپ نے کل ایک خون کیا ہے آج بھی
 کرنے والے ہیں اس جملہ کو اُسکے منہ سے لوگوں نے سُن لیا فرعون کے دربار میں اسکی خبر دی گئی
 وہاں حضرت موسیٰ کے قتل کا حکم دیا گیا حضرت موسیٰ کو ایک درباری نے جبکہ قصہ قرآن شریف میں
 مذکور ہے آ کے خبر دی حضرت موسیٰ زار ہو گئے مصر سے نکلے اور سرحد عرب میں پہنچے مین اطراف شام
 میں ایک مقام ہو جہاں سرحد عرب شروع ہوتی ہو اتفاقاً اُس جگہ ایک کنواں تھا جسے مدین کے
 رہنے والے پانی بھرتے تھے دو عورتیں بھی پانی بھرنے آئیں مگر بوجہ ازدحام کے پانی بھرنہ سکیں
 حضرت موسیٰ نے انکی بیکسی دیکھی تو رحم آ گیا پانی بھر کر اُن کو دیا یہ دونوں صاحبزادیاں حضرت شعیب
 علیہ السلام کی تھیں انھوں نے حضرت موسیٰ کی خبر دی حضرت شعیب چاہتے تھے کہ اپنی صاحبزادی
 کو کسی کے ساتھ منعقد کریں جو خدمت کر سکے حضرت موسیٰ کو انھوں نے بلا بھیجا حضرت موسیٰ نے
 تمام قصہ اپنا حضرت شعیب سے بیان کیا حضرت شعیب نے کہا کہ اُس قوم کو کہ جس نے عادت ظلم کی
 کر رکھی ہو آپ نجات پا گئے اُسکے بعد اپنا مقصد بیان کیا اور اپنی ایک لڑکی کا عقد حضرت موسیٰ
 کے ساتھ کر دیا یہ شرط کی کہ آٹھ برس میرے یہاں رہ کے خدمت کر دے اور اگر دس برس پورے
 کر دو اور بھی بہتر ہو حضرت موسیٰ نے دس برس کی مدت پوری کی اُسکے بعد مصر واپس ہونے لگے

ہمراہ حضرت کی بیوی حضرت شعیب کی صاحبزادی تھیں انکو درودِ شریعہ ہوا اور سے حضرت موسیٰ نے آگ کی ایسی روشنی دیکھی بلکہ کہ آگ لاوین وہاں تجلی حضرت حق تعالیٰ حضرت موسیٰ کو نبوت عطا ہوئی اور موسیٰ بالبعثات کر کے بنی اسرائیل کی نجات دینے کے واسطے فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا گیا حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کی سفارش کی وہ بھی نبی کئے گئے دونوں مصر میں آئے حضرت موسیٰ کو تصدیق نبوت کے طور پر ایک لکڑی کا معجزہ دیا گیا کہ جب وہ زمین پر ڈال دیا جاتا تو سانپ بن جاتا اور جب اُسکو اٹھا لیتے تو وہ عصا ہو جاتا اسی طرح آپ کے ہاتھ میں یہ معجزہ دیا گیا کہ جب بغل میں رکھتے تو ہاتھ روشن ہو جاتا اُسکو یہ بیضا کہتے ہیں۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون عصا اور یہ بیضا لیکے مصر پہنچے فرعون کو جا کر خداوندِ عالم کا حکم سنایا فرعون کے دماغ میں سوداے خود نمائی تھا خدا بنا ہوا تھا اُسے حضرت موسیٰ کی دلگی اڑائی اور اُن سے فضول کج بخشی کی جیسا کہ آگے آجگا آخر حضرت موسیٰ نے یہ بیضا اور عصا کا معجزہ دکھایا اُسے خیال کیا کہ یہ ساحر ہی تمام ملک کے ساحرون کو جمع کر کے اُسے مقابلہ کرایا حضرت موسیٰ کا عصا اور یہ بیضا غالب ہوا جسکا قصہ اُس کے محل پر مفصل مذکور ہے آخر وہ ساحر ایمان لائے بجائے اس کے کہ حضرت موسیٰ کے کہنے کے موافق بنی اسرائیل کو فرعون چھوڑ دیتا اُسے اُسے ساحرون کو سزا دی ہاتھ پیر کاٹے سولی پر چڑھایا عبرت کے بدلے قرد اور بڑھ گیا تو حضرت موسیٰ نے پھر اُسکو تنبیہ کی جب نہ مانا تو آپ نے دعا کی تمام پانی خون ہو گیا پھلیدان مرغین مینڈھک کثرت سے ہو گئے پھر زیادہ ہوئے موسیٰ اور جانورون میں موت بڑھ گئی پھوڑے پیدا ہوئے اور طاعون کا دُمل نکلا بُڈیاں کثرت سے آئین تمام کھیت چرگین اندھیاری ہو گئی اسی طرح مصائب آئے جب کوئی مصیبت ہوتی تو فرعون حضرت موسیٰ سے الحاح کرتا اور کہتا کہ دعا کیجیے اگر یہ آفت دور ہو جاوے تو میں بنی اسرائیل کو چھوڑ دوں جب حضرت موسیٰ دعا کرتے اور وہ مصیبت دور ہو جاتی تو پھر فرعون اسی طرح قرد کرتا کوئی پردہ نہ کرتا بنی اسرائیل پر اُسے مصائب زاید ہو گئے فرعون اور اسکی قوم نے اُنکو اور ستانا شروع کیا پہلے تو کچھ اُنکی مدد بھی کی جاتی تھی محنت میں اعانت ہوتی جب سے موسیٰ تشریف لائے اور بھی سختی ہونے لگی کسی قسم کی رعایت نہیں ہوتی تھی اور کام سب لیے جاتے تھے بنی اسرائیل تنگ آ گئے حضرت موسیٰ کو تنگ کرنے لگے کہ آپ خوب آئے آپکے آنے کے قبل ہی ہم اچھے تھے اب تو اُس سے بھی زاید دشواریاں ہیں ناچار حضرت موسیٰ نے مایوس ہو کے فرعون کی ہلاکت کی دعا کی تاکہ اُنکی قوم نجات پا جاوے حضرت موسیٰ کو حکم دیا گیا کہ شب میں آپ اپنے ساتھ بنی اسرائیل کو

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ

اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے جدا کر دیا تمہارے باعث دریا کو جس نے تمکو نجات دی تھی غرق کر دیا فرعون انکو دریا کی تہ تک پہنچا رہے تھے
بقیہ صفحہ ۱۴۲ لیکے چلیے صبح ہوتے دریا سے نظر کتبم قریب پہنچ گئے حضرت موسیٰ کے تعاقب میں فرعون اپنے لشکر کو لیکے نکلا حضرت موسیٰ تو نجات پا گئے فرعون غرق ہو گیا اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اس جگہ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ یہ نجات دینا بعد اُن مصائب کے ایک آزمائش تمہارے رب کی طرف سے تھی اور وہ بہت بڑی آزمائش تھی۔

اگر مراد نعمت ہی تو مطلب یہ ہو کہ اللہ نے اپنے فضل سے تمکو فرعون کے دستِ ظلم سے بچا یا اور اس طرح بچایا کہ ہرگز اللہ کی قدرت کے سوا کوئی دوسری قدرت اُس سے تمکو نجات دینے والی نہ تھی تو یہ نعمت تمہارے پروردگار کی طرف سے تھی اور اگر مراد یہاں آزمائش سے وہی مصائب ہیں جو حضرت موسیٰ کی تشریف لانے کے قبل و بعد بنی اسرائیل پر فرعون اور اُسکی قوم ڈال کر تھی تو مقصود یہ ہو کہ اللہ جل شانہ نے مقدر کر دیا تھا اُسکے مقدر کرنے سے یہ آزمائش تمہارے لیے ہوئی تھی۔ خداوند عالم نے فرعون اور اُسکے ساتھیوں کو مسلط کر دیا تھا کہ وہ تمپر ظلم کریں تاکہ تمہاری آزمائش ہو اس لحاظ سے ارشاد ہوا اَبْلَاةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمَةٌ یہ بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے تھی اُسکے تقدیر کرنے سے یا اُسکے مسلط کرنے کے باعث یہ بڑی آزمائش تمپر ہوئی ہے

ہر نیک و بدی کہ میرود در عالم خود می کند و بہانہ بر عام نہاد
یہ نعمت اُس پہلے انعام کا ختمہ ہی کیونکہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکے چلے تو اُس راہے چلے جدھر دریا تھا اور یہ دریا یا تو نیل تھا اس واسطے کہ جو حصہ بنی اسرائیل کے قیام کرنے کے لیے تھا اُسکے سامنے دریاے نیل پڑتا ہی یا بحر طَرم تھا اور وہ جس جگہ قریب بارہ میل کے چڑھا تھا وہاں حضرت موسیٰ گذرے اس جگہ پر اختلاف ہو کہ سیدھے خط سے گذرے یا قوس کے طور پر گولائی لیے ہوئے دریا میں داخل ہوے اللہ نے دنیا کو پایاب کر دیا اور جدا جدا راہیں بنا دیں اُسکو فرق کر کے تعبیر کیا ہی ہماری قرأت ثلاثی مجود کی ہو اور بعض نے اسکو مزید پڑھا ہی کیونکہ بہت سی راہیں دریا میں ہو گئی تھیں اور فرق کے معنی تضمین شق کے ساتھ فصل کے ہیں یہ فرق حضرت موسیٰ اور انکی قوم کے لیے ہوا بکہ اسی کی جانب اشارہ ہی بآء یا تو سبب یہ ہو اگر خدا کے افعال معلل بالاعراض یا شبہا بسببہ اگر کے افعال معلل بالاعراض نہ ہونے جا دیں جیسا کہ حق تعالیٰ ہی پروردگار نے بارہا اُسکو کر لیا ہو یا باہتلاف کیلئے ہو اور بعض نے علالت کے لیے بھی کہا بکہ امام رازی نے تاویل کی ہو کہ بنی اسرائیل کے چلنے سے

دریا پھٹتا گیا مگر یہ غلات واقعہ ہی اس واسطے کہ قرآن شریف میں دوسری جگہ بیان کیا گیا ہو کہ پہلے حضرت موسیٰ نے دریا کو جدا جدا کر دیا اس جملہ سے اُن لوگوں کا شبہہ دفع کر دیا گیا جس آیت سے تنازع پر دلیل لاتے ہیں کہتے ہیں کہ فرعون کے وقت میں جو بنی اسرائیل تھے اُنہیں جو کچھ کیا گیا اُسکے مخاطب آنحضرت کے وقت کے بنی اسرائیل ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ روحین ایک ہی تھیں اس دلیل کو لفظ بکھر ضعیف کرتی ہی اس واسطے کہ عربی کے محاورہ میں ہر غضبت لزیذ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب زید زندہ ہو اور بزیذ جبکہ وہ مردہ ہو تو یہاں بکھر ہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے لیے یہ کہا گیا اور خطاب کی علت اور ذکر ہو چکی ہو کہ محاورہ عرب کا ہو بدر میں جو ہوا ہو وہ اُنکی اولاد سے کہا جاتا ہے۔ غرض کہ دریا جدا جدا ہو گیا اور راہیں ہو گئیں تو بنی اسرائیل نکل گئے فانیچینا کہہ سے اُسکا بیان کیا گیا ہے نجات یا تو غرق سے ہوئی یا اس مرے ہوئی کہ بنی اسرائیل جب چلے اور فرعون کا لشکر اُنکے تعاقب میں چلا تو اُن سے بنی اسرائیل بچ گئے اور پہونچ نہ سکے یہاں تک کہ دریا میں اترے اور پار ہو گئے پہلے تو اُنکو تعاقب کرنے ہی سے روکا اس واسطے کہ جس شب بنی اسرائیل روانہ ہوئے جتنے آثار صبح کے ہیں وہ سب پوشیدہ کر لیے گئے یہاں تک کہ اُس دن مُرخ نے ہانگ بھی نہیں دی بنی اسرائیل یکے اہل و عیال مال و اسباب روانہ ہو گئے اور قوم فرعون شب کے دھوکے میں رہ گئی یہ پہلی روک تھام تھی پھر جب دریا کے قریب فرعون کا لشکر پہونچا تو دریا کے اندر جانے سے فرعون کا گھوڑا ڈرا کر اُسے ایک گھوڑی دیکھی کہتے ہیں کہ حضرت جبریل گھوڑی پر سوار آگے آگے گھوڑا بے قابو ہو کے اُنکے پیچھے روانہ ہو گیا جب وہ اور اُسکی پوری فوج دریا میں اترے و اغرقنا ال فرعون واقع ہوا کہ اللہ جل شانہ نے اُن سب کو غرق کر دیا ال بولا ہے مراد اُس سے فرعون اور اُسکے تابع ہیں جس طرح بنی ادم بولا ہو اور کو منا بنی ادم میں حضرت آدم کو بھی مراد لیا ہو کیونکہ یہ ظاہر ہو کہ جب فرعون کی فوج غرق کر دی گئی تو فرعون بدرجہ اولیٰ غرق کر دیا گیا ہو گا جیسا کہ دوسری آیات سے صحت معلوم ہوتا ہے فرعون تو راس الطغیان اور منع فساد تھا اُسکا غرق کیا جانا تو ضروری تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ جل شانہ نے ابتداء دریا کے ذریعہ سے ہلاک ہونے سے نجات دی تھی اُسکے مائل آپکی اُمت کو بھی اللہ نے فرعون کے عذاب کے بذریعہ دریا کے نجات دی علما کہتے ہیں کہ انبیاء کے امور کا اثر اُنکی امت میں موجود ہوتا ہے اس لیے کہ امیر کو کہ ہوا کے ذریعہ سے امت محمدی کو نجات دلا کرے واللہ اعلم۔

فرعون نے چونکہ دریائے بلک پر کبیر کیا تھا اور کہا تھا الیس لی ملک مصر و هذه الاقطار تجوی

من یحتی انہیں لی ہمارے پر سے غرا کیا تھا تو اللہ نے اُس کے تکبر و غر کو اُسی کی راہ سے نکالا دریا میں غرق کیا گیا۔ اسکا علم نبی اسرائیل کو ہے واللہ تعالیٰ وہ اسی وجہ سے ارشاد ہوا ہے حضرت ابن عباس نے نظر کے معنی علم کے لیتے ہیں اور مغول اسکا آباد و کم ہے معنی یہ ہوئے کہ تم کو اپنے آباد و اجداد کا علم ہے یا مراد یہ ہے کہ جب فرعون غرق کیا گیا تو اُس وقت تم نجات پا چکے تھے دوسرے کنارہ سے دیکھتے تھے یا مراد یہ ہے کہ تم باہم ایک دوسرے کو دیکھتے تھے جب دریا کے اندر اترے تو اسوقت راہیں مختلف ہو گئیں بارہ فرات تھے ہر گروہ نے ایک ایک راہ اختیار کی دریا میں پہنچے موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم کو اپنے بھائیوں کو دکھا دیجئے کیسے معلوم ہو کہ وہ نجات پا گئے جس طرح ہم نجات پا گئے حضرت موسیٰ نے عصا مارا دریا کے اندر ایسے سوراخ ہو گئے کہ برابر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے یہ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھا معجزہ محض عادت کے خلاف ہوتا ہے عقل کے خلاف نہیں ہوتا عقل کے خلاف جو امور ہیں محال ہیں خدا کی قدرت سے بھی باہر ہیں مثلاً دو کا نصف بجائے ایک کے چار ہو جاوے یہ محال ہے اور نہیں ہو سکتا ہے یہ ممکن ہے کہ دریا نیل ایک وقت زائد ہو اور دوسرے وقت پایاب ہو اسکے امکان میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے باوجود اسکے یہ امر کہ جب حضرت موسیٰ اور اُن کے ہمراہی گئے پانی پایاب ملا اور جب فرعون پہنچا تو پانی میں غرق ہو گیا یہ امر یقینی معجزہ ہے جسے جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے کہ خدا کے نزدیک کوئی شے بلا سبب نہیں ہے اور واقف کار کے نزدیک اکثر امور کے اسباب ہیں اور جہاں کے نزدیک اکثر امور بلا سبب ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت اسباب کا پابند اگرچہ باری عزوجل نہیں ہے مگر اُس نے دنیا میں ایسا ارتباط قائم رکھا ہے کہ ایک شے دوسری شے کا سبب معلوم ہوتی ہے یوں تو جو چاہے جب چاہے پیدا کر دے مگر اسکی عادت یہ ہے کہ اکثر اشیاء کو مخصوص بعض اشیاء کے بعد پیدا کرتا ہے وہ اول شے سبب کہلاتی ہے اور ثانی سبب کہلاتی ہے جو قدر غور کیا جاوے یہ سلسلہ بلا جبری ہے اسی کو حکماء علت و سبب سمجھنے لگے ہیں مگر یہ اسباب کمین معلوم ہوتے ہیں کمین نہیں معلوم ہوتے ہیں جہاں نہیں معلوم ہوتے ہیں وہاں وہ بلا سبب سمجھے جاتے ہیں جنکے نزدیک بلا سبب ہوتے ہیں وہ معجزہ سمجھتے ہیں اور جنکے علم میں اسباب ہوتے ہیں وہ معجزہ نہیں سمجھتے ہیں اسی وجہ سے معجزہ اکثر انہمونی اور کم عقلوں کے روبرو پیش کیا گیا ہے فرعون کی قوم عسری کے امیون سے بھی کم فہم تھی اسی وجہ سے وہاں معجزہ اس قسم کا دکھایا گیا اور عرب میں زیادہ تر انحضرت نے وہ امور پیش کیے جو ذوق سلیم کے قبول کرنے کے قابل تھے مثلاً کلام

وَاذْءَاعِدْنَا مُوسَىٰ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعَجَلُ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظَالِمُوْنَ

اور یاد کرو اُس وقت کو کجب ہمارے اور موسیٰ کے باہم وعدہ ہو گیا چالیس راتوں میں پھر تم نے اختیار کیا کوسل لڑنے کے بعد اور تم حد سے بڑھ چاہتے ہو

بقید صفحہ ۱۲۵ اور احکام بہر حال یہ معجزہ تھا اگرچہ عقل کے خلاف نہ تھا لوگوں کے وہم میں ہے کہ معجزہ خلاف عقل ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ معجزہ و کرامت خلاف عادت ہوتا ہے اور وہ ان سبب پر شیدہ ہوتے ہیں مثلاً ایک سفر میں مجھے ۲۰ محرم کو عصر کے وقت پہونچنا تھا راہ میں پنجاب میل جس پر سویرے پہونچ سکتا تھا چھوٹ گیا کانپور کے بڑے اسٹیشن پر پہونچا معلوم ہوا کہ لکھنؤ اس وقت کوئی ریل نہیں جاتی ہے اس واسطے کہ منجے ہیں اور ۶ بجے چھوٹی ریل چھوٹ گئی باوجود اسکے دل میں آیا کہ چھوٹے اسٹیشن چلو کہہ پر سوار ہو کے آیا۔ اتنے قریب یہاں اسٹیشن کا ٹیسی تیار ہوئی اور اُس نے جھکو ایک بجے لکھنؤ پہونچا دیا یہ کرامت ہے لیکن بلا اسباب نہیں ہے اس واسطے کہ اُس دن گھوڑ دوڑ تھی اُسکی وجہ سے اسٹیشن چھوٹی یہ اُمور اتفاقی ہیں کہ اُسی دن اُسکے چھوٹنے کا وقت تھا اور میرا دل خود بخود بڑے اسٹیشن پر گھبرا یا شہر میں نہیں گیا بلکہ چھوٹے اسٹیشن پر آیا یہ کرامت ہوئی اسی طرح نفس قدسی انبیاء کا مؤثر ہوتا ہے اور وہی سبب ہوتا ہے اس جگہ معجزہ شق قمر کا ذکر ہوتا ہے چونکہ اخبار صحیحہ سے ثابت ہے اس واسطے کہا جاتا ہے کہ واقع ہوا اگر یہ خلاف عقل نہیں ہے نہ قوت جاذبہ کے منافی ہے اسکی تفصیل اُسکے موقع پر ہوگی بسا ایسا ہوتا ہے کہ اسباب جب موجود ہوتے ہیں تو شے ممکن معلوم ہوتی ہے مگر وہ محال عادی ہے جس طرح اس وقت کے سائنس کے کرشمے ہیں کہ اگر وہ اسباب نہ رہیں تو عجائب ہو جاوے اسی قسم کے کرامات ہیں کرامات معجزہ کا اثر ہے۔

جب حضرت موسیٰ کو نجات اُسی تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے خواہش کی کہ خدا کی جانب سے کوئی ایسی کتاب ہموکولنا چاہیے جس پر ہم عمل کریں اور آخرت میں عذاب الہی سے نجات پائیں اور دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں حضرت موسیٰ نے عرض کیا اللہ جل شانہ سے ارشاد ہوا کہ اگر تم چاہو میں تین ہمارے لئے مقرر کروں تو ہم کو کتاب دین حضرت موسیٰ نے اللہ کے اس وعدہ پر وعدہ کر لیا کہ وہ اس مدت میں حاضر رہینگے چنانچہ دونوں طرف سے وعدہ ہوا اسی وجہ سے باب مفاعیلہ سے واعدا ارشاد ہوا ہے اور بعض نے واعدا کو بمعنی وعدنا لیا ہے اور بعض قراء نے وعدنا پڑھا بھی ہے اس صحت میں مقصود یہ ہے کہ اللہ نے وعدہ کر لیا کہ چالیس راتوں کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دیجا ویکلی - موسیٰ اسم عجیب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اصل اسکی موہ ہے جسکے معنی ماو یعنی پانی کے ہیں اور شعی کے معنی درخت کے ہیں یہ نام کا جس شخص نے رکھا ہے اُس نے اس لحاظ سے رکھا ہے کہ یہ دریا سے نکالے گئے اور

صندوق لکڑی کا تھا جو کسی درخت کی لکڑی سے بنایا ہوا تھا پھر شین سین سے بدل گیا۔

اربعین ظرف ہے اور مفعول بہ محذوف ہے اللہ نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس راتوں میں کتاب دینے کا اور بعض مضاف محذوف کر کے اربعین کو مفعول بہ مانا ہے اعطاء مضان محذوف ہے بعض اربعین کو ظرف مستقر بناتے ہیں اور بعض مفعول مطلق اسطور پر کہ موعده اربعین لیلتہ اور لیلتہ میں اشارہ اس جانب ہے کہ اصل ایام کے لیالی ہین خصوصاً اہل عرب کے نزدیک کہ وہ ہلال سے ماہ کی ابتدا سمجھتے ہیں یا اسوجہ سے لیل کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ وعدہ رات کو ہوا تھا یا اسوجہ سے کہ اصل ظلمتہ ہے یا اسوجہ سے رات کا ذکر کیا گیا کہ حضرت موسیٰ کو صوم وصال کا حکم دیا گیا تھا اگر ایام ذکر کئے جاتے تو وصال کا ثبوت نہ ہوتا ممکن تھا کہ دن کو روزہ ہوتا اور شب کو موافق عادت کے بے روزہ رہتے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ رات و دن کا روزہ تھا جب رات کا ذکر کر دیا گیا تو معلوم ہو گیا کہ صوم وصال تھا بعض کہتے ہیں کہ قیام لیل مراد ہے مگر جہاں تک روایات سے معلوم ہوتا ہے حضرت موسیٰ قیام لیل کے مامور نہ تھے بلکہ صوم وصال کے مامور تھے یہ مدت تو ایک ماہ و لیلۃ اور دس دن ذی الحجہ کی تھی یا ذی الحجہ کا پورا مہینہ اور دس دن محرم کے یہ دونوں روایتیں ہیں۔

ثم اتخذتم العجل اتخذ کے دو معنی ہیں ایک تو ابتدا کسی شے کو بنانا دوسرے کسی شے کے لئے وصف ثابت کرنا اول احتمال میں عجل مفعول ہے اور عجل کے بنانے میں شاعت اور براہی اسوجہ سے ہے کہ مقصود اُس سے عبادت کرنا تھا دوسرے احتمال میں اتخذ جعل کے معنی میں ہوتا ہے اور دوم مفعول چاہتا ہے یہاں ایک مفعول حذف کر دیا گیا ہے اور وہ لفظ الماء ہے یعنی تنے کو سالہ کو الہ عبود باطل بنالیا دوسرے مفعول کو محذوف کیا اسکی شاعت اور خرابی کے باعث سے اور یہی باعث انکی مذمت کا ہو اور پہلے مفعول کو عجل کے ذکر کرنے پر اتکفا لگائی العجل گائے کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں کل قوم موسیٰ نے اسکی پرستش کی سوائے ہارون علیہ السلام کے اور اُن ستر آدمیوں کے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چلے گئے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہارون علیہ السلام کے ہمراہ بارہ ہزار بنی اسرائیل نے گوسالہ کی پرستش نہیں کی سامری نے گوسالہ کو اسوجہ سے الہ بنایا کہ وہ خود ایسی قوم سے تھا جو گائے کی تعظیم و پرستش کرتے تھے اسوجہ سے اُس نے پرستش کیلئے جو شے بنائی وہ اپنی قوم کی عادت کے اعتبار سے تھی کہتے ہیں کہ سامری اُسی قوم سے تھا اور وہ منافق تھا اور بعض کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل جب اُس قوم پر سے گزرے تو گوسالہ کی پرستش کرتے تھے تو انھوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ جعل لنا الہا کما لہم آمتہ ہمارے لئے بھی

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَإِذْ
 پھر ہم نے معاف کر دیا تم کو بعد کے شاید کہ تم شکر کرو اور یاد کرو اُس وقت کو کہ جب

اتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝
 ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور فرقان دیا شاید کہ تم راہ پاؤ

بقیہ صفحہ ۱۴۷ دیا یہاں ہی معبود بنا دیجئے جیسا کہ اُن کے لیے یہ سامری نے نئی آتش کو سنا تھا اُن نے یقین کیا کہ اگر گوسالہ لکھ بنایا
 جائے گا تو یہ لوگ ضرور پوچھ لگیں گے کیونکہ اُن کی سرشت ہوا میں صبر سے روایا ہے کہ وہ گوسالہ کو گشت پور سے بن گیا تھا اور اُس
 کی آواز جس کو خوار کیا گیا ہے حقیقتہً ہوتی تھی اور مجبور کہتے ہیں کہ اُس کی شبیہ بنائی تھی اور یہ آواز اُس کے لیے جانا تا بہت لگی ہے
 بعض کہتے ہیں کہ کو عمل اسوجہ سے کہا کہ اس کے بنانے اور پوچھنے میں عجلت لگی تھی موسیٰ علیہ السلام واپس آنے نہیں پائے بعض کہتے
 ہیں کہ اس کو عمل اسوجہ سے کہا گیا کہ وہ جلد پوچھ لگی موسیٰ علیہ السلام کے آتے ہی برباد کر دیا گیا۔ جلا کے خاک کر دیا گیا۔

من بعد اُن کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب پھرتی ہے اُس میں بنی اسرائیل کی ہمت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام
 کے آنکھ سے غائب ہوتے ہی تہود و ظنیان شروع کر دیا یا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم توحید کا بہت کم اثر
 ہوا کہ جو جلد زائل ہو گیا یا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی انکو ذرہ بھر پر وہ نہ ہوئی اُن کے انیکا بھی انتظار نہیں کیا
 بعض کہتے ہیں پورے چالیس دن پرستش کی بعض کہتے ہیں چند دن اول اول پرستش کی بعض کہتے ہیں
 کہ آخر کے دس دن پرستش کی اس سامری کا نام ریحا تھا یا جرحا کا رہنے والا تھا یا کرمان کا رہنے والا تھا
 بعض کے نزدیک بنی اسرائیل سے تھا اور بنی اسرائیل میں ایک قبیلہ ہے سامرہ اُسین سے تھا واللہ اعلم۔
 وانتم ظالمون حال ہے کہ تم گوسالہ کی پرستش کرنے لگے حالانکہ تم ظالم یعنی مشرک تھے کہ عبارت غیر محل میں
 کرنے لگے یا تم نے سامری کو روکا نہیں بلکہ اُس کے دھوکے میں آ گئے یہ ظلم کیا اور ممکن ہے کہ حال نہ ہو بلکہ جلد ہو
 کہ تم برا بر ظلم کر نیا لے ہو۔

ثُمَّ يَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ لِلْبَيْتِ وَإِذْ يَحْمِلُ إِسْحَاقُ وَيَعْقُوبُ نَافِلًا ۚ إِنَّهُمْ
 کی اہمیں بہت بڑا تفاوت ہے اور من بعد ذلک میں اشارہ اس جانب ہے کہ تمہارا ظلم ایسا صریح ہے
 کہ بمنزلہ مشاہدہ کے ہو گیا ہے ذلک اشارہ بعید ہے گو مشاہدہ الیہ قریب ہے محض غفلت مشاہدہ الیہ
 کے اظہار کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے۔

لعل ترحی کے لئے ہے جو یا تو جیسا کہ مشہور ہے کہ یقین کے واسطے قرآن میں آتا ہے تو یہ امر ہے بصورت
 خبر یا مجاز ہے طلب سے اور بعض نے خود طلب مراد لیا ہے اور کہتے ہیں کہ خدا کبھی اُس شے کو بھی طلب کرتا ہے

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ أَنفُسَكُمُ بِإِغْوَاكُمْ

اور یاد کرو اُس وقت کوجب فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے قوم تم نے حد سے تجاوز کیا اپنی ذاتوں کے لیے کیونکہ تم نے
الْعَجَلَ فَوُتُّوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

گو سالہ کو اختیار کیا ایسے تم توبہ کرو اور رجوع ہوا اپنے پیدا کرنے والے کی طرف ایسے تم قتل کرو اپنی ذاتوں کو یہ قتل تمہارا نجات

عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

خالق کے نزدیک بہتر ہے اس کے بعد اللہ نے تمہاری توبہ قبول کی وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے

بقیہ صفحہ ۱۴۸ جو واقع نہ ہو سکے ظاہر ہو کہ اسے شکر واقع نہیں ہوا۔

کتاب سے بالاتفاق مراد تورات ہے اور بعض فرقان سے بھی تورات ہی مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تورات کو کتاب اسوجہ سے کہا کہ یہیں احکام کا مجموعہ ہے اور فرقان اسوجہ سے کہا کہ وہ حق کو باطل سے جدا کرتی ہے اور اُس کے اوپر دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف میں دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے وَهَذَا تَنبِيْهُكُمْ وَهُوَ الْفَرْقَانُ یعنی دیا موسیٰ اور ہارون کو فرقان اس صورت میں کتاب اور فرقان سے ایک ہی مراد لیں اور عطف بمنزلہ عطف تنزیل الملائکہ والروح کے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فرقان سے مراد شرع ہے جو حق و باطل کی تفریق کر نیوالی ہے بعض کہتے ہیں کہ معجزات ہیں جسے صادق و کاذب کی تفریق ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ مراد اس سے نصرت ہے کہ جو نجات دلانے سے بنی اسرائیل کے اور غرق کرنے سے آل فرعون کے حاصل ہوئی جس طرح نصرت کو فرقان کہا ہے جو نصرت بدر میں ہوئی تھی۔

قوم گروہ کو کہتے ہیں جمع ہے جسکا واحد نہیں ہے بعض مواقع پر مقابل عورتوں کے بھی بولا گیا ہے اس جگہ موسیٰ علیہ السلام نے اس لفظ کو اس مقصد سے اختیار کیا کہ جو حکم اُن کو پہنچانا ہے وہ بہت شاق ہے اور اس لفظ سے بتایا گیا ہے کہ اس شاق حکم کا اثر ہم پر بھی ہوگا اس واسطے کہ ہم تمہارے ہی ایسے ہیں مگر چونکہ غرہ اُسکا بہت اچھا ہے اس واسطے یہ حکم دیا جاتا ہے شفقت کے خلاف نہیں ہے مراد قوم سے یا تو تمام افراد بنی اسرائیل ہیں یا صرف وہی جو گو سالہ کی پرستش کے متکبر تھے کیونکہ اُنھوں نے اپنی ذاتوں پر خود زیادتی اور زبردستی کی تھی مصیبت شرک کو ظلم اسوجہ سے کہا کہ اُسکا ضرر ضرر پہنچتا ہے اور وہی اپنی ہی ذات پر پہنچاتا ہے۔

فَوُتُّوا توجواب ہے سوال مقدر کا کہ اُنھوں نے کہا کہ جب ہمیں ظلم کیا تو اب کیا چارہ ہے ارشاد فرمایا کہ توبہ الی باری یا فاد تعقیب کا ہے کہ مراد یہ ہے کہ بعد اس مصیبت کے توبہ کرو۔ باری اسکو کہتے ہیں کہ جو سڑ دل اور مناسب پیدا کرے خالق سے یہ خاص ہے اس لفظ کا ذکر کرنا اسوجہ سے ہے کہ یاد دلایا جاوے

وَاذْقَلْتُمْ يُوْسٰى لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَرٰى اللّٰهَ جَهْرَةً

اور یاد کرو اُس وقت کو جب تم نے کہا موسیٰ علیہ السلام سے کہ تمہارا بھائی نہ لائینگے بہانے کہ اللہ ظاہر طور پر یکبارہ

فَاَخَذْنَا تِكْمُ الصَّيْقَةِ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

تو تمکو علی نے آگے بکھڑایا حالانکہ تم دیکھ رہے تھے۔

بعض مفسرین نے گناہ کہہ کر لیا جسے ٹکوپ لیا اور مناسب کے ساتھ پیدا کیا تاکہ چاہے تھا کہ اُس کے مناسب شان انگلی اطاعت کرتے برخلاف ان کے متنبہ مصیبت کی اب اُس کے اس احسان کا حق یہ ہے کہ جلد اُس کی جانب رجوع کرو اس لفظ کی نکرار محض توجہ دلانے کے لیے ہے کہ یہ جو حکم ہے اُس کا ہے کہ جو مناسب طور پر پیدا کرتا ہو اُس کا حکم قتل کا بھی مناسب ہی ہوگا۔

مردی ہے کہ کل وہ عاصی ایک جگہ ٹھائے گئے اور سب کی شکلیں باندھ دی گئیں اور کہہ دیا گیا کہ شخص اپنی گٹھا کھولے گا یا نظر اونچی کر کے قاتل کو دیکھے گا یا اپنے ہاتھ سے اپنے کو بچا لے گا تو اُس کی توبہ مقبول نہیں ہے وہ ملعون ہے جب سب نے اُس حکم کی تعمیل کی تو باہم قتل کرنے پر ہاتھ نہیں اٹھتے تھے اپنے بچو کو دیکھتے تھے اپنے دوسرے اعزہ کو اپنے دوستوں کو تو ترس آ جاتا تھا اپنی یہ لاچاری اُنھوں نے عرض کی حضرت موسیٰ نے دعا کی ایک بدلی چھا گئی جس سے اندھیاری ہو گئی کوئی کسی کو دیکھ نہیں سکتا تھا برابر قتل کی گرم بازاری رہی مروجی ہے کہ انتہی ہزار آدمی قتل کر ڈالے گئے پانچا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون نے اُس کے لئے دعا کی کہ بارگاہ اب انکو بخش دے بدلی چھنٹ گئی حضرت موسیٰ نے اس قدر مقتول دیکھے تو سخت صدمہ ہوا ارشاد ہوا کہ جو مقتول ہوئے وہ بھی جنتی ہیں شہید ہیں اور جو قاتل ہیں اور بچ گئے ہیں وہ بھی جنتی ہیں فنا علیہم کے معنی یہ ہیں کہ جب اس قسم کی توبہ کی تو اللہ ان کی جانب متوجہ ہو گیا اور اُس نے اُن کی توبہ قبول کی کیونکہ اُس کی شان ہی یہ تھی کہ وہ توبہ قبول کر لیا لاپہ اور رحم کر لیا لاپہ جو مر گئے گناہ شرک کے خمیازہ سے بچ گئے جو محفوظ رہ گئے اُن کے گناہ بغیر ہلاکت کے معاف کر دیے گئے۔

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم موسیٰ کیلئے شرک کی مصیبت دور کرنے کے واسطے اپنے قتل کرانیکو تہمتہ توبہ کے قبولیت کا گردانا تھا ورنہ امت محمدی میں یہ حکم نہیں ہے۔

یہ واقعہ دو جگہ بیان کیا گیا ہے اور تورات میں بھی دو جگہ ہے بعض دونوں کو ایک ہی واقعہ کہتے ہیں اور بعض دو واقعہ بتاتے ہیں دونوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے شرک آدمی حکم آئی چھانٹے جو نہایت عمدہ لوگ تھے انکو لیکے طور پر گئے بعض کہتے ہیں کہ اُن سے شرک و عبادت بخل سرزد ہوئی تھی اُس کی معذرت کے لئے گئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ نے خود حضرت موسیٰ کو حکم دیا تھا کہ تم شرک آدمی

ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَظَلَمْنَا
 پھر ہم نے تم کو تمہارے مرنے کے بعد اُٹھایا
 ابر تم پر چھا دیا اور تم پر
 عَلَیْكُمْ الْعِمَامَہَ وَأَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ الْمَنِّ وَالسَّلَوی ۝
 من د سلوی
 کُلُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۝
 کھاؤ تم جو حلال و پاک رزق سے تم کو بخنے دیا ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۵۰ لیکھیں۔ لیکن پھر جب لوگ حضرت موسیٰ کے ساتھ طور پر گئے اور حضرت موسیٰ ہم کلام ہوئے
 اَلْکُوْخَا دِکھا ئی نہیں دیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک نور کے ستون میں گھرے ہوئے ہیں البتہ
 باتیں اُنھوں نے سنیں کہنے لگے کہ ہم ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم کھلم کھلا خدا کو نہ دیکھ لیں حضرت موسیٰ
 کے چہرہ کو جو اُنھوں نے دیکھا وہ منور تھا اس سے یا دوسری کسی تجلی سے ایک جگہ جوں جوں سے یہ سب
 غش کھا گئے گر گئے ایک دن رات پڑے ہے یہ گرنا طبعی موت نہ تھا کہ جو پھر زندہ نہ ہوتے بلکہ ان کا رزق
 باقی تھا اگر رزق پورا ہو جاتا تو پھر زندہ نہ ہوتے بہر حال وہ حالت اُنکی دور ہوئی تھی اس حالت
 کو جو پھر زندہ ہونے کے قابل اس عالم میں ملحوظ رکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مرے نہ تھے اور جو اسکا لحاظ
 نہیں کرتے ہیں بلکہ نوعیت کو اُس حالت تک دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مر گئے تھے اللہ نے زندہ کر دیا
 دونوں باتیں درست ہیں اللہ کی قدرت ہے جو ایسی حالتوں سے آدمی پھر زندہ ہو جاتا ہے جب یہ
 مرنے لگے تو ایک دوسرے کو دیکھتے تھے یا نظر کے معنی علم کے ہیں کہ وہ خوب جانتے تھے۔

حضرت موسیٰ نے جب دیکھا کہ یہ سب مر گئے تو بہت پریشان ہوئے اَلْکُوْخَا سے اندیشہ ہوا کہ
 وہ شکایت کریں گی بلکہ کہیں شبہ نہ کرے کہ حضرت موسیٰ نے ان سب کو ہلاک تو نہیں کر دیا یا اسوجہ
 سے پریشان ہوئے کہ تو بہت بین ایک جماعت کثیرہ قتل ہو چکی تھی باقی بچے ہوئے چیدہ اشخاص یہاں
 مر گئے بنی امت پر والدین سے زائد شفیق ہوتا ہے حضرت موسیٰ کو اس امر کا صدمہ ہوا تو غیب بات
 نہیں ہے بہت تضرع و الحاح سے دعا کی اُنکی دعا سے وہ حالت ان سب کی دور ہو گئی ایک ایک کر کے
 زندہ ہونے لگے تاکہ اس حلال کا علم ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ طور سینا کے اطراف کا جھل جسے تیرہ کہتے ہیں اس میں بنی اسرائیل
 کو لیکے پھرین چنانچہ یہاں بہت فحش و فحش تھا کہیں کوئی سایہ نہ تھا ان لوگوں نے حضرت موسیٰ سے
 شکایت کی حضرت موسیٰ نے دعا کی اللہ نے ایک سفید بادل بھیجا کہ جو آفتاب کی تپش سے سایہ کئے رہتا تھا

وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

اور انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا اور لیکن خود اپنے اوپر انھوں نے ظلم کیا اور

اِذْ قُلْنَا اَدْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ

یاد کرو اُسوقت کو جب ہم نے کہا کہ داخل ہو اس قریہ میں پھر کھاؤ تم اس قریہ سے جس قدر چاہو

سِتَّمْ رَعْدًا وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ

جلہ سے اور دروازہ سے جھکے ہوئے داخل ہو اور کہو کہ معاف کر دے تو ترہم تمہاری خطائیں معاف کر دینگے

تَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور قریب ہے کہ اچھائی یعنی کرنے والوں کو زیادہ دین گے

رات کو اندھا ہوا ہوتا تھا تو ایک روشنی کا ستون آنکھ دکھائی دیتا تھا جس سے وہ نور حاصل کرتے تھے

خصوصاً ان راتوں میں جبکہ مہتاب روشن نہیں ہوتا ہے یہ روشنی بہت ہوتی تھی۔

وَاتَزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّاءَ اَوْرَاجُهَا نَازِلٌ كَمَا تَسِيرُ مِنَ الْمَدِينَةِ وَمِنْ مَدِينَةٍ اُخْرَى

کے اللہ نے اس وجہ سے مروجی ہے کہ کماۃ یعنی دھرتی کا پھول من میں سے ہے بعض کہتے ہیں کوئی شے

خصوص تھی مثل گوند کے پودے کے طور پر رات بھر ٹپکا کرتی تھی اور صبح کو جم جاتی تھی بعض کہتے ہیں کہ جو زمین

تھی بعض کہتے ہیں کہ بتلی بتلی روٹیوں کے طور پر جم جاتی تھی پھر اس کو پکالیتے تھے ہر آدمی کو ایک صاع

جو برابر چار مد کے ہے لجانا تھا ہر روز یہ غذا ملتی تھی مگر شیرین تھی اس واسطے ان لوگوں نے کہا کہ اسکی

شیرینی سے بہت تکلیف ہوتی ہے کوئی نگہین شے بھی ہونا چاہئے تو خدا نے سلوی جانور بھیجا یہ شیر تھی صبح

ہوتے انکے پاس آجاتی تھی آفتاب نکلتے نکلتے یہ لوگ پکڑ لیتے تھے ایک مدت تک اسی طرح رہے جمعہ کو دو دن

کا کھانا جمع کر لیتے تھے آخر مونس بڑھ گئی جمع کرنا شروع کیا آخر یہ غذا موقوف ہو گئی بظاہر انھوں نے

اللہ کی نعمت میں تصرف کر کے اُس پر زیادتی کی تھی اُس کو فرماتا ہے کہ وہ ہمارے اور کچھ ظلم نہیں کر سکتے

تھے انکے اس سرقہ سے ہمارے یہاں کچھ کمی نہیں ہوتی تھی بلکہ اس سرقہ کا وبال انہیں کے اوپر پڑا کہ وہ غذا

موقوف ہو گئی تو درحقیقت انھوں نے اپنی ہی ذات پر ظلم کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عالم معاملات میں بیت المقدس اور کنعان کو دیکھا ارشاد ہوا کہ تم تو ہیں

سرزمین میں نہ جاسکو گے یہیں دفات کر دو گے مگر تمہارے بعد بنی اسرائیل کو یہ ملک میں عطا کروں گا

حضرت یوشع بن نون کے وقت میں بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ ارشاد پورا ہو گیا۔ مراد قریہ سے

ملک شام ہے یا شہر بیت المقدس ہے کہ جسکو ایلیا کہتے ہیں یا املہ دارون اور فلسطین ہے بعض اس قریہ سے

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَىٰ

پس بدل دیا ان لوگوں نے جو ظالم تھے ایسی بات جو اصل دوسری تھی اُس بات سے جو اُن سے کہی گئی تھی اس وجہ سے بنے

الَّذِينَ ظَلَمُوا اِرْجُؤْا مِنَ السَّمَاءِ مَا كَانُوا يُفْسِقُونَ ۝

اُن ظالم کو نیا لون پر بلانا ازل کی آسمان سے جوہ لگے گزہ خدا کی نافرمانی کر نیوالے تھے

مراد ارجا کو لیتے ہیں یہ ملک جبارہ شام کی بقیہ نسل کے تحت میں تھا جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ یہ لوگ بھی عاتقہ سے تھے اسوقت اُنکا سردار عوج بن عنق تھا بعض کہتے ہیں عنق غلط ہے بلکہ فوق صحیح ہے۔ اس ملک کو قریہ اس واسطے کہا کہ وہاں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اُس مقام کے سات دروازہ تھے ارشاد ہوا کہ ان دروازوں میں جب داخل ہوتا تو شکر گذاری کے ساتھ وہاں جانا اٹھلاتے ہوئے نہ جانا بلکہ متواضع داخل ہونا یا داخل ہو کے سجدہ شکرا کرنا اس شکر کا ثمرہ بھی بتا دیا گیا کہ تمہارے گناہوں کو چھپا دیگا اور معاف کر دیگا اور انعام زائد دیگا کیونکہ خدا فرماتا ہے لئن شکرتمہ لایزدنکم اگر تم شکر کرو گے میرے انعام کا تو میں تمکو انعام زائد دوں گا اس سجدہ شکر کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ لفظ حطہ کہتے جانا جسکے معنی یہ ہیں حط عنا خطایا نا اگر اُدے ہماری خطاؤں کو حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مراد حط سے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہے کیونکہ وہ گناہوں کو دور کر دیتا ہے جب اللہ نے انکو جبار بن پر فتح دی اور وہ ملک میں داخل ہونے لگے تو بجائے سجدہ کے استہزاء کے طور پر ہلچل سے کہ دروازے نیچے ہو گئے تھے جھک کے گئے اور سجدہ کے بجائے مسخرہ بن کی حرکتیں کرنے لگے اور بجائے حطہ کے غطفہ فی شعیرة کہنا شروع کیا اس گناہ کے عوض اللہ نے اُنپر جزا آسمان سے اتاری بعض لوگ کہتے ہیں طاعون تھا اُس طاعون سے ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے بہ سزا اُنکو اسوجہ سے دی گئی کہ اُنھوں نے بجائے شکر کے کفران نعمت کیا شکر نعمت کے ذکر کرنا کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ طاعت کرنا کیونکہ شکر کہتے ہیں اور حقیقتہ الشکر یہ ہے کہ آدمی جان لے کہ اُس کے انعام اس قدر ہیں کہ شکر سے عاجز ہے حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ بار خدایا انعامات عطا فرمائے اور اُن پر شکر کرنے کا حکم دیا شکر کرنا بھی تو تیری نعمت ہے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ یہ تو بڑے علم کی بات تم نے کہی میرے بند کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ سمجھ لے کہ جو نعمت ہے وہ میری طرف سے ہے حضرت داؤد فرماتے ہیں کہ عجز شکر شکر ہے غرض کہ اُنھوں نے بجائے شکر کے کفران نعمت کیا نتیجہ یہ بھی سچہ ہے کہ تیرے بیابان میں جب موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے کہا کہ اپنی کی ضرورت ہے ہمارے لئے پانی اپنے خدا سے مانگئے حضرت موسیٰ نے خدا کی درگاہ میں پانی کے لئے دعا کی

وَإِذْ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ
اور یاد کرو اسوقت کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے لئے پانی طلب کیا تو پہنچے کہا کہ اپنے عصا کے ساتھ پتھر کو مارو پس اُس پتھر سے

اثناعشر عیناً تقدیم کل اناس مشربهم مگواواشرؤا من رزق الله و
بارہ جیسے یہ نکلے اور ہر گز وہ نے اپنا گھاٹ پانی پینے کا بجائے لیا ہے کہا کہ گھاٹ اور پتھر اشک روزی سے اور

لافتوا فی الارض فسدین واذ قلتم یوموسیٰ لن تصبر علی طعام واحد
نہ پھر روز میں بین فساد برپا کرتے ہوئے اور یاد کرو اسوقت کو جب کہ تم نے کہا موسیٰ سے کہ ہم ایک کھانے پر قناعت نہ کریں گے

فادع لنا ربک ینخرج لنا مما تبت الارض من بقیہا وقاتیہا و فومہا
اپنے ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لیے زمین کی روئیدگی میں سے ساگ اور گڑی اور گیہوں یا سن

وعدسہا و بصلہا قال استنبئون الذی ہو اذنی بالذی ہو خیر
اور سور اور پیاز پیدا کرے فرمایا حضرت موسیٰ نے کیا تم بہ لانا چاہتے ہو

اجبی چیز جھوٹی چیز

ارشاد ہوا کہ عصا سے اپنے پتھر کو مار دے عصا وہی تھا جس کا قصہ اوپر ذکر ہو چکا ہے فرعون کے سامنے
اڑ دھا ہو گیا تھا اور یا اسکے مارنے سے جدا جدا ہو گیا تھا اسی عصا سے یہ بھی بجزہ دکھائی دیا یہ عصا
حضرت آدم کے وقت سے اکثر انبیاء کے پاس رہا حضرت شعیب سے حضرت موسیٰ کو ملا تھا یہ اللہ کی نشان دہی
سے ہے چنانچہ اس سے پانی کا معجزہ بھی ظاہر ہوا پتھر مختلف اوصاف رکھتے ہیں چشمہ نکا جاری ہونا پتھر سے
بڑی بات نہیں ہے البتہ یہ بڑی بات ہے کہ یہ پتھر بعض مفسرین کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ
پھرا کرتا تھا اور پھر اُس سے پانی نکلتا تھا جب پانی نکلا تو راستہ ہوا کھا دمن و سلویٰ اور پانی پیو
اللہ کے روزی دینے سے کہ جو بلا شقت تکو ملتی ہے اس پر قناعت کرو اور فساد نہ مچاؤ۔

اس جگہ اُنکے کفرانِ نعمت کا انتہائی فعل ذکر کیا جاتا ہے کہ اللہ نے تو ان کو بے منت غیرے کھانے اور پینے کی روزی می مگر
وہ اس پر رضی نہیں ہے بلکہ ان کو پینے چاہا کہ مرنے موسیٰ کے عزم مذکورہ اشیا ملین اس جگہ قوم کا نظا کیا ہو جسکے معنی گیہوں کے ہیں اور
اسکے معنی بھی ہیں ایک لڑت میں قوم بھی مرنے والی ہے اس کے معنی ہیں جس کی نافرمانی ہو جسکے نزدیک نافرمانی ہوتی ہے میں نے یہ ظاہر ہو کہ خدا
کے بیان کیا بری بات تھی حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اس بیابان میں رہنے کی پھر تم کو ضرورت نہیں ہے
بلکہ یہ اشیا۔ شہر و مین ملتے ہیں شہر و مین تم بھی جاؤ مصر سے یہاں شہر مصر فرعون کا مقصود نہیں ہے
بلکہ ہستی مراد ہے حضرت موسیٰ چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل کنعان میں پھر واپس چلے جا دیں اور علاقہ سے

اِهْطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ وَصُرِيتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
اور تو کسی شہر میں ہیں تمہارے لئے وہ جو تم مانگتے ہو اور انپر نعمت اور ذلت بجا دی گئی
وَبَاءُ وَبَغَضٍ مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ
اور غضب آگئی کو انھوں نے قبول کر لیا یہ اسوجہ سے ہوا کہ انھوں نے کفر کیا اللہ کی نشانیوں کا
اللَّهُ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ
اور قتل کیا انھوں نے نبیوں کو بغیر حق کے یہ انکے گناہ کرنے کے باعث ہوا اور انکی سرکشی کے سبب ہوا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ
یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا اللہ پر اور ایمان آخرت پر اور جنہا
الْيَوْمَ وَالْآخِرِ وَعَلَىٰ صُلْحٍ أَلِفَتْهُمُ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
کام کیا آج کے لئے اُنکا بدلہ ہو انکے پروردگار کے نزدیک پھر نہ انپر خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

یہ بابی پھر تو طرح طرح فسق و فجور اور ظلم و زیادتی میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ کفر کیا اللہ کی
مراد آیات سے اگر تورات کے احکام اور بتائیں گئی ہے تو کفر کے معنی ضد ایمان کے ہیں کہ فیلت معنوی
انکی اور غضب آگئی انپر محض اسوجہ سے نازل ہوا کہ انھوں نے احکام تورات کا انکار کیا اور اگر آیات سے
وہی اخلاص مراد ہیں تو کفر سے کفران نعمت مقصود ہے ظاہر احتمال اول ہی قوی ہے اور اسوجہ سے یہ انکی
عاقبت بگڑی کہ انھوں نے انبیاء کو قتل کیا جیسے حضرت زکریا حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام
کے ساتھ کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے زعم میں تو بچاؤ دیدی تھی وہ تو اللہ نے انکو خود بچا لیا ورنہ
موتی پر چڑھا دئے گئے تھے اس سے معلوم ہوا کہ تکبر کا باعث محض کفران نعمت نہ تھا بلکہ مصروف قتل
اسکا سبب تھا واللہ اعلم۔

یہ آیت اسوجہ سے یہاں مندرج کی گئی ہے کہ قرآن کی عاقبت کے مطابق جو جادوے جہان خوف
دلا یا جا تا ہے عذاب کا ذکر ہوتا ہے وہاں شوق کی بات اور رحمت کا بیان بھی کیا جاتا ہے ترغیب کے ساتھ
ترہیب اور ترہیب کے ساتھ ترغیب ہوتی ہے چونکہ انعام کے ذکر کر کے درمیان یہود کی ناشکر گزاری
اور کفران نعمت اور عصیان اور قتل انبیاء کی سزا بھی ذکر کر دی گئی تو اس کے بعد نیکوں کی جزا کا بیان
کرنا بھی مناسب وہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہی اس آیت سے مفاد ہو سکتا ہے کہ جو کو غرہ تھا کہ وہ صلحا نہا کی
اولا انکی غرہ کو دور کر دیا خصوصاً انعام کے ذکر کر کے بعد انکی توبہ کی امید ہو سکتی ہے اور انکی توبہ کی امید ہو سکتی ہے اور انکی توبہ کی امید ہو سکتی ہے اور انکی توبہ کی امید ہو سکتی ہے

وہ ہی فلاح یا نجات کا ایسا کسی کے نسل میں پہنچنے کو داخل نہیں ہے اگر اولاد انبیاء ہوں اور ایمان نہ لائیں اور عمل صالح نہیں تو وہ فلاح کی امید نہ کریں اور جو اولاد اکابر کی نہوں ایمان لائیں اور عمل صالح کریں انکی فلاح یقینی ہے چاہے جس قسم کے ہوں۔
 الذین آمنوا جو لوگ ایمان لائے مراد ان لوگوں سے یا تو وہی ہیں جو من آسمن باللہ کے زمرہ میں ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور جماعت ہے اگر کوئی اور جماعت ہے تو مراد اُس سے وہ لوگ ہیں جو دینی ایمان لائے مگر دل سے وہ من آسمن باللہ کے گردہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ سلک میں کفار کے منسلک ہیں تو اس صورت میں وہ منافقین ہیں جنہوں نے خوف سے قتل و ممانعت کے ایمان کا زبان سے اقرار کیا ہے مگر دلیین کفر رکھتے ہیں اور اگر الذین آمنوا سے وہی مراد ہیں جو من آسمن باللہ کے زمرہ میں داخل ہیں تو مراد ان سے وہ لوگ ہیں جو آنحضرت پر ایمان لائے خلوص دلے اُنہوں نے قبول دین اسلام کیا ہے یا مراد ان سے وہ ہیں جو زمانہ فترت رسول میں اور حالت میں ایمان لائے ہیں جیسے ورقہ بن نوفل اور عمر بن نفیل اور قیس بن ساعدہ وغیرہ ہیں کہ جو ایمان لائے مگر کسی نبی کی دعوت اُنکو نہیں پہنچی تھیں ان کے حکم میں وہ بھی داخل ہیں جنکو تبلیغ شریعت نہیں ہو سکی ہے یا قبل بعثت کے نبوت ناسخہ پر ایمان رکھتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے والے قبل بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یا جو ایمان لائے حضرت موسیٰ پر قبل بعثت حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے یہ لوگ حکماً مومن ہیں یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی اُمت نے قبل بعثت حضرت عیسیٰ کے کفر کیا خصوصاً حضرت عزیر کو ابن اللہ کہا اس طرح حضرت عیسیٰ کی اُمت میں قبل آنحضرت کی بعثت ہی کے کفر کیا کہ اللہ کو ثالث ٹلا نہ کہا اور حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہا تو یہ لوگ ازل ہی سے کافر ہو گئے وہ ایماندار کیونکر ہو سکتے ہیں جو لوگ یہاں ایسے لوگوں کو الذین آمنوا میں داخل سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شریعت موسیٰ عیسوی میں شرکت فی الذات کی ممانعت تھی اور شرک فی الصفات یا فی العبادات کی ممانعت نہیں معلوم ہوتی ہے تو درحقیقت اسی امر کے مکلف تھے کہ اللہ کی ذات کے ایسے معبود کو نہ مانیں اور چند ذات کو اللہ نہ کہیں مگر صفات و افعال میں شرکت ممنوع نہ تھی اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ کہتے تھے کہ میرا باپ اور تمہارا باپ اور اخوة یوسف نے سجدہ یوسف علیہ السلام وغیرہ کا کیا برخلاف اُمت محمدی کے کہ وہ مکلف ہیں تمام اقسام شرک کو ترک کرنے کے جس وقت تک اسکی تکلیف نہیں دگئی اُس وقت تک انکے ایمان میں یہ امور داخل بھی نہیں تھے اگرچہ فی نفسہ اُنپر کفر کا اطلاق ہو جس طرح اُنکا مشرک ہونا اگرچہ یقینی ہے مگر اُنکے احکام دوسرے ہیں اور مشرکوں کے احکام دوسرے ہیں اس واسطے کہ اُنکا کفر و شرک بتاویل ہے اور انکا کلام اللہ سے نہیں ہے تو بات میں حضرت موسیٰ نے اپنی شریعت کا دائمی اور سرمدی ہونا اور اُسکی تصدیق کا ضروری ہونا ذکر کیا اگرچہ

آنے والے نبی کے خصوصاً حضرت عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی ہو دینے اور پھر کے مضمون کو اس قدر عام سمجھا اور ایسی ہی نصاریٰ نے کہ بعد حضرت موسیٰ کے کسی نبوت کا ہونا خلاف قرآن سمجھ کر انکار کیا گو یہ تاویل غیر مسموع تھی مگر تورات کے نہ ماننے والے سے تو انہیں زیادتی تھی ایسی ہی اہل انجیل کی بھی حالت ہے اسی ادنیٰ فرق کے باعث یہ کتنا بی شرک احکام میں دوسرے مذہب کو اہل ایک مذہب رکھتی ہیں انکے ذبايح اگر بطریق ذکوۃ ہوں جائز انکی عورتوں سے عقد روا ہے برخلاف غیر مشرکین کے یہ فرق محض شریعت کے فرق کر دینے کے باعث ہے کہ شرک و کفر کتابی کا مرتبہ کہ ہر بخلاف غیر کتابی کے اگرچہ وبال زائد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مراد الذین امنوا سے وہ ہیں جو شریعت معتبرہ پر ایمان رکھتے تھے اسکی تائید اس آیت کا شان نزول بھی کرتا ہے حضرت سلمان فارسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ جو راہب اور معلم ایسے گذرے ہیں جنکو آپ سے ملنے کی نوبت نہیں آئی مگر وہ ایمان لائے اور آپکا نشان انھوں نے دیا یہاں تک کہ بعض نے تفصیلی حالات بیان کر دئے انکی تعلیم کی وجہ سے حضرت سلمان ایمان لائے تو انکی کیا حالت ہے اور انکا شکر کیا ہوگا اُس وقت تک آنحضرت نے اسکے متعلق اللہ کی طرف سے کوئی امر نہ کیا بارہ مہینے میں حاصل کیا تھا انکی نجات کا حکم نہیں دیا جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت سلمان کو انکی نجات کا علم ہوا اور وہ بہت خوش ہوئے اس سے اگرچہ تخصیص ان لوگوں کی نہیں ثابت ہوتی ہے مگر بیان اور تفصیل مراد تو ہوتی ہے پریشان نزول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہی مراد ہیں جو شریعت معتبرہ پر ایمان رکھتے تھے۔

والذین ہادوا اور جو لوگ یہود ہوئے ہاد اور تہود کے ایک ہی معنی یہودی ہونیکے ہیں یہود یا تو عربی ہے اور ہاد سے ماخوذ ہے جسکے معنی تاب کے ہیں بنی اسرائیل کو جب سے کہ انھوں نے توبہ کی تھی یہود کہنے لگے تھے یا یہ غیر عربی ہے تو یہودا سے ماخوذ ہے ذال لیل سے بدل گیا یہودا نام ہے حضرت یعقوب کی اکبر اولاد کا انھیں کی طرف سے کل نبی یعقوب اسرائیلی منسوب ہو گئے مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔

والنصاراء یہاں جمع نصران کی ہے جیسے نمران کی حجج ندائی آتی ہے نصرانی میں بار کا اضافہ کیا گیا ہے محض تاکید کیلئے یا جمع سے واحد کے درمیان فرق کرنے کے لئے جیسے روم کا واحد رومی ہے اگرچہ آدم کی جسمع اودام بھی آتی ہے ہیطرح نصران کا واحد نصرانی ہے اگرچہ نصران کی حجج نصاریٰ آتی ہے۔

نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ کی نبوت بلکہ الوہیت پر ایمان لائے ہیں ان کو نصرانی اسوجہ سے کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ کی نصرت اور مدد کی یا اسوجہ سے کہ ناصری کی طرف منسوب ہیں تورات میں

بھی حضرت عیسیٰ کو ناصری کہا ہے جس سے یہود منکر ہیں حضرت عیسیٰ کو ناصری اس واسطے کہتے ہیں کہ حضرت مریم انگو بعد ولادت کے بیت اللحم سے جہان وہ پیدا ہوئے تھے لیکر ملک مصر چلی گئیں جب بارہ برس کے حضرت عیسیٰ ہوئے تو حضرت مریم کے لیے شام واپس ہوئیں اور مقام ناصره میں قیام کیا وہیں حضرت عیسیٰ کا نشو و نما ہوا ایسا جو ہے وہ ناصری ہو گئے۔

دلہا بنیں جمع صابی کی ہے صبار سے ماخوذ ہے جسکے معنی خراج یا مال کے ہیں کہ دین سے بھل گیا اور حق سے روگردانی کر کے باطل کی طرف اٹل ہوا ہر خراج ہو نیولے کو دین سے صابی کہتے ہیں اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو کفار اسی لفظ سے پکارتے تھے اور ایک گروہ نے صبا ناصبا کہا اور وہ قتل کر دیے گئے تو آپ نے اُن سے نفل پر اظہار ناراضگی کیا اس وجہ سے کہ وہ اپنی اصطلاح میں ایمان لائیں گی بلکہ بدبول رہے تھے مگر اس سے ایک جماعت ہے جو کئی یں سے خارج ہو گئی تھی اسکی کیفیت میں اختلاف ہے صابی روم میں بھی تھے جنکے علامات کچھ یونان میں بھی پائے جاتے ہیں اور ہندوستان میں بھی تھے اُن لوگوں کو صابی کہا جاتا ہے جو روحانیت کے درپے ہیں اور روحانیت کو وسیلہ اور واسطہ سمجھتے ہیں اور کو اکب کو خواہ سیارات ہوں جیسے صابی روم یا ثوابت کہ جیسے جند کے صابی مانتے ہیں اور انکی ہیکل بنا رکھی ہے بعض نے اسکی صورتیں بنائیں اور انکی پرستش کرنے لگے بعض کہتے ہیں کہ یہ بت پرست نہیں ہیں بلکہ نجوم کے تاثرات کے قائل ہیں اُن کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جیسے سلمان کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں بعض کے نزدیک یہ بعض انبیاء جیسے حضرت یحییٰ کو مانتے ہیں بعض اُن کو زبور کا مقرر اور خدا کا مقرر سمجھتے ہیں بعض انکو موصد کہتے ہیں اور صرف نجوم کی تاثرات کا معتقد بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کبیرہ طیف سجد کرتے ہیں یا جنوب و شمال کی سمت سجدہ کرتے ہیں انکا دین بعض کے نزدیک کسی وقت میں بہتر تھا اسی وجہ سے سلام الہی حنیفہ انکو اہل کتاب کے حکم میں لیتے ہیں انکے ذبیحہ کو حلال اور انکی عورتوں کے ساتھ مکمل حلال سمجھتے ہیں انکے حال سے نوحہ نہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ دیگر ائمہ سے زائد واقف ہوں اس واسطے کہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے بقایا ہندوستان میں ہے اور ہندوستان اس وقت تک ملک بابل تک پھیلا ہوا تھا جہاں واقعہ حضرت ابراہیم کا بھی بعض کے نزدیک ہوا ہے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کا واقعہ بھی ہندو ہی کی قوم سے تعلق رکھتا ہے یہاں تک کہ ہولی و دیوالی اور ٹیٹو اور جھنجھیا انھیں واقعات کی یادگار ہیں اگرچہ اُس یادگار کو کرنے والے جانتے نہیں کہ کس شے کی یاد گاری ہے تاہم حضرت امام ابو حنیفہ کو بوجہ عراق میں رہنے کے اور اصل میں زط کے قبیلہ سے ہونیکے انکے حالات کا علم ہونا بعید نہیں ہے قبیلہ زط یا تو افریقہ میں تھا یا انکی اصل ہند کی ہے اور معرب جاٹ سے ہے کہتے ہیں کہ حضرت

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا

اور یاد کرو اُس وقت کو جب میں نے تم سے عہد واثق لیا اور اُٹھایا تمھارے اوپر طور کو اور کہا لو اُسکو

اتَّبِعَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَآذِكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

جو میں نے تمکو دیا کوشش کے اور مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو کچھ اُس میں ہے تاکہ تم پر ہرگز کار ہو جاؤ

بقیہ صفحہ ۱۵۸ امام ابو حنیفہ اسی جاٹ کی قوم سے ہندی لاصل تھے ہندوؤں کے حالات کے مخصوص اسکا پتہ خوب چل سکتا ہے اور معلوم ہو سکتا ہے صابی ہندوستان کے کون ہیں پھر آسانی ان کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

من آمن بالله واليوم الآخر من سوا الله اسم جامع لجميع صفات کا ہے خواہ وہ صفات ذاتی ہوں یا اسمائے افعال ہوں یا جیسے ہوں تو جو اللہ پر ایمان لایا گیا وہ ان سب صفات پر ایمان لایا گیا یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی صفت پر وہ ایمان نہ لائے اور اللہ پر ایمان لانا صادق ہو جاوے ہیو جب سے کہا جاتا ہے کہ ایمان باللہ میں ایمان اس کے رسولوں کا اس کے کتب کا اس کے ملائکہ کا سب داخل ہے مگر اس پر ایمان لانے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یوم آخرت پر ایمان لائے اسوجہ سے مخصوص یوم آخرت کا ذکر کیا گیا۔ آخرت اگر مرد صرف ہے جو پچھلے خردن کا طلاق ہو تو ہر شخص پر ایمان لائے کہ ہے ہر آدمی یہ کہ ہر شخص جس دن مرے گا وہ اس کے لیے آخرت ہو گا لہذا مرد ایمان لازمی طور پر آخرت میں سے قیامت ہے جب کا یوم آخرت بمنزلہ علم کے ہے اور قیامت ایمان لایا گیا مطلب یہ ہے کہ اُس دن جو حساب و جزا و عقاب ہو نیز والا ہے اُس پر ایمان لائے تو یوم آخرت میں کل احوال قیامت اور اُس کے بعد کے احوال داخل ہیں یعنی صالحہ نیک کام جو خدا کی رضا مندی کا باعث ہو تو جو ایمان لایا اور نیک کام کئے تو اُس کو لائقِ عِلْم نہ تو عقاب کا خون ہو گا جبکہ ایمان نہ لانے والے اور عمل صالح نہ کرنے والے خون عقاب میں گرفتار ہوں گے۔

ولاهم محزون نہ وہ رنجیدہ ہوں گے کیونکہ اُنھوں نے تصور نہیں کیا ہے حالانکہ اُس دن تصور کے عیث بد کردار رنج میں ہوں گے کہ ناحق ہم نے اپنی زندگی برباد کی تھی عمر پر جھڑ رنج یہ کریں وہ تھوڑا ہی۔

یہ بھی افلاکات سے ہے کہ اللہ جل شانہ نے انکی تنبیہ کر دی اور انکو مگر ابھی وضاحت میں پڑے نہیں سے بچایا لہذا اسکا عطف بھی موافق سابق کے قبلے مابین پر یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی اسرائیل کو تورات لاس کے دی اُنھوں نے تورات میں احکام شاقہ اور تکالیف کو دیکھا تو سبیل کرنے سے پس و پیش کرنے لگے اُس وقت طور اُٹھا کے انکے سردن کے مقابل کیا گیا یہ فعل بظاہر انکی تنبیہ کے لئے تھا اور اُس تنبیہ سے فائدہ ہوا کہ اُنھوں نے عمل کر لیا عہد کر لیا یہاں دوام قابل غور ہیں اول یہ کہ اس طور پر

بقیہ صفحہ ۵۹ کسی مجبور کرنا اگر لہذا یہ بنی خلیل اور قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ لا اکراہ فی الدین دین کی بات میں اکراہ نہیں ہے اس کے حل کر نیکی غرض سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اکراہ نہیں ہے بلکہ معلم کی سزا کے موافق ہے یا حدود و قصاص اور قوانین ملکی کے سزا و جزا کے طور پر ہے اگر وہ نہ ہو تو امن و امان باقی نہ رہے اکراہ ایمان لانے پر نہیں کیا جاتا ہے مگر ایمان لانے کے بعد احکام شریعت پر عمل کرنے کے لئے اکراہ ممنوع نہیں ہے کسی کے خلاف دیانت اور خلاف طبع کوئی شے لازم نہیں کجائی ہے مگر جس شے کو اُس شخص نے خود اپنے اور پر لازم کر لیا ہے اُسکی بجا آوری اُسکے لئے لازم ہے مثلاً کوئی مشرک ایمان کو قبول نہیں کرتا ہے اُسکو ہر نہیں کیا جاوے گا مگر ایمان لایا تو اُسے بجا آوری احکام کو منظور کر لیا اب اگر وہ اُسکے خلاف کیوے گا تو اُسکو مجبور کیا جاوے گا کہ ایسا نہ کرے یہاں ایسا ہی ہوا ہے اس واسطے یہ اکراہ ممنوع نہیں ہے اور اگر اکراہ ممنوع فرض کیا جاوے اور لا اکراہ میں دخل کیا جاوے تو کہا جاتا ہے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے جبکہ جہاد مشروع ہوا ہے جہاد میں گو نہ اکراہ ہے اگرچہ بر قول شافعیہ اکراہ ظاہر تر ہے کیونکہ اُنکے نزدیک جہاد مقابل کفر کے مشروع کیا گیا ہے اور بر قول اخوان اکراہ ایمان پر نہیں ہے کیونکہ جہاد مقابل کفر کے نہیں ہے بلکہ لڑائی کے مقابل لڑائی ہے اسی وجہ سے ہمارے نزدیک جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ عورت بچہ بوڑھا قتل نہیں کیا جاوے گا اور حضرت ابو بکر صدیق کے ارشاد کے موافق تارک الدنیا فقرا سے بھی قتال نہ ہوگا اس سے صاف ظاہر ہے کہ جہاد مقابل لڑائی و حرب کے مشروع ہے اور حکم یہ ہے کہ یا ایمان لائیں یا ہتھیار دین جسکے مقابل اہل اسلام کو بہت سے خدشات انجام دینا پڑتے ہیں اگر یہ دونوں باتیں نہ کریں تو مقابلہ کیا جاوے گا ظاہر ہے کہ وہ دارا سلام میں، جزیرہ دیکے بائیں و امان رہ سکتے ہیں اسی طرح یہاں بھی مدت تک پہاڑ بلند ہی میں رہا اور کچھ ضرر نہیں ہوا انکو خوف کے باوجود اکراہ کی نوبت نہیں آئی باوجود اسکے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر لہذا اگر ممنوع ہے تو ہماری شریعت مصطفویہ میں ممنوع ہے کوئی ضروری نہیں ہے کہ اکراہ شریعت موسویہ میں ممنوع ہو کیونکہ اس شریعت میں بہت سے تشددات ہیں لیکن میرا طریق ذوقی جیسا کہ آگے آتا ہے اسکو حقیقہ اکراہ ماننے کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ آیا یہ واقعہ ہوا کہ پہاڑ اٹھا کے بنی اسرائیل پر بلند کیا گیا یا نہیں برسمین جمہور کے خلاف ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ اس طور سے نہیں ہوا ہے بلکہ پہاڑ بلند تھا اُسکے نیچے بنی اسرائیل قیام پذیر تھے جس طرح کہتے ہیں کہ دیوار بلند ہے تمہارے سروں پر ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین سے جدا ہو کے فضا کے ہوا میں دیوار سروں پر سایہ افکن ہو اسی طرح کہ وہ طور اُنکے سامنے بلند تھا اُنکے سروں کے اوپر تھا وہ آتش فشان تھا پہاڑ تھا اتفاقاً بنی اسرائیل کے وعدہ خلافی کے وقت اُسکے شعلے بلند ہو رہے تھے انھوں نے اُس سے عبرت

پکڑی اور خوف کھا کے عہد کر لیا یہ قول محض اس وجہ سے ہے کہ اس قائل کے نزدیک عادت کے خلاف ہے اور یہ ہونہیں سکتا ہے جمہور کہتے ہیں کہ واقعہ یہی ہے جو کہا جاتا ہے کہ ہمارا خواہ طور یا کوئی دوسرا ہمارا لاکے اُنکے سر پہ بند کیا گیا اتنا بڑا ہمارا تھا جسکے نیچے پورا گردہ بنی اسٹریٹل کا آگیا وہ کہتے ہیں کہ بنی اسٹریٹل کے نزدیک یہ واقعہ اسی طور پر ہوا ہے صحابہ اور عامہ اہل اسلام بھی روایت کرتے ہیں الفاظ اسکے موافق ہیں یہاں تک کہ مخاطب اُس سے وہی سمجھے اگر مقصود اُنسی یہ نہ تھا تو مشتبہ الفاظ میں ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہوا قرآن کے مخاطب صحابہ اولاد بالذات تھے اُن کے زمانہ کے زبان میں نازل ہوا وہ جو سمجھے وہی مقصود قرآن کے الفاظ سے ہے یہ کوئی حکم نہیں ہے بلکہ واقعہ ہے اس میں احکام کے طور پر توسع بھی فائدہ بخش نہیں ہے انکار اس سے محض اسوجہ سے کیا جاتا ہے کہ خلاف عادت ہے اور وہ نہیں ہو سکتا ہے لیکن یہ امر ظاہر ہے کہ جب مقصد قرآن سے مخاطب بھی یہی سمجھے تو اُسکے خلاف درحقیقت قرآن کے معنی نہیں ہیں اُسکے معنی وہی ہوئے جو اصل مخاطب سمجھے ہیں اُنکے معانی کو نہ ماننا درحقیقت قرآن نہیں ماننا ہے اس مذکورہ بالا تاویل کو نہ ماننے کے مرادف کہا جاتا ہے بجائے اسکے کہ یہ تاویل کی جاوے یہی لکھ دیا جاوے کہ قرآن کو یہ شخص معاذ اللہ نہیں مانتا ہے یہ طرز تاویل مناسب نہیں ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اُسکی تاویل کر کے اُسکے مطلب سے انکار کر دیا جاوے جیسے یہاں کیا گیا ہے اور غلام کے مسئلہ میں اور تعداد از دولج کے مسئلہ میں کہ بجائے اسکے کہ عقلی منافع ان امور کے غور کئے جاتے ہوا سے ان مسائل کے انکار کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ واقعہ کا سمجھ کر قرآن کے پیرو خود بھی قرآن پر کامل ایمان نہیں رکھتے ہیں کیونکہ واقعہ کے اور مقصود کے خلاف تاویل کرتے ہیں اور جب زمانہ نے خود احکام قرآنیہ کو مطابق عقل کے ثابت کر دیا تو اوہ ملات کر نیا لو کو اپنی تاویل کی تاویل کرنا پڑی جیسے تعدد از دولج کا مسئلہ ہے کہ جنگ سے یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہوا اور اس لئے ہے کہ اس پر ہمیشہ عمل کیا جاوے کیونکہ اسکے احکام عمل کے لئے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی واقعہ کا عیسائی کیونکر باور کر سکتا ہے کہ تعدد از دولج شرط محال کے اوپر بھول کر نیکی وجہ سے ناجائز قرار پایا حالانکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبویان تھیں اور صحابہ کے چار چار نبویان تھیں بہر حال اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے اب یہ کہ اس قسم کا واقعہ ممکن ہے اور ناممکن ہونا اسوجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سبب اس واقعہ کا موجود نہیں ہے چونکہ امور کے اسباب موجود ہیں اسی قسم کے امور میں یورپ سے بیٹھکے امریکہ میں رنگہ بنیاد رکھا جاتا ہے اگر سبب نہ ہو تو کسی طرح ممکن نہ ہو یہی طرح نفس قدسی رسول کا ایسے امور کا سبب جب وہ ہو تو ممکن ہے جب وہ نہ ہو تو ممکن نہیں ہوا انسان مختلف

تو نہ کا ہوتا ہے جس طرح وہ جادو نبات و حیوان کے خالق رکھتا ہے اور جو اس ظاہری رکھتا ہے اور اس طرح وہ روحانی مخلوق کی خالق بھی رکھتا ہے اور جو اس باطنی بھی اسکو مہین بلکہ کان سے آنکھ کا یا آنکھ سے کان کا کام نہیں لیا جاسکتا ہے مگر جس مشترک میں سب حاسون کے ادراک کی قوت ہے پھر قوا و اغنیہ میں کہ وہ معانی جڑیہ حاصل کرتے ہیں پھر عقل ہے کہ کلیات کا ادراک کرتی ہے پھر روح ہو کہ آثار ظاہر میں اور وہ پوشیدہ ہے انسان ج طرح تنزل کر کے چاہے تو تمام عناصر کے کوائف حاصل کر لیتا ہے اسی طرح ترقی کر کے مہرلت عالم میں بھی شامل ہو سکتا ہے مگر یہ کیفیت نبی میں وہی ہے اور قوی ہے جو اس سے سرزد ہوتا ہے وہ دوسرے سے نہیں ہو سکتا ہے عناصر اربعہ کے پہلی پر اسکو تصرف حاصل ہوتا ہے اسکو وہ حکما و بھی تسلیم کرتے ہیں جو خدا و نبی کے قائل ہیں اس قسم کے واقعات آنکے نزدیک نفس نبی کرتا ہے اور ہائے نزدیک یہ فعل نبی کا نہیں ہوتا ہے بلکہ خدا کا ہوتا ہے نبی کے تصرف سے یہ باہر ہے اور خدا کے فعل کیلئے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ کیوں ہوا بہر حال اس قسم کے واقعات کا سبب نبی کی ذات ہے خواہ وہ خود تصرف کرے یا خدا کی عادت یہ ہو کہ جب تحدی کے ساتھ مدعی برسالت کچھ معجزہ دکھانا چاہے تو وہ یہ تخلیق خدا ہو جاتا ہے اس مسئلہ میں معتزلہ بھی ہمارے موافق ہیں باوجودیکہ وہ افعال عباد کو انکی خلق سے سمجھتے ہیں مگر معجزہ کو وہ بھی خدا ہی کا فعل سمجھتے ہیں جو لوگ انسان کی قوتوں سے واقف ہیں وہ ان عجائبات کو بڑی بات نہیں سمجھتے ہیں نبی کے مرتبہ تک کوئی پہنچ نہیں سکتا ہے مگر جو قوائے باطنیہ کو تقویت دے اسکو قوت عجائبات کے ظاہر کرنے پر مجبور جاتی ہے جس طرح ارادہ حیوان کے خواص سے ہے مگر ارادہ و ارادہ تفاوت رکھتا ہے کوئی حیوان کچھ ارادہ کر سکتا ہے کوئی کچھ اسی طرح خوارق عادات میں خواہ شعبہ ہوں یا سحر کرامت ہوں یا معجزہ یہ سب قوائے باطنیہ اور عقل و روح سے تعلق رکھتے ہیں مگر معجزہ معجزہ ہے کرامت کرامت سحر دلیا ہی شعبہ ویسا ہی بعض عقلاء اگر فرق نہیں سمجھتے تو یہ اٹکا قصور ہوتا ہے خبیج بوعلی سینا ایک ولی کی کرامت دیکھ کے کہ انکی کئی خود ان کے کہنے سے زمین سے بلند ہو گئی کہنے لگے کہ انکو سمریزم میں بہت مہارت ہے لوگ ذی روح پر اثر کرتے ہیں یہ غیر ذی روح پر بھی تاثیر کر سکتے ہیں حالانکہ فرق خود ظاہر کر دیا ہے تو بہت بڑے ہمارے لوہان ڈوبتے دیکھا ہے جہان کشتی اور بڑا تیر جاتا ہے اور دیکھا گیا کہ بڑے بڑے ہمارے ہوا اڑا لیجاتی ہے ریت کے پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑا لیجاتی ہے میں اس آیت کے ظاہر پر ایمان رکھتا ہوں لیکن جو ذوقی امر مجھے پسند ہے وہ ان سب باتوں کے علاوہ ہے وہ یہ ہے کہ رضع طور انکو ڈرانے کے لئے نہ تھا بلکہ انکی روحانی طاقت بڑھانے کے لئے تھا جب خدا کی قدرت اور تجلی ظاہر ہوتی ہے تو خدا سے گرویدگی اور میلان قائم ہوتا ہے اور میلان کے بعد اس کے حکم کی تعمیل آسان ہو جاتی ہے اب یہ امر کہ کون پہاڑ تھا کیونکہ طور عبرانی میں پہاڑ کو

ثُمَّ تَوَكَّلْتُمْ عَلَىٰ مَن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَا فَضْلَ لَٰهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُم مِّنَ الْخَيْرِ
 پھر تم نے روگردانی کی بعد اس عہد کے کر نیکے پس اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اُسکی رحمت تو یقیناً نقصان اٹھایا ہوتا ہے جو

بقیہ صفحہ ۱۶۲ کہنے میں یا مخصوص پہاڑ تھا کوئی بھی ہو لیکن اُسکے عوارض اُس پہاڑ کے خلاف تھے جو دنیا و
 جہاں میں مشاہدہ ہوتے ہیں اسواسطے یہ صاف امر ہے کہ حقیقت جہلی خواہ وہ طور کی ہو یا سلقا کسی پہاڑ
 کی ہو عالم روحانی، مثال کے اعراض سے متکلف ہو کے اُن پر ظاہر ہوئے تاکہ اُن کے دلوں میں ایمان
 قوی ہوا اور ہو سکتا ہے کہ وہ جبل عوارض خارجہ کے مشابہ عوارض کے ساتھ چڑھ نہ دکھائی دیا تھا
 اسواسطے بنی اسرائیل بھی خارجی پہاڑ سمجھکے خوف زدہ ہو گئے ہوں اس صورت میں یہ اگر اہل
 خذرا یعنی لو اس کو اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ برضا و رغبت و اختیار قبول کر نیک حکم ہے۔
 مائیکم سے تورات مراد ہے کہ وہی اُن کو بذریعہ حضرت موسیٰ کے اللہ جل شانہ نے عطا کی تھی۔ بقوہ
 ساتھ قوت کے اس سے مقصد یہ ہے کہ کمال جد و جہد سے تورات پر عمل پیرا ہو۔

واذکم اے اُس کو ذکر کر دیا تو مراد اس سے یہ ہے کہ برابر درس میں رکھو نہ یاد رہے بھول نہ جاؤ یا دل
 میں محفوظ رکھو کیونکہ وہ ذکر قلبی ہے یا ذکر معنی علم کے ہے جان لو جو کچھ دیا گیا ہے۔
 عہ بنی اسرائیل نے تورات پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا تھا مگر عمل نہیں کیا نافرمانی کی
 تھی روگردانی کی تھی۔

ثُمَّ تَوَكَّلْتُمْ اَکْرَ حَقِيقَةٍ مِّنْهُ يَخْرُجُ لَوْثَ جَلَنَ بِرَبِّهِ لَوْ جَا تَابَ لَٰهُ فَضْلُ
 سے مراد یا تو توبہ کی توفیق ہے کہ اللہ نے اپنے فضل سے توبہ کی انکو توفیق دی اس صورت میں
 خطاب میدان پچھل سابق کے انگلی بنی اسرائیل کے فعل سے آنحضرت کے زمانہ کے بنی اسرائیل کو ہے
 جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ یہ محاورہ عرب کا ہے یا مراد اس سے توبہ کی توفیق نہیں ہے بلکہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے تو اس صورت میں خطاب اُن بنی اسرائیل سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے کیونکہ بعثت کا فضل انھیں کیلئے ہے۔

لَٰكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ سے مراد احتمال اہل پر ہے کہ تمکو اگر توفیق توبہ نہ ہوتی تو تم گمراہی میں رہتے اور
 احتمال ثانی پر یہ ہے کہ اگر آنحضرت نہ تشریف لاتے تو تم زمانہ جاہلیت سے نہ نکلتے یہ مراد دوسری جگہ
 فضل اللہ سے بھی لی گئی ہے اسواسطے اس جگہ سے بھی نہ زیادہ مناسب ہے یہ فضل محض اُن بنی اسرائیل
 پر نہیں ہے جو ایمان لائے بلکہ اُن پر بھی ہے جو ایمان نہیں لائے اسواسطے کہ اللہ کی طرف سے
 توفیق ہوا اور ہادی تشریف لائے لیکن اُنکے ظن میں اُسکے قبول کی صلاحیت نہیں تھی۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الدِّينَ اَعْتَدَ وَاَمِنَكُمْ فِی السَّبْتِ فُقُلْنَا لَهُمْ كُفُوًا وِدَّةً خَاسِیْنَ
اور یقیناً تم جانتے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے ہفتہ کے دن زیادتی کی سب سے کم ہند ہو جاؤ حشر پیکار ہو
فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَآبِیْنِ یَدَیْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝
پھر ہم نے اسے واقفہ کو دہشت کی بات کر دیا ان لوگوں کے لیے جو سامنے اُس کے ہیں اور پیچھے اُس کے ہیں اور نصیحت کر دیا دنیوالو کو کہ۔

اس آیت کا عطف واذاخذنا پر ہے اور لام جواب ہم پر واقع ہوتا ہے قسم یہاں پر مقتدر ہے
عَلِمْتُمْ میں علم کے معنی عرفان کے ہیں اسی وجہ سے متعدی ایک مفعول کی جانب ہو ورنہ علم افعال
قلوب سے ہے اور وہ متعدی دو مفعول کی جانب ہوتا ہے اس لفظ سے ظاہر یہ معلوم
ہوتا ہے کہ مخاطب ان لوگوں سے آگاہ تھے جنہوں نے یہ حرکت کی تھی بعض لوگوں نے الذین کے قبل
اعتدار کے لفظ کو مخذوف سمجھا ہے جو مضاف ہے یعنی جانتے ہو تم اُس زیادتی کو جو ان لوگوں نے کیا
بعض نے احکام کو محفوظ کیا ہے یعنی جانتے ہو تم احکام کو ان لوگوں کے جنہوں نے زیادتی کی منکمل حال میں
ہے۔ السبت ہفتہ کو کہتے ہیں یا تو جو سبت بمعنی قطع کے ہے اُس سے ماخوذ ہے کیونکہ اُس دن تمام مخلوق کے
پیدا کر نیکے بعد پیدا کرنا قطع ہو گیا تھا یا سبوت سے ہو جسکے معنی راحت کے ہیں اس جگہ السبت سے
یا تو مراد ہفتہ کا دن ہے تو اس صورت میں مضاف مخذوف ہے فی السبت گویا فی حکم یوم السبت ہے
کیونکہ اعتداء و تجاوز احکام میں واقع ہوا تھا نہ کہ یوم سبت میں یا سبت مصدر ہے سبت الیہود سے
یہ کہا جاتا ہے بمعنی اسکے کہ یہود ہفتہ کے دن کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں تو اعتداء خاص اس امر میں واقع
ہو اسے اس واسطے حذف مضاف کی ضرورت نہیں ہے۔

واقفہ اسکا اس طرح مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوم جمعہ کو عبادت کیلئے مخصوص کیا مگر
یہود نے اُس دن کو پسند نہیں کیا ہفتہ کے دن کو بجائے جمعہ کے اختیار کیا حضرت موسیٰ سے ارشاد ہوا کہ
آپ کچھ خبر نہ ہو جسے ان کو ہفتہ ہی کے دن عبادت کرنے دیکھے مگر اس فعل میں ان کا امتحان لیا گیا ارشاد
ہوا اَسَدَنَ کُوْنِیْ کام نہ کیا کریں اُسکے ساتھ ہی پھلی کا شکار خاص کر کے حرام کیا گیا جب حضرت داؤد کا زمانہ
آیا اور یہ لوگ ایلہ کے مقام پر جو ساحل سمندر پہ سکونت کئے تھے انہوں نے اس حکم سے تجاوز کیا اُس
کا سبب یہ ہوا کہ ہفتہ کو مچھلیاں برابر دکھائی دیتی تھیں جب وہ دن چلا جاتا تھا غالب ہو جاتی تھیں
اور پر پانی کے نہیں آتی تھیں انہوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنادئے ہفتہ کو اسمیں مچھلیاں آ جاتی
تھیں پانی اُنکا کم کر دیا جاتا تھا پھر وہ نکل نہیں سکتی تھیں اتوار کو شکار کرتے تھے رفتہ رفتہ یہ بھی ترک کر دیا
اور بالا اعلان ہفتہ کو شکار کرنے لگے اُس وقت اُن پر عتاب ہوا اس سے حیلہ کر نیچے حکم معلوم ہوتا ہے امام مالک

کسی حکم غیر مشروع کے لئے حیلہ کو رد انہیں رکھتے ہیں اور دیگر ائمہ جب تک اُس سے کسی حق کا ابطال نہ ہو حیلہ کو رد رکھتے ہیں جیسے سود میں مگر مؤید بالا حدیث اس میں قول دیگر ائمہ کا ہے امام مالک کا نہیں ہے اس واسطے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عمدہ کھجور کے عوض عمدہ کھجور کو مگر اس طرح کہ پہلی کھجور کو رد پیہ کے عوض فردخت کر دو پھر رد پیہ سے کھجور عمدہ لیلو بہر حال حیلہ کے مسئلہ میں اختلاف ہے کتب فقہ میں اسکی تصریح موجود ہے۔

فائدہ۔ اس جگہ سبت سے یوم سبت مراد لینے کی وجہ ظاہر ہے اور سبت سے مراد مصدر لینا اسوجہ سے ہے کہ ایام اسبوع کے یہ نام بعد حضرت عیسیٰ کے مقرر ہوئے ہیں یوم سبت یہود کے وقت میں نام ہفتہ کا نہیں تھا مگر یہ لفظ مستقل تھا۔

فقلنا لہم پہنے اُن سے کہا اُن لوگوں میں دو جامعین تھیں ایک تو روکتے تھے اور خود بھی شکار نہیں کرتے تھے اور دوسری جماعت شکار کرتی تھی اللہ جل شانہ نے اُن لوگوں کو جو شکار کرتے تھے مسخ کر دیا اور وہ لوگ جو شکار نہیں کھیلتے تھے وہ محفوظ رہے۔

کو فاقہ و قروۃ جمع فرد کی ہے جسکے معنی بندر کے ہیں ہو جاؤ بندر یہ خطاب اُن سے کیا گیا اس میں دجال ہیں ایک یہ کہ حقیقی ہو دوسرے یہ کہ مجازی ہو کیونکہ بندر ہو جائے اُنکے اختیار میں نہ تھا اگر مراد یہ ہے کہ حقیقہ وہ مسخ کر کے بندر کر دئے گئے تو پھر کو فاقہ مجازی ہے اس سے کہ فوراً حکم مسخ آپ صادر ہو گیا جس میں کوئی تئے حائل نہیں ہوئی، بمنزلہ اُنکے فعل اختیاری کے ہو گیا اور اگر مراد یہ ہے کہ بندر دیکھے ایسے ہو جاؤ تو یہ اُنکے الکتاب سے تعلق رکھتا ہے اس واسطے کہ تو حقیقہ امر انہیں سے ہے۔

خاصین ماخوذ خسوسے ہے جسکے معنی ذلت و صغار کے ہیں اور بعض نے خسو کے معنی بعد کے لئے ہیں اور خاص کے معنی صاغر اور المطرود کے لئے ہیں خاصین یا تو حال ہے یا قزوۃ کی صفت ہو اور ذوالعقول کی جمع لانے سے اشارہ اس جانب ہے کہ وہ عقلا سے تھے مگر عقل کے مطابق اُنکے کام نہ تھے تو بمنزلہ غیری عقل کے ہو گئے۔

جہور مفسرین کہتے ہیں کہ فی الواقع آدمی سے یہ بندر ہو گئے ایک جماعت کہتی ہے کہ بندر ہونے کے بعد یہ نہ کھاتے نہ پیتے یہاں تک کہ تین دن میں مر گئے اُنکے والد و تناسل کیے ہوتا۔ مقاتل کہتے ہیں کہ ایک سفیہ زندہ رہے بعض لوگوں نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ جب مسخ شدہ کوئی اُن لوگوں کی طرف سے گذرتا جو منع کرنے تھے تو اسکو یہ لوگ ملامت کرتے تو وہ رد تا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد مسخ کے بھی اُن کو حس و عقل تھی۔

ابو بکر بن العربی کہتے ہیں کہ بعد مسخ کے یہ بندر زندہ رہے اور انکی اولاد جاری ہوئی چنانچہ اس وقت بھی اُن بندروں کی اولاد موجود ہے مگر اس قول کی تردید حدیث سے ہوتی ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ آیا یہ بندر اور خنزیر مسخ شدہ اقوام سے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جس کسی قوم کو ہلاک کیا یا عذاب کیا تو اُن سے نسل کو منقطع کر دیا اور یہی امر اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یہ جانور بندر اور خنزیر اس قصہ سے پہلے بھی تھے امام ابو جعفر بن جریر طبری نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ صورتیں انکی مسخ نہیں ہوئیں بلکہ اُنکے اوصاف مسخ کر دئے گئے۔ شاعر کہتا ہے۔

اذا انت لم تلتحق ولم تدربا لهلوى فكن حجرا من يابس الصخر جليدا
یہاں بعض نے اسکو خلاف وضع فطری سمجھکے مسخ کا انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ جن لوگوں نے شکار کیا انکو بھی دوسری جماعت نے چھوڑ دیا تو وہ برادری سے باہر کر دئے گئے اور موافق بندروں کے ہو گئے اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے اُنکے ذوات کو اگر ابھی کوئی حیات برزخی میں دیکھے تو اُن کو بندر ہی کھائی دینگے ان کی حالت قبل اس حیات برزخی کے ویسی ہی ہو گئی اور اسی حال میں اُن کے حشر و نشر ہو چکی امید ہے البتہ اُن پر یہ عذاب چونکہ آخر دی ہے اس واسطے اسکا اعتبار دنیاوی عذاب کے طور پر نہ ہوگا ایسی وجہ سے یہ عذاب اُنکا کفارہ ذنوب نہ ہوگا اور خاصین آخرت میں بھی ہونگے واللہ اعلم۔
فجعلنا انکا لا اُس پر نہ اُنکو نکال کیا ضمیر لک یا تو مضمون جملہ کی طرف پھرتی ہے یعنی اُنکے قر وہ ہونے کو نکال کر دیا یا مسخ ہو نیکو یا عقوبت یا اس آیت کو جواب نازل ہوئی اور اُس میں اُنکے مسخ ہونیکا ذکر ہے بعض نے اس ضمیر کو قریہ کی طرف پھیرا ہے اور بعض نے نکال کی جانب اس ضمیر کو راجع کیا ہے۔ نکال قید کو اور زنجیر کو کہتے ہیں اور اُس فعل کو بھی کہتے ہیں جو اس غرض سے کیا جاوے جس سے دہشت میں اُنکے دوسرے نہ کرے۔

لما ہی یدیکھا و خلفہا یا تو مراد مین یہ یہاں سے اُس جماعت کے معاصرین مراد ہیں اور ما خلفہا سے بعد آنیوے مراد ہیں یا مین یہ یہاں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اُس قریہ میں موجود تھے اور ما خلفہا سے جو باہر گئے قریہ کی طرف ضمیر پھیرنے میں تاویل کی ضرورت نہیں ہے اور اُس جماعت کی طرف پھیرنے میں تاویل کیجاتی ہے و معظمتہم موعظتہم اُس کو کہتے ہیں جس سے قلب نرم پڑے خواہ ثواب کا ذکر ہو یا عقاب کا مذکور ہو اور متقین سے مراد عام پرہیزگار ہیں اور ابن عباس کا قول یہی ہے بعض نے متقی سے مراد مخصوص اُمّت محمدی کو لیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا لَا
 اور یاد کرو اسوقت کو جب موسیٰ نے اسی قوم سے کہا کہ اللہ حکم دیت ہے تمکو ایک بقرہ ذبح کر نیکار کھنے لگے
 اتَّخَذْتُمْهَا نُحُورًا قَالُوا عَوَّذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْغَافِلِينَ
 کہا اٹھٹھا ہم سے کرتے ہو حضرت موسیٰ نے کہا کہ اللہ کی مہار ہو اس سے کہ میں جا بھونیں سے ہو جاؤں۔

اس آیت کا عطف یا تو انعام کے آیات پر ہے یا ان آیات پر ہے جن میں نبی اسرائیل کی بدکاری
 اور نافرمانی کا اظہار کیا گیا ہے یا انعام کے آیات پر عطف ہو مگر بعض آیات کے ضمن میں انکے کفرانِ نعمت
 کا بھی ذکر کیا گیا ہے انہیں آیات پر عطف ہے ظاہر ہے کہ اگر حکم ذبح بقرہ کا لحاظ کیا جاوے تو یہ ایک
 نعمت ہے خواہ دنیاوی منافع کا اعتبار کیا جاوے یا دینی فلاح کا خیال کیا جاوے اس صورت میں اس
 آیت کا عطف آیاتِ نعمت پر مناسب ہے اور اگر حکم ذبح بقرہ پر جو نبی اسرائیل نے ماننے کے طرز کو اختیار
 کیا تھا اسکا اظہار اس آیت میں مقصود ہو تو یہ نبی اسرائیل کے سائبے سلسلہ میں ہے اسی کی دوسری آیات پر
 اسکا عطف ہوگا اور اگر نعمت مقصود ہو اور ضمن میں اس کے برائی و نافرمانی کا حال قبیح ظاہر کرتا ہو تو یہ اپنے
 مطابق آیت پر معطوف ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا حکم ذبح بقرہ کیونہ ہوا تھا ایک جماعت کہتی ہے
 آگے کی آیت واذ قتلتم نفسا جس واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے اس کے باعث حکم ہوا کہ ایک شخص مارا تھا
 اس کے بھائی یا بھینچے اس کے وارث ہوتے تھے اس کی عمر دراز ہو گئی دارثون نے دیکھا کہ یہ مزانہیں ہو جائیاد
 ہمکو نہیں ملتی ہے اسکو قتل کر ڈالا اور قتل پوشیدہ کر نیکی غرض سے قاتل کی تفتیش کرنے لگے حضرت موسیٰ سے
 اس کے انھون نے وارداتِ قتل کی بیان کی اور قاتل کے پتہ لگانے کی خواہش ظاہر کی حضرت موسیٰ نے
 حکم اسی انکو ذبح بقرہ کا حکم دیا اس قصہ میں بعض یہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کی بیوی بہت حسین تھی اس کے
 بعض اعزہ نے اس غرض سے کہ اس کی زوجہ کے ساتھ عقد کرے اسکو قتل کر ڈالا اس کے بعد یہ حکم دیا گیا
 بہر حال یہ طبعی حال یا جب حال سے قتل سرزد ہوا اور قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا حضرت موسیٰ نے قاتل کا پتہ
 چلانے کی غرض سے اس قسم کا حکم دیا بعض کا خیال ہے کہ ذبح بقرہ اس وجہ سے نہیں ہوا بلکہ یہ واقعہ بعد ذبح
 بقرہ کے کم ہونیکے ہوا ہے البتہ ذبح بقرہ بعد اس واقعہ کے وقوع میں آیا اور اس سے اس واقعہ پر
 اثر ضرور ہوا کہ قاتل کا پتہ مل گیا قاتل کا پتہ کیونکہ لگا جمہور اہل اسلام کہتے ہیں کہ خود مقتول نے زندہ ہو کے
 اپنے قاتل کو بتا دیا جیسا کہ اسکی تفصیل آگے آئیگی یا قاتل نے گہرے خود قبول دیا جیسا کہ بعض قرآن کی
 تاویل کرنے والوں نے لکھا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ حکم ذبح بقرہ یا تو اس غرض سے ہوا تھا کہ ایک شخص جو کہ بقرہ کا مالک تھا اور اپنی
 والدہ کی اطاعت و خدمت بہت کرتا تھا اسکی فائدہ رسانی کی غرض سے یہ حکم ہوا تھا یا اسوجہ سے

حکم ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بقرہ کی تنظیم کی طرف مائل تھی یا اسوجہ سے کہ ایسے قوم کے ہمسایہ تھے کہ جو بقرہ کی تنظیم کرتے تھے یا بعض افراد اُس قوم کے تھے کہ جو بقرہ کو معظم سمجھتے تھے اور یہی سبب اُن کی گویا سالہ پرستی کا بھو گیا بہر حال قربانی کا حکم محض اُنکے خیال فاسد کے دور کرنے کے باعث تھا اور سد ذریعہ شرک کے طور پر تھا۔

یہ بھی ایک امر قابل ذکر ہے کہ بقرہ سے مراد بیل ہے یا گائے ہے تو رات میں بعض ترجمہ کرنے والوں نے بیل سے ترجمہ کر دیا ہے اور انھیں کی اتباع میں دو ایک نے مسلمانوں سے بھی گائے کے بجائے بیل کا ترجمہ کیا ہے اس واسطے کہ اُنکے نزدیک بقرہ بیل کو بھی کہتے ہیں بلکہ اس استعمال میں کلام کی ضرورت نہیں ہے نہ یہ بحث میں لانا چاہتے ہیں کہ عربی میں فوراً واضح تر ہے بیل میں اُس لفظ کو ترک کر کے یہ متنبہ لفظ خدا نے کیوں اختیار کیا بلکہ ہم یہاں پر اصل واقعہ کے لحاظ سے بقرہ کا ترجمہ گائے سے کرتے ہیں اس واسطے کہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو قربانی نبی اسرائیل نے دی تھی وہ گائے کی تھی جو لوگ تنظیم میں جاؤز کی کرتے ہیں وہ مؤنث کی زیادہ تر کرتے ہیں کیونکہ اُس سے مفاد پرورش کا بنی نوع انسان کی ہر جزئیات نر کے کہ اُس میں مفاد حوائج انسانی کا ہے ذاتی مفاد مقدم ہے۔ غیر ذاتی سے اس جگہ دو وصف ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گائے تھی اس واسطے کہ فارض اور بکر مؤنث کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یہ دونوں اوصاف صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ قرآن میں بقرہ سے گائے مراد ہے اور تشریلا رض دلاستقی الحارث کہ وہ جوتے ہیں زمین اور پیچھے ہیں کھیتی کے کام نہیں آتے اس سے بیل ہونے کی نفی ہے نہ کہ اثبات اور اگر فرض کیا جائے کہ یہ دونوں صفتیں بیل کی ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان خدمات کا گائے سے نہ لیا جانا یہ عرف میں نبی اسرائیل کے نہ تھا بلکہ یہ بعد کو ہوا ہے۔

یہاں پر اس امر کے ذکر کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ فوج میں کیا فائدہ ہے اور بقرہ کے ذبح کا کیا حکم ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ گوشت خوری انسان کے لئے مضر ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے تو ہماری شریعت اُسکے کھانے کی مانعت کر دے اس واسطے کہ اس شریعت میں تمام مضراشیاء کا استعمال حرام کر دیا گیا ہے کسی خاص طبیعت کے خلاف ہو تو اُس خاص شخص کے واسطے یہی حکم ہے اگر عام طور پر یہ ثابت ہو جائے تو عام حکم ہو جائیگا جس جانور کا جو خاص شخص کے لئے گوشت ضرر رسان ہے اُسکو اس جانور کا گوشت جائز نہیں اور جو گوشت عام طور پر ضرر رسان ہو وہ عام طور پر حرام کر دیا گیا ہو جیسے خنزیر کا گوشت سباع ہماکم بلکہ درندہ کا گوشت خواہ وہ چرند ہو یا پرند ہو مگر حقیقت اور امر واقعی اس کے خلاف ہے انسان کی غذا فطری اجزاء حیوان ہیں اور گوشت زیادہ تر مناسب مزاج حیوان کے ہے اور انسان کے لئے بھی

اقرب مزاج حیوان اور اُسکے اجزاء میں اُس میں طبیعت کو تحلیل کرنے اور بدل حاصل کرنے میں بہت شوقی نہیں ہوتی ہے۔ یہ امر بھی مشاہدہ ہے کہ جب قدر انسان سے شے بعید ہے اُسی قدر وہ غذا ہونے سے بعید ہے لکن کچھ غذائیت کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں تخلیق انسان اجزاء انسان سے ہوتی ہے پرورش ابتداء سے اجزاء انسانی سے ہوتی ہے پھر جب قوت زیادہ پیدا ہوتی ہے اور خون درودہ غذا میں کفایت نہیں کرتے ہیں تو روئیدگی اور حیوان ہی انسان کی غذا ہوتی ہے اس غذائے فطری سے زیادہ مناسب شے جزو بدن ہوتی ہے اپنی کیفیت اور مزاج کی تاثیر ضرور کرتی ہے اسی وجہ سے نہ ہری روئیدگی نہ ہریے جانور یا وہ جانور جن میں بد خوئی ہے سلیم الطبع اشخاص نہیں کھاتے ہیں اگر کھائیں تو تاثیر نفع کے بجائے نقصان پہونچائیگی۔

حاصل یہ ہے کہ جب قدر جسم انسانی سے قریب تر ترکیب ہوگی اور اسکا مزاج خراب اثر طبع انسانی پر نہ ڈالے گا اسی قدر وہ غذا طبائع سلیمہ پسند کرینگے یہی وجہ ہو کہ عام طور پر گوشت پسند کیا جاتا ہے اور گوشت بھی اُن حیوانات کا جن میں اوصاف بد نہیں ہیں۔

مقتضی اس قاعدہ کا ہے کہ اقرب ترین ترکیب قوی تر غذا اور سہل تر بدل متحمل ہونے کے لائق ہو انسان کو انسان کا کھانا اقرب ترین تھا مگر انسان کی ترکیب ایسی اجزاء اور قوی سے ہوئی ہے کہ اُس میں وہ اوصاف موجود ہیں جو عام درندو غنیم میں اس واسطے کھانے کے حق میں وہ اُن درندوں کے حکم میں داخل کر کے متروک کر دیا گیا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بوجہ بقائے نوعی کے یہ مخالفت ہو کچھ ہی کیون نہوا انسان کا انسان کو کھانا طبائع سلیمہ کے نزدیک نادر ہے۔

اب دیگر حیوانات جنکے اوصاف میں درندگی نہیں ہو سب سے نزدیک تر غذا ہوئے کہ اُن میں بوجہ حیوان ہونیکے قرب ہے اور اُنکی ترکیب انسان کی ترکیب سے باعتبار روئیدگی کے مناسب تر ہے اور اخلاق حیوانی اور درندگی بھی اُن میں نہیں ہے اس واسطے کہ ہزاروں زیادہ سہل ہی غذا ہے یہ امر کہ جانور دن کے کھانے انکے مزاج کا اثر انسان میں پایا جاتا ہے کتب طب سے ظاہر ہے یہی سلوی ہے کہ اس کے بارہ میں کہتے ہیں کہ نہایت رقیق القلب ہو یہاں تک کہ آواز عدد سے یہ مرجاتا ہو جس کسی سخت قلب کو کھلایا جائے تو اسکا قلب نرم ہو جاتا ہے اسی وجہ سے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سلوی بنی اسرائیل کو اسوجہ سے کھلایا گیا کہ اُن کا دل بہت سخت تھا انسان کا زندہ رہنا درحقیقت عالم کی حیات ہے انسان بمنزلہ روح کے ہے اگر روح نکل جائے تو جسم مردہ ہے اسی طرح اگر انسان نہ رہے تو عالم بے حیات ہو عقل اس میں ہے جسکے باعث یہ اشرف مخلوقات ہو گیا جس طرح جہاں فی روح کے لئے کل اجزاء جسمیہ حاضر ہیں اُسی طرح

انسان کے لئے بھی حاضر ہیں انسان غیر ذی روح کو ذی روح کر دیتا ہے غیر ذی عقل کو ذی عقل کر دیتا ہے ایک شب میں انسان کی صحبت سے اجزاء و اجوانیہ جنگو قوت ناطقیہ نہیں جو جزو ناطق ہو جلتے ہیں اور اجزاء و اجوانیہ متحرک بالارادہ اور ناطق ہو جلتے ہیں کمال ان اجزاء کو حاصل ہو جاتا ہے جو جن کو کس طرف سے کس طرح نہیں ہو سکتا ہے جو ان کو جان خاک ہو کے رہ جاتا اس طرح اُس کا جزو ترقی کرے گا کہ جزو انسان ہو گیا جس طرح درخت اور پھولوں کا کمال یہ ہے کہ غذائے حیوانی ہوں ورنہ سوکھ کے خاک ہو جا دیں گے اسی طرح حیوان کا کمال بھی ہے کہ وہ اجزائے انسان ہوں ورنہ جماد ہو جا دیں گے درخت سے پھل توڑنا حیوان کو ذبح کرنا اُن کی تکمیل کے اسباب سے ہے اسکو ایک واقف اسرار عالم اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ جن لوگوں کو اللہ نے شعور دیا ہے وہ جلتے ہیں جسم کائے ذیل وغیرہ کا مصروفین آجاوے تو خاک ہونے سے بہتر ہے اور روح اُس کی نہ کسی کے استعمال میں آتی ہے نہ وہ فنا ہوتی ہے بلکہ وہ یوم الفصل میں اپنے حقوق لینے اور دینے کے لئے محسوس ہوگی اور اگر تنازع کا مسئلہ مان لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ روح جلد ایک جسم سے چھوٹ جاوے گی جس کے بعد آزاد ہونے سے قریب تر جسم مل جاوے گا اس جگہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب جزو حیوان جزو بدن انسان ہو گیا اور حیوان بھی محسوس ہوگا تو وہ کس جسم سے ہوگا اسکا جواب یہ ہے کہ اجزائے اصلیہ سے ہوگا جو وقت پیدائش کے ہوتا ہے اُس پر کوائف عالم روحانی کے قوی ہو جا دیں گے اُسکی لطافت کے باعث تخلخل اور خفیت زیادہ ہو جاوے گی۔ یہاں پر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حیوان کو ذبح میں افیت ہوتی ہے اور درختوں کو اذیت نہیں ہوتی ہے مگر وہ مبصر جو جانتا ہے جس طرح حیوان میں حیات ہو اسی طرح جماد میں بھی حیات ہو وہ اس فرق کو ملحوظ خاطر نہیں کرتا ہے اور اُسکے نزدیک جیسا درخت سے میوہ توڑنا اور میوہ کو توڑ کے کھانا ہے اُسی طرح حیوان کو ذبح کرنا اور اُسکے گوشت کو کاٹ کے کھانا ہے۔

جو لوگ بصیرت رکھتے ہیں تو وہ سہولت سے میوہ توڑتے ہیں اور سہولت سے جانور کو ذبح کرتے ہیں اُن کی حالت تو یہ ہے زمین پر تیز نہیں چلتے کہ زمین کو اذیت ہوگی اور گلاس کو زور سے رکھ نہیں دیتے کہ گلاس شکایت کرے گا باوجود اس کے زمین پر چلتے ہیں گلاس رکھتے ہیں میوہ توڑتے ہیں حیوان کو ذبح کرتے ہیں ذبح کے وقت جس قدر الم اور اذیت ہوتی ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے صرف متحرک سے اگر اندازہ کیا جاوے تو صحیح نہیں انسان کی ایک حالت ہے کہ وہ احساس الم کرتا ہے اور دوسری حالت مثلاً سرسام یا بیہوشی میں حرکت طبعی کرتا ہے مگر الم کا احساس نہیں ہوتا ہے یہ ماننا پڑے گا کہ اس متحرک کے جو حیوان میں ہے ان دونوں میں سے کس قسم سے مناسبت ہو اگر حیوان کا

طبعی تنافر اور رغبت دیکھئے تو وہ کوئی اعتباری شے نہیں ہے پتنگا چلنے سے متنافر نہیں کرتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ الم کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ہے جسکے اعتبار سے یہ کہا جاسکے کہ اگر الم اور اذیت ہوتی ہو تو کوئی حق نہیں ہے کہ ایک حیوان کے لئے دوسرا حیوان یا اسکی تکمیل کیلئے اذیت کا مستحق ہو جاوے عقلاً ممنوع نہیں بلکہ ذبح کرنے میں مصلحت زیادہ ہے اسوجہ سے کہ ذبح سے علاوہ گوشت کھانے کے دیگر فوائد بھی ہیں عبرت ہوتی ہے خون بہانے میں دلیری پیدا ہوتی ہے مگر یہ حکم دیدیا گیا ہے کہ جب تک خدا کے نام پر ذبح نہ کر دگے گوشت حلال نہ ہو گا تا کہ یہ معلوم ہو جاوے کہ دلیری کے لئے شرط یہ ہے کہ خدا کی راہ میں اُس کے نام پر ہو ورنہ وہ دلیری حرام ہو فطرۃ دیکھئے تو کوئی قید نہیں ہر بڑا جانور چھوٹے جانور کو لقمہ کر جاتا ہے اور جس طرح قتل انسان کا حکم ہر سطح بعض جگہ شریعت ائمہ میں گوشت کے لئے جانور کو ذبح کرینکا حکم ہے اور خدا کے لئے اراقہ دم خون بنانا مطلوب ہے سوائے اسکے کسی جانور کو قتل کرنا یا اذیت پہونچانا یا نشانہ بنانا ممنوع ہے۔

بعض مواقع پر کسی دوسرے فائدہ کیلئے بھی قربانی جائز کی گئی ہو بلکہ حکم دیا گیا ہو جیسا کہ حضرت نبی کریمؐ کو ہاک کو جسکی نبی اسرائیل پرستش کرتے تھے ہلاک کر کے غرق دریا کر دیا یہاں سد ذریعہ شرک مقصود تھا اس طرح گائے کا حکم دیا گیا۔

شریعت اسلام میں چونکہ سد ذریعہ شرک کا لحاظ بہت زیادہ ہے حتیٰ کہ صلیب جو کہ عیسائی مانتے ہیں اور اُسی کی پرستش کرتے ہیں مسلمانوں کو حکم ہے کہ انکے ملک میں ہو تو وہ توڑ ڈالیں اُسکو بگاڑ دین اسی طرح کوئی بُت اور پوجنے والی شے ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے کام میں نہیں آسکتی ہے تو اُسکو تلف کر دینا ہمارا حق ہے۔ گائے بھی چونکہ ہندوئیس پرستش کی شے ہے ہمارے لئے اپنے ملک کی گائے کو ذبح کرنا جائز ہے بعض مواقع پر لازم ہو جاتی ہے مگر اس سے دوسرے منافع بھی ہیں تو اسلئے اُسکو ذبح نہ کرنا بھی جائز ہے اگر اُن منافع کے لحاظ سے گائے ذبح نہ بھی کیجاوے تو کوئی حرج نہیں ہے یہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ مسلمان نے گائے قربانی کے لئے خریدی اور اُس کو ہندو ذبح کرنے نہیں دیتا ہے تو اُسوقت مسلمان کو اُسکا ذبح کرنا لازمی ہو جاتا ہے مگر بدون اس کے کہ کوئی مزاحم ہو خود مسلمان کو اختیار ہے کہ چاہے ذبح کرے یا نہ کرے یہ تو عام طور پر گائے کے ذبح کرنے کا مسئلہ جو مگر قربانی میں یومضحیٰ کے اس مسئلہ کی حالت دوسری ہے وہاں حکم یہ ہو کہ اراقۃ الدم ہو خون بہے اسی وجہ سے ایک شخص کا ایک جانور قربانی میں ذبح کرنا مطلوب ہے ایک گائے میں سات آدمی ملکے ذبح کریں تو اسقدر ثواب نہیں ہے جتنا ایک جانور ایک آدمی کرے اور اُس صورت میں بھی ثواب

کم ہو جب ایک بکری کی قیمت سے ساتواں حصہ گائے کا قیمت میں کم ہو اس اعتبار سے قربانی میں عید الاضحیٰ کے گائے کی قربانی جس میں سات آدمی شریک ہوتے ہیں اور اسکا ساتواں حصہ بکری کی قیمت سے کم ہوتا ہے بکری کی قربانی افضل ہے بشرطیکہ ہندو مزارحم نہ ہوں اور اگر ہندو مزارحم ہونگے تو اس صورت میں اس مسئلہ کی نوعیت ہی بدل جاوے گی واللہ اعلم بالصواب۔

اس ملک میں جو کچھ مسلمانوں نے گائے کی قربانی کرنے سے انغاض کیا ہو اس میں بہت سے فوائد ہیں بخلاف انکے متغلبین کو گائے کے ذبح نہ کرنے سے سخت نقصان پہنچنے کی توقع ہے جسکے سد باب میں وہ خود اس رسم کو ترک ہونے نہ دینگے مطلب ہاتھ سے بھی نہ جاوے گا اور ہندوؤں کی ہمدردی بھی حاصل رہے گی اس جگہ جو احکام نظام دکن یا شاہ کابل نے دیے ہیں وہ عمدہ نہیں ہیں بلکہ اظہار حکم ہے۔ ملک میں ہندو مغلوب ہیں انکے لئے اتنی رعایت باعث فتح باب شرک نہ ہوگی اور اگر یہ حکم انکا عہد مان لیا جاوے تو یہ گوم کروہ ہے مگر قابل ایفا ہے کیونکہ انکی رعایا ہندو ذمیوں کے حکم میں ہیں۔

ماہل ہمارے کلام کا یہ ہوا کہ حیوان کا گوشت انسان کیلئے زیادہ مناسب غذا ہو اور فطری غذا ہے اور اسکی بقا کے لئے وہ جانور جنکے گوشت میں جسمی یا اخلاقی ضرر نہیں ہے ذبح کئے جانے تو فطرت کے خلاف نہیں ہو بلکہ اس میں حیوان کا کمال ہے اسکی تحصیل کمال کے لئے اسکا ذبح قبیح نہیں ہو اور چونکہ روئیدگی کی حیات ہر کس ناکس نہیں احساس کرتا ہو اس واسطے ذبح حیوان میں اور پتے پیچے میں مسرف نہیں کیا جاتا ہے حالانکہ کوئی فرق نہیں ہے بعض جگہ ذبح حیوان میں علاوہ گوشت کے اور بھی فائدہ ہوتا ہے تو ایسی جگہ بطور تعبیر کے اس فائدہ کی تحصیل کی غرض سے ذبح کر نیکا حکم ہوتا ہے یہاں پر حضرت موسیٰ کی قوم کو ذبح بقرے کے حکم میں علاوہ گوشت کے بھی فائدہ تھا خواہ یہ ہو کہ سدریہ شرک اس سے ہوتا ہے یا یہ ہو کہ نشان قاتل کا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اثر اس ذبح کا مرتب ہوا اور قاتل کا پتہ لگ گیا جنکے نزدیک مقتول نے خود قاتل کو بتا دیا وہ کہتے ہیں کہ ذبح بقرہ کا حکم اسوجہ سے دیا گیا کہ میت کے جزو سے میت کا زندہ ہونا زائد متباعد تھا بہ نسبت حی سے میت کا زندہ ہونا اور محل اظہار استبعاد اور خلاف عادت فعل کے ظاہر کر نیکا تھا تو وہ اس صورت میں ہوتا جب بقرہ کو ذبح کر سکتے اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے نبی اسرائیل کو ذبح بقرہ کا حکم دیا اور بھی فوائد تھے جن میں سے ایک نیک کو فائدہ پہنچانا بھی تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ذبح بقرہ کا حکم دیا تو تعجب سے کہنے لگے اتغذوا منہا واکمیا آپ ہمو ٹھٹھے میں پکڑتے ہیں ہمو آپ سے قاتل کا پتہ دریافت کرتے ہیں آپ ہمو حکم گائے کے ذبح کر نیکا دیتے

ہیں یہ تو ٹھٹھا و مذاق سا معلوم ہوتا ہو یا یہ کہ اللہ کو کیا فائدہ پہونچے گا کہ ہم کسی جانور کو ذبح کریں اس حکم کے دینے سے اللہ کی ذات بہت بعید ہو آپ معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے دلگی کرتے ہیں۔ ہر دو مصدر ہے مفعول ثانی ہر دو کا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ہر دو مفعول بمنزلہ مبتدا و خبر کے ہیں مصدر و خبر نہیں ہو سکتا ہے لہذا ہر دو یا تو قائم مقام مفعول ثانی کے ہے لفظ حال یا مکان یا محذوف ہے یا معنی میں ہر دو کے ہے یا ہر دو مبالغہ کے طور پر محمول کر دیا گیا جو جیسے زید عدل۔ معنی یہ ہوسے کہ کیا آپ نے ہکڑ ٹھٹھے کی جگہ بنالی ہو یا ٹھٹھا کئے جانے والے بنایا ہے یا خود ٹھٹھا بنالیا ہو اس قدر مبالغہ کیا کہ گویا وہ ہی ٹھٹھا ہو گئے۔ اس لئے حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ یہ امر میری شان رسالت سے الیس بعید ہے۔

قال معاذ اللہ ان کون من الجھلین جہل کبھی علم کے مقابل میں آتا ہے کبھی کسی خلاف واقع اعتقاد کرنے کو جہل کہتے ہیں کبھی خلاف تقضیٰ اور شان کے کوئی امر کیا جاتا ہے تو اُس کو جہل کہتے ہیں یہاں پر یہی مراد ہے۔ مقصود حضرت موسیٰ کا یہ ہو کہ جب میں تبلیغ احکام اور رسالت اُسی کے لئے ہوں تو مجھے زیبا نہیں ہے کہ میں تم سے ٹھٹھا کروں یہ میرے مرتبہ سے بہت بعید بات ہے۔

ظاہر ہو کہ حضرت موسیٰ معصوم تھے اُن سے ایسا قبیح فعل سرزد ہونا خلاف شان تھا تبلیغ احکام کی جگہ ٹھٹھا اور مذاق کرنا قریب بکھرے نبی سے اتنا بڑا گناہ سرزد نہیں ہو سکتا جو بعض مفسرین نے بحث کی ہو کہ آیا جو کلمات حق میں حضرت موسیٰ کے نبی اسرائیل نے کہے وہ کفر تھے یا نہیں مگر میں اس بحث کو بے سود سمجھتا ہوں اس واسطے کہ نبی اسرائیل ایسے حرکات کے خور تھے انکی تکفیر کے اس طرح کے وجہ بہت سے ہیں آگے ہی اس آیت کے ہے۔ الان جبئت بالحق اس سے کتنی بڑی گستاخی حضرت موسیٰ کے شان میں ظاہر ہوتی ہے گویا اسکے قبل حق بات حضرت موسیٰ نے نہیں کہی تھی بہر حال انکی جہالت یا شقاوت ہو مگر یہ الفاظ شائبہ کفر سے خالی نہیں ہیں واللہ اعلم۔

چونکہ حضرت موسیٰ کے نزدیک انکی شان سے ٹھٹھا کرنا بے حد بعید تھا اور قبیح تھا اُس کی نفی میں کنایہ کو اختیار کیا کہ وہ ابلغ ہوتا ہے صراحت سے یہ نہیں کہہ دیا کہ میں ٹھٹھا نہیں کرتا ہوں بلکہ کہا کہ خدا کی پناہ ایسا امر قبیح کیونکہ مجھ سے ہو گا یہ تو میرا جالوں میں سے ہو جانا ہوا جس سے خدا کی پناہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ محض ادب سے حضرت موسیٰ نے کہا در نہ حضرت موسیٰ نے کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا جس سے استعاذہ کرتے مگر یہ امر جیسا کہ ہم نے ذکر کیا حضرت موسیٰ کے لائق تھا کہ ایسے عظیم گناہ سے پناہ مانگتے اس جگہ سمجھ لینا چاہئے کہ تسخر اور استہزاء ممنوع ہو جس میں دوسرے کی توہین

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ
 کہا اُن لوگوں نے کہ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ بتا دے کہ یہ کس قسم کی گائے ہے کہ حضرت موسیٰ نے کہ وہ فرمایا یہ گائے کاغذ نہ دوزی ہے نہ میان کی ہوتی ہے

عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْهَا
 بلکہ درمیان میں سن کی گائے ہو جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے۔ کہا یہی امر لے کر موسیٰ دعا کر دے یہ کچھ گدہ میان کی ہوگی کہ جو کچھ حکم دیا گیا

قَالَ يُقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعٌ لَوْهَا تَسُرُّ النِّظَرِينَ قَالُوا ادْعُ لَنَا
 کہا حضرت موسیٰ نے کہ فرمایا یہ طریقہ یہ کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہو اور اس کا رنگ تیرہ دہرہ دیکھنا اور گودہ گائے یا کھانڈ میں سے ہونا چاہئے اور وہ بلی کی صورت نہ دینا کرو

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا وَإِنَّ لَإِثْنَاءَ اللَّهِ لَمُتَدُونَ
 وہ بتائے کہ کیسی گائے ہے کیونکہ گائیں ہمیشہ تشبیہ ہو گئی ہیں اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم راہ پانے والے ہوتے۔

بقیہ صفحہ ۱۷۵ ہوتی ہے مگر مزاج جسے تطیب خاطر احباب ہوتا ہے وہ ممنوع نہیں ہوا یہی وجہ سے انبیاء کرام
 علیہم السلام سے مزاج کا ثبوت ہوتا ہے مگر استہزاء کا ثبوت نہیں ہوتا ہے۔ مزاج دا استہزاء کے درمیان فرق
 ضرور رکھنا چاہیے تاکہ حلال سمجھ کے حرام فعل کا ارتکاب نہ ہو۔

لا فاریض جو بڑی عمر کی گائے ہو کہ بچہ دینے کے لائق نہ رہی ہو وہ کبک جو جوان ہو مگر بچہ نہ ہوا ہو یا دو ایک
 بچہ صرف ہوئے ہوں عوان درمیان میں عمر کی گائے ہو۔ یہاں یہ اوصاف نمونہ کے ہیں جیسے حائض اور
 حاملہ اسمین تا ثانیث کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ کو اُن کے سوالات سے اندیشہ ہوا کہ کہیں گرفت میں نہ پڑ جاوین اس واسطے تاکید کی
 کہ جلد حکم بجالا دیں۔

جمہور محدثین زرد رنگ کو موجب مسرت سمجھتے ہیں اسی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زرد رنگ
 کی جوتی کو موجب مسرت کہلایا ہے اور کالے رنگ کی جوتی کو باعث نکبت اور موجب خج کہا ہے اگرچہ موازہ
 سیادہ سنت ہے۔

کالا بھنے غیر کہ ہے اور ذلول جسکی وحشت جاتی رہے شہر الارض سے مراد یا توہل جو تنہا ہو یا سینگوئے
 کو لیلیں کر لے کہ اسمین بھی گائے اپنے چھوٹے چھوٹے سینگوئے زمین کریدتی ہے۔

لا تسق الحوت نہ اُس سے کھیتی سینچنے کا کام لیا جاتا ہے یعنی بیل نہیں یا اس طرح کا کام چاہے دوسری گائے
 سے لیا جائے مگر اس سے نہیں لیا گیا ہے مسئلہ سے مراد یا تو اللہ نے اُسکو عیوب سے سالم کر دیا ہے یا استعمال
 سے اُسکو اُسکے مالکوں نے محفوظ رکھا ہے یا وہ سالم ہو وجہ حرمت سے یا اس کا رنگ بے عیب ہو یا کوئی عضو

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي
 کہا حضرت موسیٰ نے کہ فرمایا جو یہ ارب کہ وہ ایسی گائے ہے کہ نہ تو سدھی ہوئی ہے نہ زمین جوئے اور نہ وہ کھیتی سنبھتی ہے
 الْحَرْثُ مُسَلَّمَةٌ لَا شَيْءَ فِيهَا ۖ قَالُوا لَنْ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ
 وہ بالکل درست ہے کوئی دروغ اس میں نہیں ہے کہنے لگے کہ اب بھیک مانگ لایا کرتے
 فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۚ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُ
 آخر اس شخص نے اس گائے کو فوج کی احلا نہ کہ کسی طرح فوج کرنا نہیں چاہتے تھے اور یاد کرو اس وقت کو کجب مار ڈالنے ایک شخص کو پھر باہم
 فِيهَا ۚ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ
 ایک دوسرے کو تمہیں لگانے لگا اور اللہ ظاہری کرے تو انھیں جو چھوکتے تھے

بقیہ صفحہ ۱۷۴ اسکا ضائع نہیں ہے کاشفہ فیہا یعنی کوئی دھبہ نہیں ہے ثور شیعہ چنگر اہل کہا جاتا
 ہے جب وہ اہل ہونا چاہے کہ نبی اسرائیل کو ایک مفلس نیک اپنی والدہ کی خدمت گزار سے بڑی قیمت
 پر کل خرید کے فوج کرنا ہی اس کی گرائی قیمت کی وجہ سے یا اپنی اُلفت و عظمت کے باعث وہ ذبح کرنا
 چاہتے نہیں تھے مگر اُن کو ذبح کرنا پڑا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ
 نہ کہتے تو شاید کبھی اُن کو گائے کا پورا انسان نہ ملتا۔ اس قصہ کے ذکر کرنے سے مسلمانوں کو عبرت لانی
 گئی ہے کہ وہ مسخرہ بین نہ کریں یا تعویذ ادا کئے حکم میں نہ کریں یا سوالات بیجا نہ کریں اگرچہ تقدیر میں
 وہی گائے تھی مگر سوال نہ کرتے تو اُن کو اختیار تھا کہ وہ جس گائے کو چاہیں ذبح کریں فوراً ذبح کریتے
 تو دشواری نہ ہوتی۔

اس آیت کا عطف بھی دو احتمال رکھتا ہے یا تو اُن آیات پر ہے کہ جن میں ذکر نعمت ہے یا اُن آیات پر ہے
 کہ جن میں نبی اسرائیل کی بے ایمانی کا ذکر ہے کیونکہ اس آیت میں اگر اس امر کا لحاظ کیا جاوے کہ قتل میں
 جو شبہ تھا اور بے اور بے تصور گرفتار کیے جانے والے تھے وہ دور کر دیا گیا اور اُس کے ضمن میں ایک
 بڑے معجزہ کا اظہار ہوا جس سے مسئلہ بعثت کا ثبوت ہو گیا تو یہ ایک نعمت عظمیٰ ہے اور اگر اس امر کا اعتبار
 کیا جاوے کہ محض طبع مال اور حب جلال کے باعث قتل نفس بے تصور کا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ بہت ہی بری بات
 ہے یہ آیت اُس بُرائی کو ظاہر کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے ان دونوں احتمالوں کے اعتبار سے عطف سبوتا
 ہے اس آیت کے مخاطب بھی موافق سابق آیات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے نبی اسرائیل
 ہیں اگرچہ اُس شخص کے قانون میں سے کوئی موجود نہ تھا یہ خطاب ہے، موافق عادت عرب کے ہے
 کہ قبیلہ کے کسی فرد کے نفل کو اُس قبیلہ کے مخاطب افراد کی طرف منسوب کہتے ہیں۔ اس آیت کے قصہ کو

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بَعْضَهَا كَذَلِكَ يُجِي اللَّهَ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ

اُس کے بعد بتئے کہا کہ مارو اس کو اُس کے کسی جزو سے اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور تم کو

آیتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

بقیہ صفحہ ۱۷۵ پہلی آیت کے فقہ سے جو مفسرین مقدم کہتے ہیں وہ اس کے تاخیر کر کے نازل ہونے کی اور بعد میں ذکر کر کے نیک علیت یہ کہتے ہیں اور ہر کی آیت یعنی ذبح بقرہ کے مضمون کی مستقل ایک حیثیت رکھتی ہے خواہ لحاظ نعمت کا کیا جاوے یا مصیبت و سلیہ کا کیا جاوے اور یہ آیت مستقل حیثیت رکھتی ہو اگر اس طرح تقدم و تاخر نہ کر دیا جاتا تو ان دونوں آیتوں میں سے ایک ہی آیت مستقل حیثیت رکھتی اور دوسری آیت اُس کے تابع ہو جاتی اور ایک ہی فقہ معلوم ہوتا اس تقدم و تاخر سے دونوں کے استقلال کا فائدہ حاصل ہوا۔

فادلاً تعظیفا کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک تم میں سے اپنے اوپر سے الزام کو اٹھانے کے دوسرے پر دھرنے لگا۔ اداً تعظیاً اصل در دو چیز کے معنی دفع کے ہیں اداً تعظیاً ہوتا ہے کہ باہم اس دفع کی نسبت ہم اس لحاظ سے اداً تعظیاً کے معنی تدافع کے ہوئے اور تدافع اس طور پر صادق کیا جاوے کہ ہر ایک اپنے قتل کو اپنے سے دوسرے پر چھوٹنا چاہتا تھا بعض کہتے ہیں کہ ہر ایک کا اپنے سے قتل کو دفع کرنا ہی تدار ہے بعض کے نزدیک یہاں تدار در سے مجاز ہے تو معنی تدافع کے دفع ہے یا در کنا یہ ہے اس امر سے کہ ہر ایک متخاصم ایک دوسرے کو دفع کرتے تھے مناسب تر یہاں معنی مجازی ہیں جنہاں تدار اور خصوصیت کے معنی ہیں۔

واللہ مخبرہم کانتہم تلکون مخرج کے معنی مظهر کے ہیں یہاں اسم فاعل یعنی اتقبال کے ہوا اور مراد تلکون سے امر قتل ہے کہ قاتل چاہتا تھا کہ قتل جو اُس سے صادر ہوا ہے ظاہر نہ ہوتا کہ وارث ہو جاوے اور خلد ہو خواہ ہرگز نہ الا تھا تاکہ جس مقصد سے یہ قتل ہوا ہے وہ حاصل نہ ہو قاتل وارث نہ بنایا جاوے۔

اضربوہ بَعْضُهَا اس جگہ لفظ ضرب آیا ہے جس کے معنی مارنے کے ہیں اور ضمیر مفعول کی مذکر ہے اس کا صحیح بظاہر شخص مفعول ہے نفس کی جانب ضمیر مذکر بھرتی ہے اس لحاظ سے کہ مراد اُس سے شخص یا قاتل ہو خصوصاً اس وقت جبکہ نفس مذکر ہو اور ضمیر بعضہا کی بقرہ کی جانب راجع ہو اس واسطے کہ وہ مؤنث ہے اس جگہ ان دونوں ضمیروں کے مرجع پر بہت غور کرنا چاہیے کیونکہ ان مرجعوں کے غور کرنے سے اس آیت کے معنی

صحیح طور پر حاصل ہو سکتے ہیں ظاہر ہے کہ سوائے نفس اور بقرہ کے اور کوئی مرجع نہیں ہو سکتا ہے اور ضمیر مذکر کی بقرہ کی طرف پھر نہیں سکتی ہو تو اب صرف ضمیر مؤنث کی متعلق ہے کہ بقرہ کی طرف پھرے اور احتمال رکھتی ہو کہ نفس کی طرف پھرے اگر بقرہ کی طرف پھرے تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ گائے کے کسی جزو سے جسم قتل کو مارو اور اگر نفس کی طرف پھرے تو معنی یہ ہونگے کہ نفس قتل کے جزو سے جسم قتل کو مارو اس صورت میں ایک ہی جملہ میں ایک ہی کلمہ کی طرف ضمیر مذکر اور ضمیر مؤنث دونوں راجع ہونگی اور ظاہر ہو کہ ضمیر مذکر و مؤنث دونوں کا تعلق فعل اضرب سے ہے ایک مضروب ہے ایک آلہ ضرب کی ضمیر ہے اس طرح مذکر و مؤنث ضمیر ایک ہی شے پر غیر فصیح ہے اور اُسودوق سلیم پسند نہیں کرتا ہے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ دو قسم کی ضمیروں کے لانے سے فائدہ اُسی صورت میں ہے جبکہ ہر دو ضمیروں سے مرجع دو قسم کے ہوں ورنہ یہ امتزاج کی صورت مناسب مقام نہیں ہے۔

اس جگہ اگر اس طور پر ضمیرین راجع کی جاوین کہ ضمیر مذکر کی نفس کی جانب راجع ہوا اور مؤنث کی بقرہ کی جانب تو ظاہر یہ آیت اُس قصہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے کہ کسی قریب یا قریبے طبع مال یا حب جہال کے باعث ایک شخص کو مار ڈالا اور اُس کے قاتل چاہتے تھے کہ قتل ظاہر نہ ہو کہ اپنے مقصد کو حاصل کر لیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انھوں نے تفتیش کی خواہش کی حضرت موسیٰ نے گائے کے ذبح کر نیک حکم دیا جب گلے لگوان لوگوں نے ذبح کیا تو حضرت موسیٰ نے ارشاد کیا کہ اُسکے کسی جزو کو اس میں اختلاف ہے کہ وہ جزو کیا تھا بعض کہتے ہیں زبان تھی یا ران تھی یا پیٹھے تھے بعض کہتے ہیں کہ اُس گلے کی دُم تھی اُس سے قتل مارا جاوے چنانچہ قاتل مارا گیا وہ جی اٹھا اُس نے کہا کہ مجھے فلان شخص نے قتل کیا ہے اُسکے بعد پھر وہ مر گیا اُسکی جانب اللہ نے اشارہ فرمایا کہ ایسا ہی اللہ زندہ کرے گا اموات کو اس قصہ کو تسلیم کرنے سے معجزہ و خرق عادت کا قائل ہونا پڑتا ہے تمام مفسرین اہل اسلام نے اس قصہ کو تسلیم کیا ہے مگر بعض متاخرین نے معجزہ کی تاویل ہر جگہ کی ہے یہاں بھی اسکو تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ اس آیت میں تاویل کر کے کہا کہ حضرت موسیٰ نے قاتل کی شناخت میں ایک چکلہ دیا جیسا کہ عموماً لوگ اس قسم کے چکلے دیا کرتے ہیں فرمایا کہ میت کے کسی جزو سے اُسکے کسی جزو کو مارو جو قاتل نہ تھے انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی جو قاتل تھا وہ خوف زدہ ہو گیا جیسا کہ ہوا کرتا ہے اس صورت میں کوئی چارہ نہ تھا بجز اس کے کہ ضمیرین دونوں نفس کی جانب پھیری جائیں اُسکے بعد ہر دو فریق نے ایک دوسرے پر اعتراضات کئے اور اُسکے جواب دے وہ اپنی جگہ پر مذکور ہیں ہکو جو امر ذوقی میان معلوم ہوا ہے اسکو ذکر کرتے ہیں وہ یہ کہ ضمیر مذکر تو بلاشبہ نفس کی طرف پھرتی ہے اور ضمیر مؤنث گلے کی طرف راجع ہے گلے کے ذبح کرنے کے بعد حضرت موسیٰ نے حکم دیا کہ اُس کے جزو کو

وسیلہ گردانہ کہ اللہ تعالیٰ مقصد کو حاصل کرا دے اور وہ نیکو بصیرت عطا فرمائے کہ جو عالم مثال کے مشاہدہ کے واسطے درکار ہے چنانچہ ویسا ہی ہوا عبادت کی برکت سے وقتی قوت اشراقی اُلگو حاصل ہو گئی اور عالم مشترک برزخ میں قبیل کو حیات برزخی حاصل تھی اُس نے اُن لوگوں کے سامنے ٹھہرے ہوئے اپنے قاتل کو بتا دیا پھر وہ کیفیت دفع ہو گئی اور میت اپنی حالت میں رہ گئی اس امر کو پہنچنے محض تاویل کی غرض سے نہیں کہا ہے کیونکہ ہر ایمان لائے ہوئے ہیں کہ اللہ چاہے تو مرد و نو زندہ کر دے بلکہ ہم یہ ذوقی بات اسوجہ سے کہتے ہیں کہ اس جگہ اللہ جل شانہ نے قصد ابغیر لیبیان کے جس سے وہ پاک ہو کیفیت حیات کو ذکر نہیں فرمایا اُس کو بالکل ترک کر دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی تفسیر نہیں ہوا وہ تو ایسی حیات پاچکا تھا کہ جس کے بعد موت نہیں ہے وہ اس وقت بھی جی تھا جس وقت اُس کے قاتل کی تلاش ہو رہی تھی اور یہ حیات جو ان لوگوں کو مشاہدہ ہوئی ایسی حیات سے تمام اموات کو اللہ جل شانہ زندہ کرتا ہے یہ حیات برزخی ہے جو سب کے لئے ثابت ہے اور جس کے ثبوت کے بعد پھر حشر و نشر میں کلام کو گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

یہ قصہ مشابہ اُس صورت کے ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت جبریل علیہ السلام کے لئے تشریف لائے اور جماعت صحابہ نے حضرت جبریل کا مشاہدہ کیا اور یہ برکت نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم مثال میں پر منکشف ہو گیا اور وہ عالم مثالی کی بات کو ہر شیاری میں دیکھنے لگے جو عموماً رویار و خواب میں دکھائی دیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عالم خواب کی بات پر کوئی حکم نہیں دیا جاسکتا ہے مگر عالم بیداری میں اگر ایسی حالت ہو خصوصاً نبی کی موجودگی میں تو اُس پر احکام کا مرتب نہ ہونا غیر مسلم ہے بلکہ بعض خواب ایسے ہوتے ہیں جن کا ثبوت عیاناً ہو جاتا ہے اُن پر احکام مرتب ہو جاتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک صحابی نے شہادت کے بعد اپنے ترکہ کا نشان دیا اور اُس کے متعلق وصیت کی وہ حضرت ابو عبیدہ نے نافذ کی حضرت عمرؓ نے برقرار رکھا۔ یہاں ایک تفسیر اور ہے جبکہ ذکر خالی از لطف نہیں ہے وہ یہ کہ اس آیت میں جس قتل کا ذکر ہے وہ قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے اس پر بہت قوی دلیل یہ ہے کہ الاحباب اللہ میں یہ ایک اہل کتاب کے رکوع میں یہ سب انعامات ذکر کئے گئے ہیں اور آخر میں حضرت عیسیٰ کے قتل کا ذکر ہے لہذا اس جگہ انہیں کے قتل کی طرف اشارہ ہے اور مراد اُس سے نفس ذکی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے اللہ فرماتا ہے کہ یاد کرو اُس وقت کو کہ جب حضرت عیسیٰ کو قتل کیا اور پھر مسیحین تم جھگڑا کرنے لگے اور اللہ ظاہر کر نیوالا تھا جس کو تم نے پوشیدہ کیا ہے پھر کہا ہے یعنی بنی اسرائیل نے کہ عیسیٰ کی ٹانگیں رڈلو

ایسے ہی اللہ زندہ کرتا ہے مردوں کو الی آخر الایہ ہم کو اس تفسیر کی بہت زیادہ تردید کی ضرورت نہیں ہے
اس واسطے کہ نقلنا ضرورہ بعضہا اسکی پوری طور پر تردید کرتا ہے ظاہر ہے کہ قلنا ہے نبی اسرائیل کے قول
کا ہونا ضرورہ بعضہما اسلین توڑنے کو کہنا یہ سب باتیں خود ہی تردید کرتی ہیں اصل یہ ہو کہ ایک
عقیدہ قائم کر کے قرآن کے معنی پھیر دینا یہ امر دوسرا ہے اور قرآن کے معنی کہنا امر دوسرا ہے یہ دیا ہی ہے
کہ جیسا وان من شیعتہ لا براہیم ہیں ہاں کہ حضرت علی کی طرف اس کی جاتی پر بیان الذین کفر اسواء علیہم واندہم ام
لم تذہم لا یؤمنون ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم علی ابصارہم عتادۃ۔ ولہم عذاب عظیم کہنے کی وجہ یہ کہ جو لوگ عین اپنے
ختم محبت ہوتے ہیں برابر ہو کر انکو آپ ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ہرگز ہمارے ڈرانے کی تصدیق نہ کریں گے نہ انکے ہون
میں جو نعمت ہے اُس کی حفاظت کے لئے ہرگز مدعی ہے اور اُنکے کانوں پر اور آنکھوں پر پردہ ہے کہ غیر
معرفت انکی کوئی شے نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اُن کے لئے شیرینی بہت بڑی ہے کہنے والا کہہ سکتا
ہے کہ شیعہ کا مرجع گواہ پر حضرت نوح کی طرف پھر سکتا ہے مگر کلام عرب میں جل جلالہ کے طور پر بھی جمع معروف
کی جانب پھرتا ہے یہاں حضرت علی کی طرف اسی قاعدہ سے پھر اسی طرح کفر کے معنی پوشیدہ کرنے کے ہیں
ہونے کے ہیں اور اس قسم کا استعارہ برا بر مستقل ہے مگر بھی عمدہ شے کے لئے لگائی جاتی ہے عذاب عذاب سے
ماخوذ ہے جسکے معنی شیرینی کے ہیں ان سب امور کا ثبوت کلام عرب سے دیا جا سکتا ہے ایسے ہی تفاسیر وہ بھی ہیں
جو اس آیت کی کی جاتی ہیں محض کسی لفظ کے کوئی معنی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ہر جگہ جو چاہے
جو معنی لے جب تک سیاق کلامی نہ ہو کیونکر معنی جو جی میں آئیں لئے جا سکتے ہیں اس تفسیر سے تو پھر وہ تفسیر
لگتی ہوئی ہے جس میں بھی الموتی کی تاویل چھپی بات کے ظاہر کرنے سے کی گئی ہے اگر یہ بھی ظاہر ہے پھر کے
معنی حقیقی کے ہوتے ہوئے معنی مجازی لئے گئے ہیں اور حذت فاضلہ اللہ مالک تہوہ لیا گیا ہے آخر الکلام یہ کہنا
پڑتا ہے کہ سب کے قریب وہی تفسیر ہے جو جمہور کی ہے فاضلہ بعضہا پس مارو نم نفس مقتول کو بعض جزو سے
گائے کے فاحیاء اللہ فاضلہ بقائمہ حذوف کرنا پڑے گا کہ اللہ نے زندہ کیا اُس مقتول کو اُس نے اپنے قاتل کی
خبر دی ایسا ہی اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اس جملہ کو اپنے معنی پر رکھا گیا ہے لیکن اقرب ترین وہی ہے
جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے واللہ اعلم۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میت پر گوشت مارنیکا حکم نہیں ہوا بلکہ قبر پر میت کے گوشت مارا گیا جس سے وہ
زندہ ہو گیا یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ روح کو قوت بروز کی حاصل ہے اگر چاہے تو کسی کے جسم میں سما جاوے
اس امر کے اکثر اہل تحقیق قائل ہیں اس لئے اس جگہ خدا نے فرج بقر کا حکم دیا تاکہ بروز کا اندیشہ نہ جاتا ہے
کیونکہ مردہ کی روح کسی میں نہ سمائی جاتی ہے خصوصاً بطلان تناسخ کے اصول پر اسی وجہ سے اللہ نے حکم فرج

تَمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً
پھر سخت ہو گئے تمہارے دل بعد اس کے تو ہر گئے کھنسل پتھر کے بلکہ اس سے بھی زائد سخت

وَإِن مِّنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِن مِّنْهَا لَمَا يَشَّقُّ فَيَخْرُجُ
حالانکہ پتھر میں تو وہ بھی ہے جس سے دریا جاری ہوتے ہیں اور یقیناً اس سے وہ بھی نکل جو پھٹ جائے اور نکلے

مِنْهُ الْمَاءُ وَإِن مِّنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝
اس سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اُن میں سے وہ ہے جو خدا کے خوف سے گر پڑا ہے اور اللہ غافل نہیں ہر اس جو کرم کرنے پر

بقیہ صفحہ ۱۷۹ بقرہ کا دیانیز یہ امر بھی جان لینا چاہئے کہ عموماً نفس کو قرآن میں مومنٹ کہا ہے یہاں ضمیر نکر
پھیری ہے اس میں یہ فائدہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں مراد نفس سے مقتول ہے برخلاف دوسری جگہ کے کہ
وہاں نفس سے نفس مراد ہے۔

کَذَلِكَ يَحْيِي الْمَوْتَىٰ اِیسا ہی اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے یہ جگہ معترضہ ہے کہ جس طرح یہ قاتل اٹھا یا گیا اسی طرح
تم پھر زندہ ہو جاؤ گے یا جو حالت اس مقتول کی ہے وہی تمام مردوں کی ہے کہ اسکی حیات برزخی ہو وہ ہر یک کو لیتے
اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں مراد اس جگہ یا تو ہجرات انبیاء ربی اسرائیل کے ہیں یا اُن کے واقعات ہیں
یا جو آنحضرت کے وقت میں انھوں نے دیکھا آیات سے مراد مطلقاً دلائل ہیں یا مخصوص احیاء اموات وغیرہ
یا عجائب قدرت جو حضرت سے لیکے آنحضرت تک ظاہر ہوئے۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ کہ تم اُس کو سمجھ لو ظاہر ہے کہ آیات اس سے دکھائے جاتے ہیں کہ عقلاً اُن کو مشاہدہ کر کے
وجود صانع اور اسکی قدرت کو تسلیم کریں مثلاً اس قدرت کے دیکھنے کے بعد پھر کس کو حق ہے کہ وہ احیاء اموات
کا منکر ہو۔

اس آیت شریف میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یا تو حضرت موسیٰ کے وقت کا ہے یا بعد حضرت
موسیٰ کے تو اگر حضرت موسیٰ کے وقت کی حالت ہے تو ظاہر ہے۔ تم یہاں بعد مانے کے لئے نہیں بلکہ عقلاً عادی ہے کہ
باوجود ایسے ایسے آیات قدرت کے دیکھنے کے پھر تمہارے دل سخت ہو گئے حالانکہ یہ امر مستبعد ہے کہ ایسے اموات
کے ظاہر ہونیکے بعد دل سخت ہو جاوے اس صورت میں یہ اشارہ ہے اُس حالت کی جانب جبکہ قاتل نے
باوجود مقتول کے زندہ ہو کے بتانے کے قتل سے انکار کیا ارشاد ہوتا ہے یہ احیاء میت کے بعد پھر حیات
مشکل تھی اور عادت کے خلاف تھی مگر ایسا ہوا کہ جب قاتلون کو معلوم ہوا کہ میت نے خود اُن کے قتل کی گواہی
خبر دی تو انھوں نے کہا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے ہم نے اس کو قتل نہیں کیا گو اس انکار کا کوئی ثمرہ نہیں تھا
اور وہ قاتل ٹھہرائے گئے اور درانت سے محروم کر دیے گئے اگر تم بعد زمانی اور فراخی وقتی کے اوپر ولایت

کرتا ہے تو اس آیت میں بیان اُس وقت کا ہے کہ جب نبی اسرائیل نے تورات کی اتباع بالکل چھوڑ دی اور فسق و فجور اور قتل انبیاء بلکہ مشرک و کفر تک کرنے لگے یا اشارہ اُس شقاوت قلبی کی جانب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدوت میں ان سے ظہور پانا چاہئے تھا کہ انکو تمام علامات سے آگاہی تھی پہلے ربکا ایمان لاتے بجائے اسکے رب سے زائد یہی دشمنی کرنے لگے انکے دل اگر اپنی اصلی حالت پر ہوتے تو بعد انعامات کے اور ظہور مینات کے اور بعد وقوف علامات کے یہ ایمان لے آتے مگر انکے دل تو اصلی حالت سے خارج ہو گئے ان میں قنوت پیدا ہو گئی قنوت یس و صلابت کو کہتے ہیں انکے دل بالکل خشک اور سخت ہو گئے میں بعد ذلک کا اشارہ یا تو احیاء مقتول اور اُسکے قاتلون کے نشان بتا دینے کی طرف ہے یا دیگر واقعات ہیں جو نبی اسرائیل کو مختلف اوقات میں پیش آئے اور آیات و مینات انھوں نے مشاہدہ کئے یا وہ عود و موافق جو اتباع آنحضرت کے لیے کئے گئے تھے اور انکے ظہور کا وقت آگیا تھا تو بعد ان امور کے انکے دل بجائے متاثر ہونیکے غیر متاثر ہو گئے۔

فہی کالجہ اواشد قسوة پس وہ دل مثل پتھر کے ہو گئے بلکہ اُس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ اُن کے قبول تاثیر اور استفادہ کی صورتیں ہیں مگر انکے دل کی درستی کی صورت نہیں ہو۔ پتھر سے تو دیا نکلتے ہیں وہ پھٹ جاتا ہے تو سوتا جاری ہو جاتا ہے اس میں پہلی صورت سے دوسری صورت زیادہ عدم تاثیر پر دلالت کرتی ہے اس واسطے کہ پتھر سے دریا جب جاری ہوتا ہے جبکہ اُسکے اندر کوئی مادہ ہوتا ہے اور سوتا قنوت نکلتا ہے جبکہ مادہ خارجی کو وہ دفع کرنے لگتا ہے ظاہر ہے کہ جب باطن حجر میں مادہ دریا جاری ہو نہکا ہے تو اُسکے اجزاء میں اس قدر بعد نہیں جو بقدر باہری مادہ کی وجہ سے اگرچہ دوسری صورت میں جریان پانی کا سست ہوتا ہو اور پتھر پتھر کے رہ جائے لیکن قبول تاثیر اس صورت میں زیادہ مستبعد ہو نسبت ملکوت اولی کے یہاں اسی وجہ سے اس تدریج کیسا تھ تشبیہ دی گئی ہے کہ بعض پتھر میں اُسکی اندر کوئی استعداد سے پانی دریا کا دریا جاری ہوتا ہے اور بعض پتھر میں خارجی مادہ سے پتھر ٹڑا بہت پانی نکلتا ہے مگر انکے دل نہ خارج سے اثر قبول کرتے ہیں نہ داخل سے کسی قسم کے تاثر کا مادہ ہی نہیں رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ پتھر کی طبیعت بمحافظہ ہوئی اور صورت اور جنس کے اشکال قبول کرنے کے قابل ہے مگر صورت حجری قبول اشکال کو روکتی ہے لہذا ہے کہ وہ بھی ایسا ہی ہے مگر اُسکو کچھلا کے سب طرح سے تاثیر کر سکتے ہیں مگر پتھر اُسکو بھی قبول نہیں کرتا ہے تو دل یہود کے پتھر میں بلکہ اُس سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ تو کچھ نہ کچھ اثر قبول کرتے ہیں مگر ان سے اثر قبول کرنے میں بالکل ناکامی دی ہے کیونکہ انکے دل تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اس جگہ اواشد قسوة میں داؤ شک کے لئے نہیں ہے بلکہ بلکہ کے معنی میں ہے یا داؤ کے

معنی میں ہے یا ابھام اس میں بلحاظ مخلوق کے ہو اگرچہ بلحاظ خالق کے معلوم ہے کہ یہ سقندر زیادہ شدید
 وسخت دل ہیں اس جگہ اشد قہوہ کہا ہے حالانکہ اشد سے تفصیل کا صیغہ اُسی جگہ لایا جاتا ہے
 جہاں افضل کا صیغہ نہ ہو حالانکہ یہاں قسمی مستقل ہے یہ محض اشد قہوہ لانے سے اظہار غایت درجہ سابعہ
 کا ہے کہ شدت در شدت ہے سختی پر سختی ہے اس سختی کے ہوتے ہوئے پتھر کے ایسے خفیف اثر کو قبول کرنا بھی
 ناممکن ہے نہ ان سے پانی کے دریا جاری ہوتے ہیں کہ یہ بڑے ظرف کی بات ہے نہ یہ مانند پتھر کے پسینے
 ہیں فورہ نرم ہو نا بھی دشوار ہے پتھر میں تو بعض پتھر ایسا بھی ہے کہ خدا کے خون سے ہلندی سے پیچھے
 گر پڑتا ہے جن لوگوں نے جس وادراک کو ہر پتھر کے مشاہدہ کیا ہے اور وان من شیء الا یتبع بحمدہ
 کوئی چیز وہ نہیں جو اللہ کی تسبیح اُس کی حمد کے ساتھ نہیں کرتی ہے وہ کہتے ہیں کوئی پتھر ایسا نہیں ہے
 جو گرے اور خدا کے خوف سے نہ گرے بلکہ جو گرے اس سے کہتا ہے وہ خون و خشیت الہی سے کہتا ہے یہ قول مجاہد کا ہے۔
 بعض لوگ کہتے ہیں کہ علاوہ اس عموم تسبیح کے بعض پتھر کو خدا وادراک خاص اور خشیت مخصوص
 عطا فرماتا ہے تو وہ خوف الہی سے گر پڑتا ہے لوانزلناھذا القرآن علی جبل لوائتہ خاشعا متصدعا
 من خشیت اللہ سے بھی ایسا ہی مراد ہے جیسے جبل طور پر تجلی ہوئی وہ ریزہ ریزہ ہو گیا حضرت
 صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اُس پتھر کو بچاؤں جو قبل نبوت کے جب جبل حرا جاتا تھا تو وہ
 مجھ پر سلام کرتا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ مہبوط حجر چونکہ موجب خشیت و مہبت کا ہوتا ہے اس واسطے خشیت کی اضافت
 پتھر کی طرف کی گئی ورنہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو بعض پتھروں سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ان کے گرنے سے
 خوف پیدا ہوتا ہے یا یہ محض تشبیل دل کی ہے اول میں بھی پتھر سے دل مراد لیا ہے دوسرے میں بھی کہ
 دال ان کے صلاحیت رکھتے تھے کہ وہ اثر قبول کرتے جس طرح مادہ اجسام مگر صورت جبری نے ان کی تاثیر
 قبول کرنے میں رکاوٹ پیدا کر دی ہے اسی طرح ان کی شقاوت قلبی سے رکاوٹ پیدا ہو گئی ہو حالانکہ
 جو دل شقی و قاسمی نہیں ہیں وہ روتے ہیں پسینے پسینے ہو جاتے ہیں خدا کے خوف سے گر گر پڑتے ہیں
 بعض نے کہا ہے کہ مراد مہبوط سے انقیاد ہے کہ پتھر تو منقاد ہوتا ہے مگر ان کے دل منقاد بھی نہیں ہوتے
 ہیں ان کے دل پتھر کے ہیں اور ایمان داروں کے دل چاہے کیسے ہی سخت ہوں مگر بغیر اثر قبول کے ہوتے
 نہیں رہتے اعلیٰ ترین دل مسلمانوں کے میں جنگی حالت یہ ہے کہ تا بامتناہا متنافی تھنہ منہ جلود اللہ
 یخشون تھم اس جگہ اختلاف ہے کہ اوپر بھی گدرا ہے کہ مخاطب اس آیت کے یا تو نبی اسرائیل اگلے تھے
 یا وہی کہ جو آنحضرت کے زمانہ میں تھے پھر یہ لوگ مخاطب یا تو مجاورہ عرب کے طریقہ پر ہوئے کہ ان کے سلاطین

أَقْطَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا الْكُفْرَ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَمْعُونَ كَلَامَ
 کیا نگو طمع ہے کہ وہ ایمان لاؤ گئے تھارے واسطے حالانکہ ایک گروہ انہیں کا کلام اللہ سن چکا ہے
 اللَّهُ ثُمَّ يَخْرُفُونَ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ
 پھر اسے اُسکو بچھڑا بعد اسے کہ وہ سمجھ چکا تھا اور وہ اپنی اس شکر کی خوب جانتا تھا

بقیہ صفحہ ۸۲ افعال سے وہ مخاطب کئے گئے یا انہیں مخاطبین کا حال ذکر کیا گیا بظاہر مخاطبین موجود ہیں
 زمانہ نزول وحی مراد ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

استفہام اس جگہ یا تو توحیحی ہے یا اس امر کے بعید ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے سخت دل لوگوں
 کے ایمان کی توقع کی جاوے۔ اور یہ جملہ ہے یا تو اسکا عطف ثم قسمت قلوبکم پر ہے یا مبطون ایک جملہ پر ہے
 جو محذوف ہے اور درمیان ہمزہ استفہام اور فار کے اُس کو مجوز کرتے ہیں یعنی اتحبون ان قلوبکم
 صالحة للایمان فقطعوا ایمانہم کیا گمان کرتے ہو کہ اُن کے دلوں میں ایمان کی صلاحیت ہے جو اُن کے
 ایمان کی طمع کرتے ہو۔

طمع کہتے ہیں کسی شے کے حاصل کو جی بے اختیار چاہے اور بہت چاہے آرزو سے زیادہ ظاہر ہے کہ یہ
 امر رغبت قوی کے باعث ہوتا ہے اس کے مخاطب یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں خاص کر کے اور
 اس وقت جمع محض تعظیم کے لئے ہے یا مخاطب مخصوص جماعت انصار کی ہے یا تمام ایماندار ہیں یا آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام ایماندار ہیں۔ ان یؤمنوا لکم یا تو مراد اس جگہ ایمان سے معنی لغوی ہیں اور وہ تصدیق
 کے ہیں اور اس جگہ لام تعدیہ کا تضمین کے لئے ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ان یصدقوا مستحبین لکم معنی
 تصدیق کریں گے اور درحالیکہ وہ تمہاری دعوت قبول کر نیوالے ہیں یا مراد یہاں ایمان شرعی ہے تو لام
 کے معنی جہل کے ہیں یعنی ایمان لاؤ گئے تمہاری غرض سے اور مراد دونوں صورتوں میں ضمیر غائب سے
 وہ یہود ہیں جنکے ایمان کی طمع کی جاسکتی ہے خواہ وہ آنحضرت کے زمانہ میں ہوں یا بعد آنحضرت کے ہوں
 یا مراد اس سے جنس یہود ہو کسی وقت ہو۔ وقد کان فریق منہم یعنی درحالیکہ ایک گروہ ان میں کا مراد
 اس سے اسلاف یہود ہیں اور وہ احیاء ہیں ہمیں کلام اللہ مراد کلام اللہ سے تورات ہے جو ان پر نازل ہوئی
 تھی اور انکو اس کی اتباع کا حکم تھا۔ ثم یخوفونہم اُس کی تحریف کی یعنی اُس کے معنی تبدیل کر دئے جیسا کہ
 ابن عباس کی تفسیر ہے یا اُس کے الفاظ کو انھوں نے بدل دیا ہے جیسا کہ جمہور کی رائے ہے کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف کو انھوں نے بدل ڈالا تھا تورات میں تھا کہ جو انیولا لاہ وہ ابیض ربیہ
 گو رامیانہ قد ہے پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اور مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اور
 آنحضرت کی اجارہ یہود نے صورت دیکھی ان کو اندیشہ ہوا کہ حضرت کا حلیہ دیکھ کے لوگ شناخت کر سینگے

انھوں نے بجائے ابیض ربعہ کے اسمر طویل کر دیا جس کے منہ گندم گون لمبے کے ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ غلطی ترجمہ کی ہو یا اُن کی شراوت ہمدی طرح آیت رجم کو بدل دیا تھا اور اُس کا حکم قائم نہیں رکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں مراد کلام اللہ سے وہ ہے جو انھوں نے طور پر سُنا تھا اور تحریف اُس میں کی کہ اُس میں تھا کہ ادا کر کو جہان تک قدرت ہو بجالاؤ اور نواہی کا الزام نہ کرو انھوں نے اس کے بعد اگرچہ ہونکا بڑھا دیا کہ جی چاہے تو نہ کرو حالانکہ اس صورت میں جملہ مہل ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ کلام اللہ سے وہ مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہو ورنہ اس کو سنا اور اُس کی ایسی تاویلین کیں جسے احکام خلط ملط کر دئے والہ انداز علم۔

حاصل یہ ہے کہ اگر تحریف سے مراد زمانہ موسوی کی تحریف ہے تو ظاہر ہے کہ نعت حضرت مراد نہ ہوگی بلکہ تاویل احکام میں ہوگی اور اگر تحریف آنحضرت کے وقت ہوگی تو ظاہر ہے کہ تحریف الفاظ میں ہوگی خصوصاً نعت میں تغیر کر دینا ہوگا مین بعد معلقہ بعد اس کے کہ اُس کلام آئی کو انھوں نے سمجھ لیا یعنی ضبط کر لیا اور اُس کی صحت میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہا۔ اس جگہ مصدقہ ہے ضمیر راجع کلام کی طرف ہے بعض ماکو موصولہ کہتے ہیں اور ضمیر کو اُس کی طرف عائد کہتے ہیں۔

وَهُمْ يَقْتُلُونَ اور وہ جانتے تھے اسکا متعلق مخدوف ہے کس چیز کو جانتے تھے مراد اس جگہ یہ ہے کہ وہ اپنے کو خوب جانتے تھے وہ جھوٹے ہیں اور باطل پر ہیں یا یہ خوب جانتے تھے کہ تحریف کرنے میں کتنا عذاب ہوگا۔ اس آیت میں ایک شناعة کا یہود کے ذکر کیا گیا ہے اور جس کی بنا پر اُن کی سنگدلی کا ثبوت لیا گیا ہے اور اُن سے ایمان لانے کی طمع رکھنے پر انکار کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شناعة اور عیب کے بعد پھر انسان کا دل اس قابل نہیں رہتا ہے کہ حق بات کو مانے یہ شناعة تحریف کلام اللہ ہے اور یہ تحریف خواہ لفظی ہو یا معنوی ہو دونوں ایک ہی حکم رکھتی ہیں اس واسطے کہ ترواد رس گشتی کی حقیقت نہیں بتی جو جب اتنی جرأت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے آیات اللہ کے برسنے کی جرأت اور اُس کے معانی متغیر کر دینے کی ہمت اُسی شخص کو ہوتی ہے جو نہایت بے باک و بے خوف ہوتا ہے اس جگہ تحریف کرنے والے اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود ہوں تو اُن کے ایمان لانیکی طمع نہ رکھنا ظاہر ہے کہ وہ اس شناعة کے متکلب ہیں مگر اُن کے اسلام کی اس فعل شنیع کے سرزد ہونے سے اُن کے ایمان لانیکی طمع نہ رکھنا کس وجہ سے ہے اسکا سبب یہ ہے کہ اسلام میں احبار و اشراف اس فعل کے متکلب تھے تو جس قوم کے اکابر کے یہ اوصاف تھے تو اُن کے اصاغر سے تو ان براہیوں سے بڑھ کر براہیوں کی توقع اور ان سے انگوٹوں سے زیادہ قبول حق سے ایسی ہونا چاہئے اس جگہ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جب حضرت موسیٰ نے انکو نجات دلائی اُن کے کہنے پر انھوں نے عمل نہ کیا تو دوسرے

وَاِذْ يَقُولُ النَّبِيُّ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بِعَضُوْمٍ اِلَىٰ بَعْضٍ
اور جب وہ ایماندار گن سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب الہم ملتے ہیں

قَالُوْا اٰمَنَّا ۚ تَوَسَّوْا مِمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِيَمَّا جُؤْكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ اَفَلَا
تفہم ہیں کہ کیا ہم جیسے ہوں مسلمانوں کو ان باتوں کی جگہ اللہ نے تم پر ظاہر کیا ہو تاکہ وہ اُسی کو دلیل یزید بن مہاسے پر درکار کے پاس کیلئے

تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوْ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسْرُوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝
سمجھتے نہیں ہو کیا ان کو علم اس ہے کہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں

بقیہ صفحہ ۱۸۴ شخص کے کہنے پر کیا عمل کرینگے اسے کسی طرح توقع نہیں ہو سکتی ہے یہود جو کچھ ایمان لائے وہ
محض عبد اللہ بن سلام کی وجہ سے۔

عُثْبَنُ نَزَلَ اس کا یہ ہے کہ بعض غیر معاند واقعات اپنے دین کے اور بشارت ذکر کر دیتے تھے بعض کہتے
ہیں کہ نبی قرظہ انظار محبت کرتے تھے دل میں عداوت رکھتے تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی یہ جملہ منافق ہیں
اور اس وجہ سے لایا گیا ہے کہ ان کے حرکات و جرائم کا انظار کیا جائے یا عطف و قد کان فریق کے جملہ پرہیزگار
پرہیز بعض کہتے ہیں واذ قلتم پر عطف ہے ضمیر یا تو یہود کی طرف ہے یا جماعت مخالفین کی طرف ہے خواہ
یہود ہوں یا منافق جو باہم ملتے ہیں ان کی طرف ہے اور خلا کے معنی انفراد کے ہیں کہ جب تنہا ہوتے ہیں تو بعض
جنہوں نے کہا آسان حالانکہ وہ منافق ہیں اور بعض جو سادہ آپس میں ملتے ہیں تو گفتگو کرتے ہیں اس
میں ان سادہوں کی انتہائی کمزوری کا بیان ہے جو وقت پر توجہ نہیں دیتے اور جب وقت نکل جاتا ہے
اور پھر گفتگو کرنے والوں کو الزام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے کیوں ایسی باتیں کہیں جنکو اللہ نے تم پر
ظاہر کیا تھا اور تمہارے لئے بیان کیا تھا حالانکہ وہ اس قابل نہیں کہ مسلمانوں سے کبھی جاوین اور ان کو
بتائی جاوین ان سے تو وہ پوشیدہ رکھی گئیں تھیں ان کے بتانے سے یہود کا نقصان ہے اور وہ نقصان
یہ ہے کہ وہ اپنی تائید میں ان باتوں کو پیش کر سکتے ہیں وہ باتیں وہی تھیں جنکا اوپر ذکر ہو چکا ہے و صفت نبی
صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ عہد جو انبیاء نے حضرت کی اتباع کے بارہ میں لئے تھے کہ جب حضرت تشریف لائیں گے
تو تم میرا چنان لانا اور انکی بدکرداری انہوں نے قبول کیا تھا۔

عِنْدَ رَبِّكُمْ سے مراد یا حکم الہی ہے یا کتاب اللہ ہے بعض روایات کو مراد دیتے ہیں حاصل یہ ہے
کہ تمہاری پوشیدہ بات بتانے سے تم پر حجت لا دی گئی اللہ کے حکم یا اس کی کتاب کی تائید میں یا روز
حشر میں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَتْلُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَتْلُوتُ
اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں وہ تورات کو نہیں جانتے ہیں بجز اس کے کہ ان کو تمنا ہیں اور گمان کرتے ہیں
قَوْلَ الَّذِينَ يَكْتُوبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ
تو انہیں ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے تورات لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہے
اللَّهُ لِيَسْتَرْوَاهُ ثَمَّ نَقَلْنَاهُ أَفَوَلَا يَكْتُوبُونَ لَهُمْ فَمَا يَكْسِبُونَ
تاکہ اُس کے عوض تھوڑا بادل یوں ہر انہیں ہے ان کے لیے جو کچھ ان کے ہاتھ لکھتے ہیں اور اُس پر انہیں ہر جو وہ لکاتے ہیں

اس آیت سے بھی فضایح اور فبایح یہود کے بیان کرنا مقصود ہے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ بھی یا تو جملہ متالفہ بعض یہود کے قبایح بیان کر نیکی لیے چلا لایا گیا یا عطف ہے قدکان پر امیون جمع
اُمی کی ہے جسکے معنی ان پڑھ کے ہیں اُم کی طرف یا تو منسوب ہو یعنی جیسے مان نے جنا ویسا ہی ہے یا اشارہ ہے
کہ تعلیم مان کم کرتی ہے یا ماخوذ اُمت سے ہے جسکے معنی خلقت یا جماعت کے ہیں عرب عموماً اور آنحضرت
بالخصوص اُمی کہلاتے ہیں یا اُم القری کی طرف منسوب ہیں کبھی ہر اُس گروہ کو امیون کہتے ہیں جو کسی
شریعت کا پابند نہ ہو یا جاہل نبی اسرائیل مراد ہیں۔ اس آیت میں الکتاب جو مذکور ہے اس سے بھی مراد
تورات ہے اس پر سیاق و سباق دلالت کرتے ہیں۔ امانی کی اصل امنونہ ہے مراد اُس سے وہ آئندہ ہے
جو انسان دل ہی میں رکھے کبھی گڑھی ہوئی بات کو اور کذب کو بھی کہتے ہیں کبھی جس شے کی تمنا کی جائے
اُس کو کہتے ہیں اور کبھی قرأت کو امانی کہتے ہیں حسان بن ثابت نے حضرت عثمان کے واقعہ میں کہا ہے۔
تمنی کتاب اللہ ادا لیلۃ و آخرہ لاتی حام المقابر یعنی تمنی یعنی قرا پڑھتے ہے کتاب اللہ کو ابتدا و انت
میں اور آخر میں رات کے جاگنے مقابر کی موت سے حضرت ابن عباس یہاں امانی سے کا ذیب مراد لیتے ہیں
یہاں بعض محض قرأت بغیر معنی سمجھے ہوئے کو مراد لیتے ہیں جیسا کہ قرأت کے معنی میں یہ لفظ آتا ہے بعض امید
و آرزو کو مراد لیتے ہیں اُن کو توقع تھی کہ وہ بخشدائے جاوید اُن کو خدا عذاب کو لگا اُن پر خواہ مخواہ رحم
کر لگا اس واسطے کہ وہ انبیائے کرام کی اولاد میں بعض کہتے ہیں کہ مراد امانی سے وہ عہود میں جو احبار نے اپنے
دل سے بنائے تھے مثلاً کہتے تھے کہ جنت میں سوائے یہود کے کوئی اور نہ جاوید گناہیظنون یعنی گمان کرتے ہیں
اس میں اشارہ اس جانب ہے کہ یہ جو باتیں ہیں ان میں سے کوئی بھی حد علم تک نہیں پہنچی ہے اس جگہ
یہ امر ثابت ہوا کہ ایمان تقلیدی معتبر نہیں ہے بلکہ تحقیق کرنا اور یقین حاصل کرنا لازم ہے برخلاف امور غیر قطعیہ
کے کہ اُن میں تقلید روا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ہر ظنی امر میں تحقیق وقت کی عمل سے تابع ہوگی اور نظام عالم
درہم و رہم ہو جائیگا اور تمام کاروبار معطل ہو جائیگا واللہ اعلم۔

ویل مثل مع کے افسوس کا کلمہ ہے مقصود اس سے حسرت اور فحیوت ہے ایک حدیث میں ہے کہ ویل ایک وادی ہے جہنم میں کہ کافراؤں میں جھوکا جاویگا تو وہ اُس کے قعر تک چالیں برس میں بھی نہ پہنچے گا اید عسرا سوچہ سے ارشاد کیا ہے کہ شائبہ بھی مجاز کا باقی نہ رہے یقینی طور پر انہیں کا فعل سمجھا جائے۔
 فائدہ۔ کتابت ربک پہلے حضرت آدم نے کی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت ادریس نے ممکن ہے کہ حروف سے ربک پہلے کتابت حضرت آدم نے کی ہو اور خطوط و دواڑ سے ربک پہلے حضرت ادریس نے کی ہو یہ ہمنا سواسطے کہا ہے کہ حضرت ادریس کا ایک بجزوہ ہے اسطراب جملہ کو انھوں نے تفسیر کیا ہے حضرت ادریس کو لوگ ہر س بھی کہتے ہیں واللہ اعلم۔

مرومی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت یہود نے بدل دی تھی جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔
 فائدہ۔ اس جگہ میں مقام پر لفظ ویل آیا ہے بعض لوگوں نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہود سے تین بڑی خطائیں ہوئی تھیں اولاً انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بدل ڈالے تھے ثانیاً اللہ پر افترا کیا تھا ثلثاً رشوت لیتے تھے کبھی احکام جاری کرنے میں رشوت لے لیتے تھے کبھی احکام تبدیل کرنے میں رشوت لے لیتے لہذا یہ کلمہ تین بار آیا یا تین خطاؤں پر تین مرتبہ افسوس کیا گیا۔

شان نزول میں اس آیت کے کہا جاتا ہے کہ یہ احبار یہود کی شان میں نازل ہوئی ہے اُن کو خوف تھا کہ اگر انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت پہنچنے دینگے تو سب حضرت کی پیروی کرینگے ان کی جو ریاست اور سرداری ہے وہ جاتی رہیگی بعض کا خیال ہے کہ ملک نبی اسرائیل کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اُنکو یقین تھا کہ اگر حضرت کی رسالت کا وہ یا اُن کی رعایا اقرار کرینگے تو پھر اُن کی حکومت کا برقرار رہنا مشکل ہو جاویگا۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ یہ آیت ایسے گروہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے کسی آسمانی کتاب پر اعتماد نہیں کیا بلکہ خود دل سے گڑھ کے کتاب بنائی اور کہنے لگے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ جو چاہا اُس کتاب میں احکام لکھے جس نے کو چاہا حلال لکھا جسکو جاہرام لکھا۔

بعض کہتے ہیں یہ آیت عبد اللہ بن مسیح کی شان میں نازل ہوئی ہے یہ کتاب وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا مگر ہو گیا اور اُس نے کلام میں اپنی طرف سے آیات لکھ دئے مگر قول صحیح یہی ہے کہ یہ احبار یہود کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے قرآن شریف کی کتابت پر نفیٹ لینے کو منع کر دیا ہو بلکہ قرآن شریف کی مع کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ بعض صحابہ میں جو ایسی ہی رائے رکھتے ہیں حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود سے کراہت مروی ہے فتح تشرین ایک صندوق غنیمت سے فروخت ہونے لگا۔ اُس میں

وَقَالُوا لَنْ نَمْسَكَ النَّارَ إِلَّا نَارًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتُخَذُونَ عِندَ اللَّهِ عَمَلًا إِذْ أَنْتُمْ تُخْلِفُونَ اللَّهَ وَلَهُ عَهْدٌ أَنْتُمْ قُلُوبُكُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اور وہ لوگ کہتے ہیں ہمارا نہ چھوٹے گی مگر گنتی کے چند دن کمدان سے کیا تم اللہ سے کوئی عہد لیا ہے

اللہ عہد اقلدین یخلف اللہ عہدہ کہ تم قہوون علی اللہ ما لا تعلمون

جودہ اپنے عہد کے خلاف کرے گا یہ ہے کہ تم نے خدا پرانہ لیا ہے جس کو ستر نہیں جانتے ہو

بقرہ ص ۱۸۴ تورات یا زبور یا انجیل تھیں کیا کافر نے اُس کو خریدنا چاہا یا حضرت ابوموسیٰ اشعری کے حکم سے وہ کتاب اُسکو مفت دی گئی اور صندوق فروخت کیا گیا اس سے تناوہ سند لاتے ہیں سالم بن عبد اللہ بن عمر اسکو تجارت بہ کہتے ہیں حضرت ابراہیم نخعی وغیرہ فقہاء بھی کہتے ہیں قائل ہیں حضرت امام زین العابدین لوگوں سے تھوڑا کر کے مصحف لکھواتے تھے اُجرت دیکے نہیں لکھواتے تھے مگر حضرت ابن عباس اور محمد بن حنفیہ اباحت کے قائل ہیں اور حسن بصری اور مطرغی اپنے پہلے قول عدم جواز سے رجوع کیا اور جواز کے قائل ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد غور کے اباحت کا حکم قابل قبول ہے واللہ اعلم۔

اُس آیت کا عطف یا تو اذ قلتم پر ہے یا یہ آیت حال ہے فریقِ نہم سے یا جملہ معترضہ ہے۔ مس کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز دوسری چیز کو چھو جائے اور اسکا احساس و ادراک بھی ہو اور لمس کے بھی یہی معنی ہیں لیکن کبھی لمس ایسی شے کی طلب کو بھی کہتے ہیں جو حاصل نہ ہو بلکہ پائی نہ جاوے اور مراد اس جگہ نارسے آخرِ نہم ہے اور معدودہ گناہ یہ ہے قلیلہ سے یعنی تھوڑی گنتی کے دن آگ میں یہود رہینگے کہتے تھے کہ وہ مدت گوسالہ پرستی کی تھی تین دن یا سات دن یا دس دن یا چالیس دن بعض کہتے ہیں کہ سات دن رہینگے عام اس سے کہ وہ دن یہاں کے دن کا ایسا ہو گا یا ایک ہزار برس کے برابر ہو گا۔ ابن عباس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اسرائیل کہتے تھے کہ تورات میں ہو کہ جہنم کے دو دن کنا سے کے درمیان چالیس ہزار برس کی مسافت ہے وہ ہر روز ایک ہزار برس کی مسافت طے کرینگے اور آخرین شجرہ زقوم کے قریب چالیسویں دن پہنچ جاوینگے اسوقت انکو بجات ملجاوگی یہ آیت اسوقت نازل ہوئی جب حضرت مدینہ تشریف لائے اور یہود کہتے سنا کہ تم جنت میں جاوینگے اور چند روز رہینگے اسکے بارہ میں ارشاد ہوا کہ کیا اسپر کھلا اللہ نے عہد کر لیا ہو کہ وہ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا یا اللہ پر باتیں بنالی ہیں بے علمی سے عہد سے مراد یا تو خبر ہو دخولِ جنت کی اور عدمِ تغلیذِ عذاب یا وعدہ ہو اگر خبر مراد لیجائے تو بعض کا خیال ہو کہ خلف و عید وعدہ و دولون محال ہیں اور مذہب حق یہ ہے کہ خلف و عید کرم ہو اور عہد مراد یہاں وعدہ ہو جبکہ خلاف کرنا محال ہو اللہ ہرگز خلاف وعدہ نہیں کرے گا اس آیت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہو حضرت ابن عباس اس جگہ عہد سے مراد قول لا الہ الا اللہ لیتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ متاعِ جنس ہے۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَاطِبَةُهَا وَلِيَتَكَلَّمَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلِلَّهِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
 ناری ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہی جنت والوں میں ہمیشہ رہیں گے

بلی سے نفی مقدم کا اثبات ہوتا ہے اور کسب جلب منفعت کو کہتے ہیں اور سیئہ سے یہاں ملو
 کفر ہے اور خطیئہ سے وہ گناہ جو بدو ن مغفرت کے بہنم میں جانے کا باعث ہو اور اصحاب زمانہ دراز تک ہمراہ
 رہنے والوں کو بولا جاتا ہے اور مردِ مخلوق سے مکث دائمی ہو یہ ایک دلیل کے طور پر ذکر کی گئی کہا گیا ہے کہ
 ایسا نہیں ہے جیسا کہ یہود کہتے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی کافر گنہگار ایسا نہیں ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہے
 چاہے وہ یہود ہوں یا کوئی اور جو جب اس حکم کو ظاہر کر چکا تو موافق طریقہ ترمیم و ترغیب کے ایمانداروں کی
 حالت بھی ذکر کر دی تاکہ معلوم ہو جائے کہ جنت ایمانداروں اور نیکوں کے لئے ہے کوئی ہو کسی قوم کا ہو۔
 اس جگہ یہ امر سمجھ لینا چاہیے کہ اہل سنت کے نزدیک کوئی شخص سوائے مشرکین، مجنوں، کفار، کھنڈہ
 ہے کہ وہ جنتی ہے یا وہ اتنی مدت جہنم میں جلیگا اسی طرح یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ چایان لایا اور اُس نے
 عمل صالح کیا وہ جنتی ہے جس نے کفر کیا وہ جنتی ہے قرآن شریف میں مسلم عاصی کے دوزخ میں جانکی تصریح
 نہیں ہے حدیث میں اُسکے جنت میں جانیک تصریح ہے اس واسطے اُس کو ہم کہتے ہیں کہ مخلد فی النار نہ ہوگا
 چاہے دخول نار پہلے ہو پھر جنت میں جائے۔

ایک جانب معتزلہ و خوارج کا مذہب ہے کہ وہ کسی مرتکب کبیرہ کو بغیر توبہ کے جنت میں داخل ہونے کے
 قائل نہیں دوسری جانب اباحیہ کا مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ایمان کے بدو ن حالت کفر کی کوئی عبادت
 مقبولہ نہیں ہے اسی طرح حالت ایمان میں بدو ن کفر کے کوئی معصیت ایسی نہیں ہے جس پر عذاب کیا جاوے
 معتزلہ ان آیات سے اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جو مرتکب کبار کے لئے وارد ہوئی ہیں جسے معلوم ہوتا
 ہے مثلاً قاتل ایماندار کا اگرچہ مومن ہو ہمیشہ جہنم میں جاوے گا اور اباحیہ ان آیات اور احادیث سے استدلال
 کرتے ہیں جسے دخول فی النار مخصوص کفار کے لئے ثابت ہوتا ہے اور ایک حدیث مشہور ہے رَضِیَ اللہُ عَنْہُ
 جو وقت کسی بندہ کو خدا دوست رکھتا ہے تو پھر اُس کو اُسکے گناہ ضرر نہیں کرتے ظاہر ہے کہ گناہ کا ضرر یہ ہی ہے
 کہ آخرت میں معذوب ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ امت مسلمہ کو اللہ و رسولہ و خولہ و تحاراد و ست اللہ اور اُس کا
 رسول ہے دلالت کرتی ہے کہ اللہ ہم ایماندار کو دوست رکھتا ہے لہذا ہر ایماندار ایسا ہے جسکو اُس کے گناہ ضرر
 نہیں پہنچا سکتے ہیں اباحیہ کا قول یہود و نصاریٰ دونوں سے بڑھ گیا وہ تو ایک مدت جہنم میں جانے اور منضوب

و ملعون رہنے کے قائل ہیں یہ مصیبت کی سزا ہی کے سرے سے ننگ ہیں انکی تردید تمام تفصیلات شرعیہ کرتی ہیں جس طرح
مقتلہ و خوراج کی دوسری تفصیلات تردید کرتی ہیں اس واسطے اہل سنت نے تمام دلائل کو غور کر کے بعد وہ رائے
قائم کی کہ جو ادھر پہنچنے ذکر کی ہے کہ جو ایمان پر مبرا اور عمل صالح اُس نے کیا تو وہ جنتی ہے مگر بالیقین کسی کو نہیں
معلوم کہ وہ اس معنی کا مصداق ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو کفر پر مبرے وہ بالیقین جہنم میں ہمیشہ رہیں گے پہلا اگر وہ
جنتی ہے اور دوسرا جہنمی تیسرا وہ گروہ ہے جو ایمان لایا اسی پر مبرا مگر اُس کے گناہ بھی بہت ہیں اور مرکب
کبیرہ کا ہے اور اُس نے توبہ بھی نہیں کی ہے اس واسطے کہ اگر وہ توبہ کر لیتا تو اُس کا گناہ گناہ ہی نہ رہتا اس گروہ کی بابت
کوئی نص نہیں ہے کہ بالیقین اس کا نتیجہ کیا ہے یہ کہنا عذاب پاویگا اور کب اُس کو نجات ملیگی مگر یہ یقینی ہے کہ بعد
اعمال کی سزا یا نیکے اُس کو عوض ایمان کے دخول جنت کا موقع ملے گا ساتھ ہی اسکی بھی توقع ہے کہ اُس کو شفاعت
نصیب ہو یا خدا محض رحمت سے بخش دے اس واسطے کہ ایسے شخص کے لئے امید مغفرت کی تفصیلات اور شفاعت کے
وارد ہوئے ہیں مگر غلڈ فی النار ہونیکے کوئی نص صریحی نہیں ہے بلکہ اسکے خلاف ہے اس واسطے جو تفصیلات بظاہر
اسکے غلڈ فی النار ہونے کے اور پر دلالت کرتے ہیں اُن کی تاویل کرنی ضروری ہو جاتی ہے ان میں سے اگرچہ
فرقہ اولی قطعی جنتی ہے مگر بالیقین کسی کو امن عذاب سے نہیں ہو سکتا ہے بالخصوص اشعریہ کے نزدیک
کیونکہ اُنکے قول کے موافق تو اللہ اُن کو بھی عذاب کرے تو کر سکتا ہے مگر یہ اگرچہ قدرت میں خدا کے سمجھتے
ہیں مگر خلفت و عید مذموم ہے اس واسطے اُسکے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وصف مذموم ہے جس سے خدا بری
ہے اس جگہ ایک جماعت ہے جو بالیقین جنتی ہے جبکی نجات و دخول جنت پر مخصوص اُسکے لئے خبر صادق نے
بشارت دیدی ہے وہ جماعت عشرہ مبشرہ کی ہے یعنی حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت
ذہیر بن العوام حضرت طلحہ بن عبید اللہ حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت ابو عبیدہ بن الجراح حضرت سعد
ابی قاسم حضرت سعید بن بدیر رضی اللہ عنہ کہ اُنکے لئے انحضرت نے ایک ہی نص میں جنتی ہونا ثابت کیا ہے علاوہ
اُس نص کے ان حضرات کے فضائل اور بھی تفصیلات سے ثابت ہوتے ہیں ایسے ہی حضرت خدیجہ حضرت عائشہ
حضرت فاطمہ اور دیگر ازواج اور حضرت امام حسن حضرت امام حسین حضرت حمزہ حضرت جعفر طیار وغیرہم میں
جنکے دخول جنت پر تفصیلات موجود ہیں حضرت بلال کے لئے ارشاد ہوا کہ اُنکے جوئے کی چرچا ہرٹ میں نے جنت
میں سُنی یا کسی سے کہا کہ تم مومنین کم کر ڈاؤر جنت میں مجھے ملو باوجود اسکے چونکہ ایمان پر مبرا یقینی اُنکو خود نہیں بتا
ہے اس واسطے یہ ممبرین بالجنت بھی خائف ہیں اگرچہ دوسروں کو اُن کے قطعی جنتی ہونے پر ایمان لانا لازمی ہے
یہ حالت یہود کی حالت کے بالکل برعکس ہے اُن عشرہ مبشرہ میں سے کوئی تو کہتا ہے کہ کاش میں کبھی ہوتا
کہ لوگ ذبح کرتے اور کھا جاتے حساب کتاب کا موقع نہ آتا کوئی کہتا ہے کہ کاش میں کھا نہ ہوتا اور سوکھ جاتا

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِأَلْوَدِينِ إِحْسَانًا
 ادا کرو جبکہ ہننے بنی اسرائیل سے قول قرار لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ان باپ کیساتھ کچھ نہ ہو۔
 وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
 اور قربت والوں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ اور لوگوں کے لیے کہیں اچھی بات اور تمہیک ادا کریں نماز
 وَأَتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْضُونٌ
 اور زکوٰۃ دین پھر تم پھر گئے بجز چند کے تمہیں سے اور تم پھر جا لے والے ہو۔

اوپر بعض مناسب باتوں کو ذکر کرنے کے بعد پھر یہود کے دیگر قبائل کی بیان کرنیکی غرض سے ارشاد ہوا کہ یاد کرو
 اسکا عطف اوپر ہی کی آیت پر جس میں قبائل ذکر کئے گئے ہیں اس میں جو کچھ حرکات مذکور ہیں ان سے معلوم
 ہوتا ہے کہ یہ قوم بڑی ہی سخت ہے اس سے کسی طرح توقع نہیں ہے کہ ایمان لائیں ان حرکات کیساتھ ان کا
 ایمان لانا بہت مستبعد ہو کیونکہ ان کے اسلاف کا اثر ان میں پورے طور پر موجود ہے اور احتمال رکھتا ہے کہ
 انواع نعمت پر محظون ہو کیونکہ ان امور کی تکلیف موجب ہوگی دخول جنت کو جس سے زیادہ اور نعمت کیا
 اور ظاہر ہے کہ جو ذریعہ نعمت ہو وہ بھی نعمت ہو آیت میں ماخذ الميثاق بنی اسرائیل جو اسوجہ مخاطب اس کی ہے یا تو انحضرت صلی اللہ علیہ
 علیہ وسلم ہیں اور مراد یہ ہے کہ ذکر کیجئے اے محمد جب بنی اسرائیل سے ہم نے اقرار لیا اذکوہا ہے اور مراد بن جگہ
 عامہ اہل کتاب ہیں یا صرف اہل اسلام ہیں اور مراد ميثاق سے یا تو وہ قول و اقرار ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام
 سے بنی اسرائیل نے پابندی کا کام کیا تھا یا جو کچھ تورات میں حکم دیا جا چکا ہے اور تورات کو انھوں نے
 قبول کر لیا تھا اسی طرح دیگر انبیاء کرام نے جو تفصیل و پندار ارشاد فرمائے مذکورہ آیت کے امور کا حکم دیا
 وہ بھی مراد ہو سکتا ہے ہض کہتے ہیں کہ مراد اس جگہ ميثاق سے وہ عہد ہے جو اصحاب آباء میں عالم زرہ میں ہوا ہو
 مگر یہ قول ضعیف ہے۔ لا تعبدون الا اللہ عبادت کرو کسی کی مگر اللہ ہی کی عبادت کرو اس جگہ فلما أخذ
 ہے یا قائلین یعنی ہم نے کہا یا ميثاق لیا اور حالیکہ ہم کہنے والے تھے کہ سوائے اللہ کے کسی کو موجود نہ بناؤ اس جگہ
 اخبار ہے مگر مقصود یہی ہے جو انشاء سے ہے جیسے لایضار کا تب ولا شہید میں صورۃ خبر ہے اور منی انشاء ہے
 اس صورت سے نہی کرنے میں مبالغہ ہے اور معنی کی تقویت ہے کیونکہ کنایہ ہے اور وہ الٹ ہے صریحت سے
 اس جگہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بجائے لا تعبدون کے لا تعبدوا بصیغہ نہی پڑھا ہے جس سے مطلب واضح
 ہو جاتا ہے اس جگہ عبادت کا خدا کے حکم دیا گیا ہے اور عبادت نہ کرنے کا غیر خدا کے حکم دیا گیا ہے یہود نے اگرچہ
 اللہ کی عبادت کی مگر شرک بھی کیا اس واسطے اس عہد کو ٹوڑ ڈالا خدا کی کہ ذات تو کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی
 ہے مگر اُس کے وجود ذاتی اور صفات ثبوتیہ و سلبیہ کے ساتھ معرفت ضروری ہے اُس کے بعد عبادت ہو سکتی ہے

عبادت انتہائی تعظیم ہے اور اُس کا مدار چار باتوں پر ہے ایک وفاء و عہد دوسرے حفاظت حد و تیسرے رضا بالوجود چوتھے صبر بالملفوظ ان امور کے لحاظ کرنے سے ہر عیب سے اجتناب اور طاعت پر عمل کی توفیق ہوتی ہے وہی عبادت ہے۔

وہ بالوالدین احسانا اور عہد لیا جتنے بنی اسرائیل سے کہ والدین کے ساتھ احسان کرین تقدیر کلام میں ہے کہ تحسنون بالوالدین احسانا یا احسنوا اور عطف اسکا لقبہ دن پر ہے اور والدین ثنید والد کا ہے کیونکہ والد مان باپ دو نون پر بولا جاتا ہے یا بقاعدہ تغلیب کے ہے جیسے قرین و نورین جبکہ والد کے معنی صرف باپ کے ہوں اس آیت سے براہ والدین کی تاکید معلوم ہوتی ہے کیونکہ خداوند عالم نے عبادت کے ساتھ اسکا عہد لیا خلیفہ اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے ساتھ نیکی کرنا حکم دیا ہے اسواسطیکہ جس طرح خدا مفضی وجود ہوا اسکا منظر والد و والدہ ہیں اسکی عبادت فرض ہے کیونکہ شکر منعم ہو اسطرح والدین کیساتھ احسان شکر منعم ہو وہ وجہ خدا کی عبادت کیساتھ یہ حکم کیا کہ کسی کی غرض سے ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ والدین کا حق کوئی اور نہیں کر سکتا ہر شخص کے لئے ہے کہ وہ والدین کو خریدے اور آزاد کر دے اسکی وجہ یہ ہے کہ والدین کے باعث ولد کی حیات و اختیار حاصل ہوا اسی طرح معق نے اُسکو حیات تازہ اور اختیار عطا کیا تو اس مکافات میں کچھ مناسبت ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر والدین کو خریدے تو اُس کو آزاد کرنا چاہیے مگر جہور کہتے ہیں کہ اگر کا جب والدین کا مالک ہو خواہ خریدے یا وراثت سے مالک حاصل ہو فوراً وہ آزاد ہو جائے ورنہ مالک ذی حسم محرم معق ہے اور اختیاری نہیں ہوا اس حدیث سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے والدین کا آزاد کرنا غیر اختیار سی ہے یہ حکم محال پر مطلق کیا گیا ہے لہذا مقصود اس سے یہ ہے کہ احسان کرنا کمال کے ساتھ ناممکن ہے جس طرح عبادت اللہ کی پورے طور پر ناممکن ہے اور معابد ناک حق عبادت مری ہوا ہے اسی طرح احسان والدین کا ہے سوائے عبادت کے ہر طرح کے امور لازم ہیں اُن کی اطاعت تعظیم خدمت اور اُنکے ایثار و مواعید و وصیت اُنکے لئے ایصال ثواب اور اعزہ و احباب کی مراعات احسان و بر میں داخل ہے اطاعت والد کی اور خدمت والدہ کی مقدم ہے بلکہ والدہ نے چونکہ سہ گونہ والد کے لحاظ سے انعام ولد پر کیا ہے اسواسطے اسکی خدمت بھی سہ گونہ والد سے زیادہ ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے ایک شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ تمام اعمال سے بہتر کیا عمل ہے آپ نے ارشاد فرمایا بعد ایمان کے والدہ کے ساتھ اپنی نیکی کرو اُس نے عرض کیا اُسکے بعد آپ نے فرمایا والدہ کے ساتھ نیکی کرو اس سے معلوم ہوا کہ خدمت میں تیسرا درجہ والد کا ہے دو درجہ والدہ کے ہیں اسواسطے کہ والد کا احسان دو گونہ بلکہ سہ گونہ ہے مان کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے پھر اسکی رضاعت سے

پرورش پاتا ہے پھر اُسکی حضانت سے پرورش پاتا ہے اُس وقت تعلیم ہوتی ہے جس میں بہت بڑا حتیٰ واللہ کا ہوتا ہے ارشاد فرمایا ہے کہ جسے والدین کو پرایا اور جنت نہ لی تو وہ بڑا بد قسمت ہے اطاعت والد کی اور والدہ کی ضروری ہے خدا کے حکم کے خلاف اگر وہ کہیں تو اُن کی اطاعت نہ کرنا چاہیے مگر اُن کی تعظیم و تکریم میں کسی قسم کا فرق نہ آنے دینا چاہیے وہ کفر کرنے پر مجبور کریں تو اُس کو قبول نہ کرنا چاہیے انکو نصیحت کرنا چاہیے مگر اُسکے مرتبہ کا لحاظ کر کے نصیحت کی جاوے یوں جملہ امور نیکی کے لازم ہیں مگر خاص طور پر جبکہ لازم ہونے کی تاکید شرع سے ہے وہ مقدم ہیں و لا تقل لہما اف ولا تنہما و قل لہما قولا کریمًا نہ انکو کڑی بات ناگواری کی کہنا چاہیے نہ اُن کو جھڑکنا چاہیے اُنسے جو کچھ کہا جاوے اُنکی بزرگی کو ملحوظ رکھتے ہیں کما جاوے شرک و کفر کے بعد مرتبہ ترک نماز کا ہے تو اُنکی اطاعت نماز فرض ترک کرنے میں نہ کی جاوے اگر سنت پڑھنے کی اجازت نہ دین یا نفل نماز کو روکیں تو اُن کی تعمیل ارشاد کرنا چاہیے البتہ وہ اگر ہمیشہ سنتوں کو روکیں تو اُن کی اطاعت نہ کرے اس واسطے کہ اس میں تنصیر شرع ہے اور وہ حرام ہے ایسے ہی اگر وہ روزہ نفل سے مانعت کریں تو ترک کرنا چاہیے اگر اُنکو مال کی ضرورت ہو تو وہ بغیر اجازت بقدر ضرورت اپنے لڑکوں کے مال سے لے سکتے ہیں حج کے سفر کو منع کریں تو حج چونکہ بالفرض نہیں ہے اُنکی اطاعت کرنا چاہیے ایسے ہی علم کے لئے سفار و تجارت کی غرض سے نکلنا اگر وہ روکیں تو نہ کرنا چاہیے بلکہ اُن کی اطاعت لازم ہے اگر وہ اپنی ضرورت سے اس کو جانے نہیں دیتے ہیں تو لازم ہے کہ نہ جاوے جیسا کہ پہلے ذکر کیا مگر ایک گروہ علماء کا کہتا ہے کہ اگر وہ شفیقت سے روکتے ہیں تو علم کی تحصیل کے لیے نکلنا جائز ہے خصوصاً ایسے علم کی تحصیل جو لازم ہے جسکے بدون واقفیت انسان کی دینی خواہ دنیوی ہلاکت ہے اُس کی تحصیل کے لئے جانا جائز ہے اگرچہ وہ شفیقت سے اجازت نہ دین ایک شرط اور بھی لگائی جاتی ہے وہ یہ کہ راہ میں امن ہو تو اس صورت میں سفر علم کیلئے اور حج کیلئے اور تجارت کے لئے جائز ہے جبکہ محض شفیقت سے والدین روکتے ہیں اور اگر ضرورت سے روکتے ہیں تو اُن کی تعمیل اور ضرورت مقدم ہے جہاد کے لئے جانا بدون اذن والدین کے روا نہیں خواہ وہ شفیقت سے روکیں یا ضرورت سے روکیں بجز اس صورت کے جبکہ جہاد فرض عین ہو جہاد اور غیر عام ہو اسی طرح ہجرت ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص جہاد کرنے آیا آپ نے فرمایا کہ ولین نے تمکو اجازت دی ہے اُنسے عرض کیا کہ اُنھوں نے اجازت نہیں دی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا فہما نجاہیل انھیں میں جہاد کر اُن کی خدمت خود ہی حکم میں جہاد کے ہے ایک شخص نے ہجرت کرنا چاہا ہی پئے فرمایا پہلے اپنے والدین کو خوش کر آؤ اور ہنسنا آؤ پھر دوسرے کام کرو ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد ہجرت سے بھی اُن کی فرمانبرداری زائد بہتر ہے اگر وہ حکم دین کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دیے تو لازم

ہے کہ انکی تعمیل کیجاوے چاہے عورت کا قصور ہو یا نہ ہو حضرت ابن عمر سے حضرت عمر نے حکم دیا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر کے اس حکم کی شکایت کی کیونکہ وہ عورت حضرت ابن عمر کو پتہ تھی آپ نے باوجود اسکے حضرت عمر کے تعمیل حکم کا حکم دیا۔ ذوی القربی اسکا عطف الوالدین پر جیسے رحیمی اور الف اس میں تانیث کا ہے مگر اداس سے قرابت ہے بلحاظ رشتہ و ناتہ کے خواہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے ہو۔ والیتھی کا عطف ذی القربی پر ہے اور وزن اُس کا فعلی ہے اور الف اس کا بھی تانیث کے لئے جمع یتیم کی ہے جس طرح ندیم کی جمع ندامی ہے کبھی یتیم کی جمع ایتام بھی آتی ہے یتیم ناخود یتیم سے ہے جسکے معنی غفلت کے ہیں۔

یتیم کو یتیم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اُس کی خبر گیری سے توافل کیا جاتا ہے یا معنی میں ابطاء کے ہے یعنی تاخیر سے اُس کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے یتیم آدمیوں سے اُس کو کہتے ہیں کہ جسکے باپ نہ ہوا اور بلوغ کے بعد یتیم نہیں رہتا ہے اور جانوروں میں وہ یتیم ہے جسکی ماں نہ ہوا اور طیور میں ماں باپ سے کوئی نہ ہو وہ یتیم ہے اور بعض جگہ بے ماں کے لڑکے کو بھی یتیم کہا گیا ہے مگر یہ طلاق صحیح نہیں ہے ایسے ہی جوان کو یتیم کہنا بھی درست نہیں ہے۔

والمساکین جمع مسکین کی ہے ناخود ہے مسکن سے یعنی حاجت نے اُس کو بیٹھال دیا اس اعتبار سے یتیم زیادہ ہے۔

قائدہ۔ اس جگہ ماں باپ کا ذکر مقدم کیا گیا ہے اسواسطے کہ اُن کا حق انسان پر بہت ہے اُنکے بعد قرابت مندوں کا ذکر کیا گیا ہے اسواسطے کہ اُنکا اتصال بوجہ والدین کے ہوتا ہے اُنکے اوپر احسان کرنا مقدم ہے اس جگہ ذی القربی کہا ہے اور مراد ولی ہے جنس قرابت مندوں کی مگر ذی کی اضافت مصدر کی طرف کرنے سے ہر ذی قرابت مراد ہو گیا ہے اور اس میں اشارہ اس کی جانب بھی ہے کہ کہتے ہی زیادہ اشخاص میں حکم سب کا ایک ہی ہے اگر دس بھائی ہوں تو دسویں کے ساتھ سلوک کرنا ایک ہی حکم رکھتا ہے اُنکے بعد ذکر کیا یتیم کا اسواسطے کہ یتیم کتابت میں نہیں کر سکتا ہے اور اگر کرے تو وقت تحصیل علم و دین کیلئے اُس کو نہیں بچتا ہے اسواسطے اسکا سلوک مقدم ہوا مسکین سے اسواسطے کہ وہ قدرت رکھتا ہے اگر اسباب مہلکوں تو معیشت خود حاصل کرے اور اگر چاہے تو خدمت کر کے اپنا پیٹ بھر لے اکثر مواقع پر تو یتیم اپنے مقصد کو بیان کرنے سے بھی قاصر ہوتا ہے اور اپنی حاجت ظاہر کرنے سے بھی عاجز ہوتا ہے بخلاف مسکین کے کہ وہ زبان رکھتا ہے کہہ سکتا ہے۔

وقولوا للناس حسنا کہو تم لوگوں کے لئے اچھائی بیان قول کا لفظ مخذوف ہے یعنی قولوا قولا حسنا

کہو تم لوگوں کے لئے اچھی بات قول کی صفت حسن سے لائی گئی ہے مقصود مبالغہ ہے بعض کہتے ہیں کہ لمحاظ نعمت کے حسن اور حسن کے ایک ہی معنی ہیں جیسے بخل اور بخل یا رشد اور رشد بعض لوگوں نے حسن کی حوا اور سین و دونوں کو مضموم پڑھا ہے بعض نے حسنی پڑھا ہے اور بعض نے احسان پڑھا ہے۔ کہو تم ان سے قول طیب یہ تفسیر ابوالعالیہ نے کی ہے ابن جریر کہتے ہیں کہ مراد قول حسن سے یہ ہے کہ تعلیم دو لوگوں کو جو کچھ تمھاری کتاب میں ہے چاہے تمھاری مرضی کے موافق ہو یا نہ ہو جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہو اسکو لوگوں کے رد و برد ظاہر کر دو اور بیان کرو امام سفیان ثوری کہتے ہیں کہ امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو اس سے زیادہ اور کوئی بات بہتر نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کہو تم قول لا الہ الا اللہ اور اسکا حکم دو لوگوں کو ظاہر کر یہ بھی مجملہ میثاق کے تھا جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اور اس کے ضمن میں رب سے ہو گیا یہ نہیں کہ مخاطب وہی بنی اسرائیل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے۔

قائدہ۔ قول حسن سے کذب بہتان۔ غیبت۔ گالی گلوچ سب خارج ہیں۔

واحتیوا الصلوۃ واتقوا الزکوۃ اور پورے طور سے آداب کے ساتھ اور بالکل درست نماز پڑھو اور زکوۃ ڈی مطلب اس کا یہ ہے جس طرح کی نماز اور جس قدر زکوۃ تم پر فرض ہے وہ ادا کرو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اسرائیل پر بھی نماز اور زکوۃ فرض ہے احادیث سے اور آثار سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مخاطب اس آیت کے مسلمان ہیں یا کفار ہیں اور کفار و فروعات یا نبیہ کے مخاطب ہیں۔ ثم تولیت یعنی پھر گئے تم ثم اس جگہ محض اس فعل کے بعد ازاں افعال ہونے کے لئے لایا گیا ہے اور شاعت ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے اس واسطے کہ اعراض بعد اقرار اور عہد کرنے کے بہت ہی قبیح اور شنیع ہے۔

الا قلیل منکم مگر تم میں سے قلیل ہے مراد ان سے یا تو وہ لوگ ہیں جو ابوجہاد کے انکی قوم نے تورات کے احکام کی تحریف کر دی اس کے ادا کر کے خلاف کیا مگر وہ یہودیت صحیحہ پر قائم ہے یا مراد اس سے وہ گروہ ہے کہ جو ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہی ہیں اس جگہ قلیل لمحاظ عدد کے ہے کہ وہ لوگ جو قائم ہے وہ بہت کم عدد کے رہے ہیں۔

وانتم معرضون اور تم روگردانی کرنے والے ہی تھے۔ یہ جگہ معرضہ ہے یعنی تمھاری عادت اعراض کی تھی جبکہ جملہ فعلیہ سے عدول کر کے جملہ اسمیہ لایا گیا ہے اس واسطے اسے دوام و ثبات پر دلالت کی جو نشان جملہ اسمیہ کی ہے بعض نے کہا ہے کہ جملہ معرضہ نہیں ہے بلکہ حال مؤکدہ ہے اس جگہ کہ تو لیتم اور معرضون دونوں آئے ہیں ظاہر استعمال ان دونوں لفظوں کا ایک ہی معنی پر ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اعراض کہتے ہیں کسی شے سے

وَاِذَا خَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تَخْرُجُوْنَ

اور یاد کرو جبکہ تم سے قرار لیا گیا کہ تم اپنے خونوں کو نہ ساؤ گے نہ اپنوں کو تم گھر وںے اپنے کاؤ گے

اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَبْتُمْ وَاَنْتُمْ تَسْتَهْذِئُوْنَ

پھر تم نے اُس کا استہزاء کیا اور تم گواہ اور حاضر تھے۔

بقیہ ۱۹: پھر جانیکو دل سے اور تویٰ اہل نصرت کو کہتے ہیں باوجودیکہ اُس کا عہد کر لیا گیا ہو بعض کہتے ہیں کہ تویٰ منہ پھیر لیے کو کہتے ہیں جس طرف جاتا تھا اُدھر سے پھر جاوے منہ کی طرف پٹھ کرے اور پیٹھ کی طرف منہ کرے اور اعراض کہتے ہیں راہ چھوڑ کے بجائے طول کے معرض میں چلا جاوے اسی لحاظ سے تویٰ سے ہدایت آسان ہو کیونکہ منہج و صراط راہ و راستہ وہی ہے صرف منہ پھیر کے چلے جانا ہے برخلاف معرض کے کہ وہ راستہ کو بالکل چھوڑ کے بازو کی راہ لیتا ہو اور کہہ کر مدح چلا جاتا ہے لہذا انہیں دونوں حالتیں ہیں۔

اس آیت میں جن اشیاء پر عہد لیا گیا ہے اگرچہ تفصیل میں اُن کے فرق ہو مگر جن فعل و حکم جس طرح اُتار لادم کیا گیا تھا اُسی طرح مسلمانوں پر بھی لازم ہے اور یہ امور یا امور یہ ہیں کیونکہ شریعت میں قبلہ اگر بلا رخ کے قرآن میں یا احادیث میں مذکور ہوں تو وہ ہمارے لئے بھی یا امور یہ ہیں۔

بعض مفسرین نے قولوا احنا کو مخصوص نبی اسرائیل کے لئے لیا ہے اور بعض نے اس کو آیت غلظت سے منوع سمجھا ہے کیونکہ غلظ علیہم اُتار نہی کر دے اسکے نزدیک مسلمان فساد و کفارت سے قول حسن کے ساتھ بات کرنا روکے گئے ہیں مگر یہ قول مناسب نہیں ہے و غلظ علیہم کا حکم قول حسن کے مخالفت نہیں ہے۔

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ یعنی اپنے خون نہ بہاؤ اس جملہ میں خود کشی بھی داخل ہے کسی کو قتل کر ڈالنا بھی داخل ہے ایسے کام کو کرنا جس سے خود قتل کیا جاوے یہ بھی داخل ہے مگر حق سے قتل کرنا یا کیا جانا وہ سفک و امین داخل نہیں ہے۔ و لا تخرجنہا من ارضکم سے مراد اپنی ہم قوم میں کہ اُن کو شہر بدر نہ کر دیا خود ایسی حرکت نہ کر دے شہر بدر کیے جاؤں اور تم اس میں تم باقو اس امر کے اہم ہونے پر دلالت کرتا ہے یا تاخیر اس قرار کے زمانہ کے لحاظ سے ہوئی ہے بلکہ قرار لیا گیا ہے بعد مدت اُس کو پھر مضبوط کیا گیا اور اُنکی آگاہی اور شعور کے ساتھ یہ عہد لیا گیا بلکہ اُنکی گواہی ہوئی اس سے کمال درجہ اس قرار و میثاق کی اہمیت ہو گئی۔

مخاطب اسکے یا تو نبی اسرائیل کی قوم ہے جس میں موجود بھی داخل ہیں یا صرف موجودین میں آنحضرت کے زمانہ میں بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں اشارہ اُس معاہدہ کی جانب ہے جس کو آگے ہم بیان کریں گے یہ قول سابق و سابق کے مناسب نہیں ہے۔

بھی قرطبی بنصرہ کے واقعات آگے ذکر کئے جاتے ہیں۔

[illegible]

یہ قصہ طلب ہے یہود کو جب شام سے چھوڑ کے اطراف میں بھاگنا پڑا کیونکہ دوسری اقوام نے بہت ظلم کیا تھا تو انکا ایک گروہ شام سے حجاز کی طرف بھی چلا آیا وہ یہود بنی قینقاع ہیں اُسوقت مدینہ طیبہ میں بنی نضیر کے دو قبیلہ تھے ایک اوس دوسرے خزرج ان سے معاہدہ مدد و یاری کا یہود نے کر لیا اوس خزرج میں باہم لڑائی ہو گئی اس عرصہ میں یہود بھی بڑھے اور ایک بنی قریظہ اور دوسرے بنی نضیر قبیلہ ممتاز ہو گئے اور باہم لڑنے لگے اوس سے بنی قریظہ سے حلف و عہد ہو گیا اور بنی نضیر سے خزرج سے اسی طرح معاہدہ ہو گیا۔ اوس سے جب خزرج سے لڑائی موقوف تو اوس کے ساتھ بنی قریظہ خزرج کے حلیف بنی نضیر سے لڑنے بنی قریظہ کے پاس جو خزرج کے یا بنی نضیر کے لوگ قید آتے تو وہ اُن کو قتل کر ڈالتے اور بنی نضیر کے پاس اوس یا بنی قریظہ کے لوگ آتے تو اُن کو یہ لوگ شہر بدر کر دیتے اور جب صلح کے بعد قیدی بنی قریظہ کے خزرج کے پاس جاتے تو بنی نضیر اُن کو فدیہ دیکے چھوڑا لیتے اسی طرح جب بنی نضیر کے لوگ اوس کے پاس قید ہوتے تو بنی قریظہ فدیہ دیکے چھڑا لیتے حالانکہ یہ فدیہ بعد مقابلہ اور شہر بدر کے تھا جس طرح فدیہ دینا اور اپنی قوم کو چھوڑا لینا ضروری تھا اسی طرح مقابلہ نہ کرنا اور شہر بدر نہ کرنا اپنی قوم کا ضروری تھا فدیہ شہر بدر کرنے کے اوپر مرتب ہوتا تھا جو حرام تھا۔

اُرشاد ہوتا ہے کہ دوا مر جو منع تھے وہ تم کرتے ہو اُن کے حکم پر عمل نہیں کرتے تو اُن پر پتھارا ایمان نہیں رہا اور ایک حکم فدیہ کا تم بجا لاتے ہو گویا اُس پر ایمان تمہارا باقی نہ رہا جب یہود سے کہا جاتا تھا کہ تم فدیہ دیکے چھوڑا تے کیون تو کہتے تھے کہ کیا کریں یہ تو اللہ کا حکم ہے اور جب مقابلہ ہوتا تو لڑتے اور شہر بدر کرتے اُن سے کہا جاتا ہے کیا ہے تو کہتے کیا کریں حلف اور معاہدہ ہے اس کے خلاف کرنا موسیٰ پر حرف لانا ہے۔

تبصرہ ۱۹ اشد ہوا کہ جب تم بعض احکام کو ماننے ہو اور بعض کو چھوڑتے ہو حالانکہ تم نے اقرار کیا اور اپنے اقرار کے تم کو اہ ہو تو پھر سوائے اسکے کہ تم ذلیل و خوار ہو اور تمہاری مٹی سزا نہیں ہے چنانچہ نبی قرظہ کو وہی سزا دینا میں ملی جو وہ لوگوں کو دیا کرتے تھے جبراً نکو شکست ہوئی تو انھوں نے لاچار ہونے کے بعد بن معاذ ہی کے

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
 پس کوئی جزا نہیں ہے اُن لوگوں کی جو تم سے ایسا کرتے ہیں بجز اس کے کہ دنیا کی زندگی میں دولت و خواری ہو
 وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أشدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ
 اور قیامت میں شدید تر عذاب کی جانب لوٹائے گا دین اور اللہ
 بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اسْتَرَوْا
 غافل نہیں ہے اُس سے جو تم کرتے ہو۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حیات دنیا کو عوض میں
 الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ
 آخرت کے حشر یہ لیا اس سے نہ اُن سے عذاب کم ہو گا
 وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ
 نہ انکی مدد کی جاوے گی۔

حکم پر تصفیہ قرار دیا انھوں نے حکم دیا کہ مقاتل جو لڑے وہ سب کی سب قتل کیے جاویں اور بچے اور عورتیں
 چھوڑ دیے جاویں درحقیقت اس وقت تک کوئی حکم شرع اسلام کا ایسا وارد نہیں ہوا تھا نہ یہ حکم بعد کو نازل ہوا
 یہ حکم موافق تقدیر آگئی کہ حضرت سعد نے لگنے کا وعدہ کے موافق دیا جس طرح اخراج بلکہ حکم نبی نصیر کو اُن کے
 اصول کے موافق دیا گیا۔

نبی قرظہ کو رکاوٹ کا باعث یہ عزرائلے حلیہ نے تجویز کی اس میں آنحضرت کو کوئی سروکار نہ تھا جیسا نبی قرظہ نے اپنے لئے
 تجویز کیا تھا ویسا ہوا یہ وہ جماعت تھی جس نے بارہا اپنے مقابل کے ساتھ اس سے سخت سلوک کیا تھا
 عبرت کا مقام ہو کہ اپنی قوم کے ساتھ مسلمان اس وقت وہی حرکت کرتے ہیں جو نبی قرظہ و نبی نصیر نے اپنی قوم
 کے ساتھ کی خدا سے پناہ مانگنا چاہیے کیونکہ یہود کو جو سزا ہوئی وہ بیش نظریہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں
 عذاب شدید تر۔

دنیا کی عارضی اور دینی راحت پر آخرت کی قیینی اور دائمی راحت کو انھوں نے قربان کیا خدا کے احکام
 کے انکار سے کفار ہو گئے پھر نہ تو اُن سے عذاب میں کمی ہوگی نہ کسی قسم کی مدد کی جاوے گی یہ نادانانہ دہریوں سے
 اور غافل مشرکوں سے بدتر ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَتَقَيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بعد بے دریغ پیغمبر بھیجے اور عیسیٰ

ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ

ابن مریم کو نشانیاں دیں اور اُن کی تائید کی ہے رُوح قدس کیا جب کبھی کوئی رسول

بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِّقُوا لَدُنَّ بَيْنَهُمْ وَفَرِّقُوا تَفْشُلُونَ

تھکے پاس ایسی چیز لایا جسکو چاہتا ہر تو نے اُس رسول کی مرکز سے نہ کی بھرا کہ گروہ کوئے جھلاد اور ایک گروہ کوئے

اللہ جل شانہ نے پھر بعض قبیلہ ہود کے یہاں ذکر کیا اور دوسرے عنوان سے اُن کو شروع کیا تاکہ وہین

خوب آجائیں اور تاکہ یہ کلمہ سے اور تحقیق کی لفظ سے شروع کرنے سے اشارہ اس جانب کیا کہ جو کچھ اسکے بعد

مذکور ہو گا وہ اعتقاد کرنے کے قابل ہے اور اسکو بخور سمجھنا چاہیے معمولی نہیں ہے۔

آئینا کے معنی اعطینا کے ہیں کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تورات دی بعض روایات میں ہے ابن عباس کے

کہ حضرت موسیٰ کو ایک جگہ پوری تورات دی گئی اور اُن سے ارشاد ہوا کہ اس کو اٹھاؤ اُنھوں نے اُسکو اٹھانا

چاہا کسی طرح حضرت موسیٰ سے تورات اٹھنے کی نہ ہوا ملا کہ سے کہ تم اٹھاؤ ہر ایک حرف پر ایک فرشتہ ٹوٹا ہوا

گروہ بھی عاجز ہے اس واسطے کہ کلام اللہ کا کس شکل تھا اللہ جل شانہ نے اہل اہل عاجزی کرنے کے بعد اپنی قدرت کاملہ

سے اُس کو ملکا کر دیا اور حضرت موسیٰ نے اُس کو برداشت کر لیا یہی مقصود اس جگہ عطا کرنے سے ہے اس معنی کے

اعتبار سے موسیٰ مفعولِ دل ہے اور کتب مفعولِ ثانی ہے اور بعض لوگوں نے آئینا کے معنی انزلنا کے لئے ہیں یعنی

اُنہارا ہم نے تورات کو اس صورت میں تورات ہی مفعول ہے نہ در موسیٰ منصوب ہے خبر خافض یعنی حرف جر بیان

سے مخدوف ہے تقدیر عبارت کی یہ ہے کہ انزلنا علی موسیٰ الکتاب آتا رہنے تورات کو موسیٰ پر بعض لوگوں نے

کہا ہے کہ آئینا کے معنی فہمنا اور علمنا کے ہیں یعنی ہم نے اُسکو کتاب دی خوب سمجھا دیا اُسکو خوب سکھا دیا تو اس صورت میں

علم الکتاب اور فہم الکتاب مراد ہو گا اور اس جگہ مضاف مخدوف ہو گا ہر حال موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی گئی

وَلَقَدْ آتَيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ لِيُنْذِرَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلِيَذُنَّ

کہ ہم نے اُن کے بعد بہت سے رسول بھیجے کہ ان کو ڈرے اور ان کو

رَسُولُونَ كَاذِبِينَ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهُمْ إِذِ انبَأَتْهُمْ نَارُ آلِ عِيسَىٰ

کہ رسولوں کا ہونا بعد موسیٰ علیہ السلام کے منقول کیا گیا ہے جن میں سے حضرت یوشع بن نون ہیں حضرت شموئیل

حضرت شمعون حضرت داؤد حضرت سلیمان حضرت عیسیٰ حضرت ارمیا حضرت یونس حضرت حزقیل حضرت الیاس حضرت

الیسع حضرت یونس حضرت زکریا حضرت یحییٰ وغیرہم میں سے اہل لغت اہل حجاز کی وہ سین کو

ساکن ہوتے ہیں اور دوسری امت نبی تم کی وہ صفت ہے جن اسوجہ سے قرأت بھی مختلف ہے یہ اس مذہب پر تعداؤں کی گئی ہے جو رسالت کیلئے جدید شریعت ہونے کی قید نہیں لگاتے۔

بعض کہتے ہیں کہ جبکو مستقل شریعت ملی اور وحی نازل ہو اگرچہ بعض مسائل میں وہ نبی سابق کے موافق مامور ہوں تو وہ رسول ہیں اس اعتبار سے جملہ رسول خواہ قبل موسیٰ علیہ السلام کے ہوں یا بعد موسیٰ علیہ السلام کے ہوں تین سو ساٹھ یا اسبقدر ہیں جو پانچ سو سے بھی نہیں بڑھتے ہیں اُن میں سے اولوالعزم حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بوجہ نبی الانبیاء ہونے کے آنحضرت سب سے افضل ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم پھر حضرت موسیٰ پھر اولوالعزم پھر تمام انبیاء اگرچہ مرتبہ رسالت میں سب برابر ہیں۔

وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ اور ہم نے عیسیٰ کو جو مریم کے فرزند ہیں کھلی نشانیاں دیں۔ عیسیٰ کی اصل عبرانی ہے الیشوع اسکے معنی سید و فرار یا مبارک کے ہیں حضرت عیسیٰ کو الیشوع اسوجہ سے کہنے لگے کہ یہ اپنے زمانہ کے صلی اوکے سردار تھے اور مبارک تھے جیسا کہ خود اپنے کو مبارک بتایا ہے۔ انکی برکت ظاہر ہے کہ اللہ نے بتوں کو دینی و دنیوی مدارج عطا فرمائے چونکہ یہ اولوالعزم رسولوں سے تھے اور انکی شریعت نے بہت سے احکام شریعت موسیٰ کے منسوخ کر دیے تھے اور انکو مستقل کتاب بھی دی گئی تھی اسوجہ سے انکا ذکر بھی خصوصیت سے کیا گیا انکی نسبت مریم کی طرف کی گئی اسواسطے کہ یہود کو شبہ تھا کہ انکے باپ تھے تو اللہ فرماتا ہے کہ یہ ولد مریم ہیں و بس مریم یا تو اصل اسکی عربی ہے تو اسکے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے اور غالباً وہ اختلاف اسی امر پر مبنی ہے کہ یہ نام حضرت عیسیٰ کی والدہ کا تھا اور انکے اوصاف اس کلمہ میں مد نظر رکھے گئے بعض نے کہا کہ مریم وہ عورت ہے کہ جو مردوں سے باتیں کرنے کو پسند کرتی ہو چونکہ حضرت مریم خدایت المقدسہ کے لئے چھوڑ دی گئیں تھیں اسواسطے انکو مردوں سے باتیں کرنے کی ضرورت ہوتی تھی بعض نے ایک قید اور بڑھائی کہ مریم وہ عورت ہے کہ مردوں سے باتوں کی شائق تو ہو مگر مجبور و بدکاری نہ کرے بعض نقونین ہے کہ جو مردوں سے بات کرنے کو پسند کرے مگر قرینہ قیاس یہ ہے کہ مریم لفظ عبرانی ہے جس کے معنی خادم کے ہیں۔ حضرت مریم کو مریم اسوجہ سے کہنے لگے کہ وہ خدیجہ بیت المقدس ہیں سے تھیں انکی والدہ نے اپنی نذر کے موافق خدمت کے لئے رکھ دیا تھا۔ الدینات امور و اخفات ملو ہیں جا ہے انجیل مراد ہو یا دیگر معجزات مراد ہوں جو لوگ معجزات کے منکر ہیں اور انکو دلیل نبوت نہیں سمجھتے وہ خیالات سے صرف انجیل مراد لیتے ہیں۔ ورنہ لفظ شامل دونوں کو ہے چاہے صاف اسکی اللہ کی جانب ہو یا کسی دوسری جانب ہو۔ اسی وجہ سے مفسرین نے جہاں اسکے معنی انجیل کے لکھے ہیں وہاں معجزات کے بھی معنی لکھے ہیں مراد اُن سے وہ معجزات جنکا

ذکر سورہ آل عمران اور سورہ المائدہ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ اندھے کو اور دیگر مریضوں کو اچھا کرتے تھے جاؤ کہ نوزو کرتے تھے ابرص کو اچھا کرتے تھے وغیرہ ذلک۔

وَأَيُّدُنَاكَ یعنی تو نبیاء ہم نے قوت دی انکو روح القدس سے روح ایک لطیفہ رحمانی ہے جو باعث حیات ہو اور قدس میں دو نفین ہیں بعض بسکون دال پڑھتے ہیں اور بعض لضمد دال پڑھتے ہیں۔ قدس سے مراد طہارت و برکت ہو بعض نے کہا ہے کہ قدس مثل قدوس کے اللہ کا نام ہے تو اس صورت میں روح القدس کے معنی روح اللہ کے ہیں اضافت شرافت اور عظمت ظاہر کرنے کی غرض سے ہے اور مراد اُس سے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح ہو کیونکہ انکی روح ظاہر و پاک تھی نہ اصلا ابابار میں مقید ہوئی تھی نہ ارحام امہات میں گندے ہوئے تھے محض اللہ کا حکم تھے تا ئید کا مقصد یہ ہو کہ جس وقت سے آپ تولد ہوئے اسکی طہارت و طہیبت نے برابر آپ کی تا ئید اور تقویت کی کسی وقت بھی غلطی نہیں ہونے پائی بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد روح القدس سے اللہ کی ایک صفت ہو اور اسم اعظم ہے کہ جس سے ہر شئی کی حیات ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد روح القدس سے انجیل ہے جس طرح قرآن شریف پر روح کا اطلاق ہوا ہے اسی طرح انجیل پر بھی روح کا اطلاق ہوا ہے قرآن شریف کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ **وَاحْنِئْنَا إِلَيْكَ رَوْحًا مِّنْ أَمْرِنَا**۔ بعض لوگ کہتے ہیں مراد روح القدس سے جبرئیل فرشتہ ہے جس نے حضرت عیسیٰ کی تا ئید وقت ولادت سے کی ہے اپنی روح القدس کا اطلاق یا تو اسوجہ سے ہے کہ علم انکا روح القدس ہے یا اطلاق مجازی ہے۔ کیونکہ روح ہی طرح حیات جسمانی ہوتی ہے اسی طرح یہ باعث حیات روحانی کے ہیں اور انھیں سے ہمیشہ وحی ارسال کی گئی ہے ان کی لطافت و طہارت باعث ہے کہ یہ روح القدس کے جاوین۔

أَفَكَلَّمَا جَاءَ كُفْرًا یہ حضرت علیہ السلام نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء کا ذکر کیا تو یہود نے آنحضرت سے کہا کہ جو حالات حضرت عیسیٰ کے آپ ذکر کرتے ہیں اگر ان کو تسلیم کیا جاوے تو آپ نے نہ توان کے ایسے معجزات دکھائے نہ دیگر انبیاء کے ایسے معجزات آپ نے دکھائے اگر آپ سچے ہیں اور نبی ہیں تو ایسے امور آپ بھی ظاہر فرمائیے اوسوقت آنحضرت علیہ السلام نے معجزات ظاہر فرمائے مگر معجزہ حضرت نبوت عامہ کی دلیل نہیں ہو سکتا ہے اسواسطے اللہ جل شانہ نے ان کے اس قسم کے مطالبات کا بالکل قلع مع کر دیا ارشاد فرمایا اس طرح کے مطالبات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم شائد ان کے ارشاد کو قبول کرو اور ایمان لاؤ حالانکہ پھیاری عادت کے خلاف ہوتے تو ہمیشہ عناد و فساد کیا جب کوئی نبی آیا اُسے تمہارے دل کے خلاف حکم دیا تو تم نے کبتر کیا اور اسکی حقارت کی اُس کے ارشاد پر عمل نہ کیا ایمان نہیں لائے اسی پر اکتفا نہ کر کے بعض کو انجیل سے تم نے جھٹلایا جیسے حضرت عیسیٰ و حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض کو تم نے قتل کر ڈالا جیسے حضرت عیسیٰ اور

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ

اور کیا ہوئے کہ ہمارے دل پر دوہین ہیں بلکہ اللہ کی لعنت انکے لئے ہو جو وہ انکے کفر کے اسلئے بہت کم ایمان لائیں گے۔
بقیہ صفحہ ۲۰۲ حضرت یحییٰ اس حکم تعلقون بمعنی قتلتم کے ہے جیسا عطف اور سیاق سے معلوم ہوتا ہے اور اگر حال کیلئے ہو تو بھی ہو سکتا ہے۔ اسکی تاویل یہ ہے تم نے قتل کیا اور ارادہ قتل میں لگے ہوئے ہو جو پختہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کی ہر طرح فکر ہے بنی قتیقاع اور بنی نضیر و بنی قریظہ نے مقابلہ بھی کیا عدالت بھی کی یہاں تک کہ ظاہری طور پر حبیب قتل سے عاجز ہو گئے تو زہر دیا گیا چنانچہ زہر کا اثر نہیں ہوا اس اعتبار سے تم نے تو قتل کیا اگرچہ اللہ نے بچا لیا جسطح عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے محفوظ رکھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود نے شہید کیا اور حضور کی وفات اسی ہیروز کی سم خورانی سے ہوئی ہے مگر وہ روایت ثقات نے مقبول نہیں کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سم سے مذکور ہے حضرت علیل ہوئے اور اپنی طبعی علالت کے بعد وفات طبعی جو کمال ہے حاصل فرمائی قتل پر حضرت کے کسی کو دست رس نہیں ہوا واللہ اعلم۔

یہود نے آنحضرت سے کہا کہ آپ کی ہدایت کی ہلکو حاجت نہیں نہ آپ کی ہدایت سودمند ہے۔
قُلُوبُنَا غُلْفٌ ہمارے قلوب پر وہ ہیں جن غلف میں دو قرأتیں ہیں ایک تو بسکون لام اسکے معنی برہہ کے ہیں اور دوسرے بضم لام اسکو ابن عباس نے پڑھا ہے اس اعتبار سے اسکے معنی غلافون کے ہیں مقصود اُن سے یہ ہے کہ آپ بیکار ہلکو تبلیغ اسلام کرتے ہیں اور نصیحت میں وقت ضائع کرتے ہیں کیونکہ قلوب پر برہہ پڑے ہوئے ہیں آپ کے کلام کو رسائی نہیں نہ آپ کی نصیحت دل تک پہنچتی ہے جیسا کہ قالوا قُلُوبُنَا فِي الْكُتَّةِ اور قرأت ثانی کی بنا پر یہ ہے کہ قلوب ہمارے غلات علوم کے ہیں جسطح برتن میں پانی یا لکھی رکھا جاتا ہے اسطرح ہمارے دلوں میں علم ہے اور ہمارے دل اسکے غلات ہیں تمہارے علم کی ہلکو حاجت نہیں ہمارے پاس ہر قسم کا علم ہے وہ ہلکو کافی ہے تمہارے علم کی ضرورت نہیں ہے بعض کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو علوم کے برتن ہیں سب طرح کا علم حاصل ہو جاتا ہے مگر تمہاری باتیں ایسی ہیں کہ جن کی گنجائش ہمارے قلوب میں نہیں ہے تو گو یا تعریض ہو کہ وہ علم نہیں ہیں ان کی تردید کی گئی اور ارشاد ہوا نہ پڑے پڑے ہیں نہ وہ علوم کے غلات ہیں بلکہ لعنت اور ٹھپکارا اللہ کی ہے کہ اُس نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اور ہر خیر سے تلو محروم کر دیا ہے۔

فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ اسلئے بہت ہی کم تم سے ایمان لاؤ گئے مشرکین بہت ایمان لائے اور یہود نے بہت ہی کم ایمان قبول کیا اس صورت میں قلیلًا بوجہ حال کے نصب ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ نصب جوہر

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ لَوْ كَانُوا
 اور جب کہ ان کی طرف سے آئے اس کتاب کے تصدیق کرتی ہے اس چیز کی جو ان کے پاس ہے
 مِنْ قَبْلِ لَيْسَتُمْ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَّا مَأْجَاءَهُمْ مَعَرُوفًا
 حالانکہ قبل ان کے مدد طلب کرتے تھے کفر کرنے والوں پر پھر جب آیا ان کے پاس وہ جسکو وہ
 كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَهُ اللَّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ هَٰذَا مَا اشْتَرَوْا
 بھانپنے کے لئے کفر کیا اور انھوں نے اس کے ساتھ بس لعنت اللہ کی ہے کافروں پر یہی چیز جو انھوں نے اپنی
 بِهٖ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَكْفُرُوا ۚ بِمَا اَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا اَنْ يَنْزِلَ
 جاننے کے عوض وہ یہ کہ انھوں نے انکار کیا اس چیز کا جس کو خدا نے نازل کیا
 اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءَ وَبَغْضِ
 اس منہ سے کہ خدا نے نازل کیا اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جسکو چاہا پس کیا یا انھوں نے
 عَلَى غَضَبٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ
 غضب پر غضب اور منکروں کے لئے عذاب ذلت و خواری کا ہے۔

بقیہ سورہ نوح خالص ہے جو وہ بار بار ہے الاقلیل ایمان لاؤنگے مگر تھوڑے سے کیسا تھوڑا تورات سے اور
 خیر و کثیر جو قرآن ہے اسکو نہ قبول کریں گے بعض کہتے ہیں ولا کثیر لا مخدوف ہو معنی یہ ہیں کہ مگر نہ ایمان لا کریں گے
 قلیل کیسا تھوڑا کثیر کے ساتھ یعنی بالکل ایمان ہی کی نفی ہے کیونکہ ملعون ہیں۔

کتاب سے مراد قرآن ہے لیکن ہم سے مراد تورات و انجیل ارشاد فرماتا ہے کہ جب قرآن نازل ہوا اور اسے تورات
 کی تصدیق کی تو چاہیے تھا کہ یہ لوگ ایمان لاتے یہ ایمان نہیں لائے حالانکہ اس کتاب کے نازل ہونے اور اختصار
 صلہ اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے قبل انکی حالت یہ تھی کہ جب انہیں کسی قبیلہ سے مشرکین کے لڑائی ہوتی یا وہ ان کو
 تنگ کرتے تو یہ لاچار ہو گئے دعا کرتے تھے اللھم انصر علیہم البنی المبعوث فی آخر الزمان المذی بخیر صفۃ فی التورۃ۔
 جب یہ دعا مانگتے اللہ انکی دعا قبول کرتا اور لکھو در دوتا برابر مشرکین کے کہتے تھے کہ زمانہ نبی آخر الزمان کا آپہنچا
 ہے انکے چہرے ہر ایک کے ہم ہر چہرہ ہر ایک کے اور فریاد ہونگے تو جب ماعرفوا جسکو وہ جانتے تھے آیا یعنی محمد صلی اللہ علیہ
 وسلم تشریف لائے انکو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اس واسطے کہ انکی مع و صفت کتب سماویہ وہ جان چکے تھے تو بجا
 ایمان لانے کے کفر کیا اور محض یہ کفر عناد سے تھا نادانیت سے نہ تھا اسکی جزا سوائے اس کے کیا تھی کہ وہ
 ہمیشہ اس کفر کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے دور کر دیے گئے۔

نعم و بس افعال مع ذم سے ہیں دونوں صیغہ ماضی کے ہیں مگر انکی گردان مثل افعال کے نہیں آتی ہے نعم مع

وَإِذْ أَقْبَلَ لَهُمُ الْمَوْتُ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا لَوْ أَنَّا كُنَّا نَعْلَمُ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اور حکم اللہ نے نازل کیا تو کہتے ہیں تو ایمان لانے اس پر جو ہم نازل ہوا ہے
وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ خَيْرٌ مِمَّا قَالُوا مَا مَعَهُمْ قُلٌ قَلِيلٌ يُفْتَنُونَ

ادہ کہ کفر کرتے ہیں ان کے سوائے سچا حالانکہ تصدیق کرتا ہو کہی جو ان کو پاس ہو کہہ دو بھڑکوں تم نبیوں کو اللہ کو قتل کرنے ہو اگر
أَنْبِيََاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ

تم ایمان اس کے ساتھ رکھتے ہو
مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۚ

موسیٰ کھلی نشانیاں لیکے آئے پھر ان کے بعد بننے کو سالہ ہو جا اور تم ظالم تھے۔

بقیہ صفحہ ۲۰۴ کیلئے ہے اور مرنے کیلئے ہے معنی یہ ہو کہ برا ہے جو ان لوگوں نے اختیار کیا اپنے لئے بجا لگ رہی
اور باطل کو بیا ہدایت اور حق کو چھوڑ کے بعض کہتے ہیں کہ اشر و امعنی باعوا کے ہے فروخت کر ڈالا انھوں نے
اپنی جانوں کو اور اختیار کیا انھوں نے کفر کو نفع کی بات چھوڑ کے دائمی ضرر لیا۔

أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ سَ مَراد قرآن ہے اور نبیائے مراد حد ہے یعنی اصل فساد ہے اور ظلم ہے اور
اسکی طلب ہے باغی طالب ظلم ہوتا ہے اور جاسد محمود بظلم کرتا ہے اسوجہ سے کہ انکی خواہش اور طلب یہ ہوتی
ہے کہ نعمت محسوس جاتی رہے چاہے اسکو حاصل ہوا اسکو بھی نہ ملے۔

ان یزول اللہ اسکو تخفیف کیسا نہ بھی بڑھا گیا ہے اور تشدد بد بھی بڑھی گئی ہے۔ وہی ہماری قرأت ہے۔
من فضلہ اپنے فضل سے اماراد اس سے نبوت ہے اور قرآن شریف ہے کہ عطا کیا گیا۔

علی من یشاء من عباده۔ مراد اس محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ انکو صرف حمد ہے کہ یہیں اللہ
نے اپنا فضل اپنے بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا حالانکہ اللہ جل شانہ کی مشیت یہی تھی اولاد اسمعیل سے
ایک بندہ پیدا کیا جائے جس پر موسیٰ علیہ السلام بھی عظمہ کریں۔

فَبَاوُ غَضِبَ عَلٰی غَضِبَ لَوُثُ گئے وہ غضب پغضب میں پہلا غضب تو اسوجہ سے ہوا کہ انھوں نے تورات کو
احکام کو ضائع کر دیا دوسرا غضب اسوجہ سے کہ انھوں نے آنحضرت کی نبوت کا انکار کیا اور قرآن کو نہ مانا۔

بعض کہتے ہیں کہ پہلا غضب کے مستحق بوجہ حضرت عیسیٰ کی نبوت کے انکار کرنے کے ہے اور دوسرا غضب کی بوجہ حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار کے ہے بعض کہتے ہیں پہلا غضب عبادت گاہ سالہ کو باعث ہوا دوسرا بوجہ انکار نبوت
آنحضرت ص کے ولکافرن عذاب میں اور جو نہ کریں اور تین تین نبوت کو آنحضرت کی انکے لئے ذلت جاری کا عذاب ہے

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ وَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ

اور باد کرد اس وقت کہ جب ہم نے سے عہد لیا اور پھر کوہ طور کو اٹھایا اور کہا کہ جو ہم نے نکود یا ہے
يَقُولُ قَالُوا سَمِعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمْ
ادسکو مضبوط پکڑو اور اسکو سنو کہا انھوں نے کہ ہم نے سنا اور غلات کیا اور ان کے دلوں میں

الْجِلْدَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ يَبَسْمَا يَا مُرْكُوبِيهٖ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ

گوسالہ سمایا ہوا تھا ان کے کفر کی وجہ سے کہہ دو کہ بُری بات ہے کہ جب کا حکم نکلو تھا را ایمان دینا اگر تم ایمان لائے ہو

اس جگہ اذ اخذنا کا عطف فلم یثقلون پر ہے لہذا قل کے مقولہ میں داخل ہے اور جو
ذکر ہوا ہے اسکی تکرار نہیں ہے۔ یہاں ان کے تہر کو ظاہر فرمایا ہے۔ کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم

کلام اللہ پر ایمان لاؤ جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے وہ قرآن شریف ہے تو اس کے جواب میں وہ
کہتے ہیں کہ ہم تو تورات پر ایمان لائے جو ہمارے اوپر نازل ہوئی ہے اس کے سوا کسی دوسری شے پر

چاہے اسکو خدا ہی نے کیوں نہ نازل کیا ہو ہم ایمان نہ لائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ سراسر حسد تھا۔ مگر
اس سے قطع نظر کہ اللہ نے اُن کے دعوے کی تکذیب کر دی کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم کو

چاہیے کہ تورات کے احکام پر عمل کرو تورات میں قل کی مانفت تھی اور تم نے تو انبیاء کو اللہ کے مارڈالا
یا مارنے کا اہلوار رکھتے ہو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تم تورات پر بھی ایمان نہیں رکھتے تمہاری

حالت تو یہ ہے کہ اقرار کرتے ہو اور اس کے خلاف کرتے ہو جو موافق تورات کے ہے اور اسکی تصدیق
کرتا ہے اسکو نہیں مانتے پھر کیسی تصدیق تولت ہے تمہاری تو یہ حالت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا

ابساخات دہندہ آیات کو اُس نے علامات نبوت دکھائے بجائے اس کے کہ اسکا شکر کرتے شرک کرنے
لگے۔ اور گوسالہ کی پرستش کرنے لگے اقرار کرتے کرایا گیا کہ احکام تورات کو اچھی طرح بجالا دیں گے۔

تم نے اس کے خلاف کیا زبان سے کہا کہ سمعنا اور دل سے کہا عصینا سناہنے زبانی تھا۔ اور
عصیان کرنا دل کی بات تھی تمہارے دل میں گوسالہ کی محبت جی ہوئی تھی کیونکہ خدا کی محبت تمہارے

دل میں پیدا ہوئی یہ ظاہر ہے کہ اگر تمہارے ایمان نے اس کا حکم دیا کہ تم اللہ کی عبادت چھوڑ دو اور
گوسالہ کی پرستش کرو تو یہ بہت بُرا حکم تھا ایمان کے خلاف تھا۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً
 مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمْنُوا الْوُثْنَ كَمَا تَمْنَوْنَ الْوُثْنَ كَمَا تَمْنَوْنَ الْوُثْنَ
 وَلَكِنْ يَتَمَنَوْنَ آبَدًا بِمَا قَدْ مَتَّ أَنْبِيَاؤُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
 بِالظَّالِمِينَ وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ تَجِدَهُمْ أَهْرَاصَ النَّاسِ عَلَى الْحَيَاةِ وَمِنَ الَّذِينَ

کدو کہ اگر آخری گھر تمام لوگوں کے علاوہ خالص تمہارے لئے ہے
 تو تم موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو اور وہ اسکی ہرگز آرزو کبھی نہ کرے گی بسبب اسکے کہ جو انکے
 لیکن تم تمناؤ آبدار کیا قدامت انبیاء کی ہے۔ خدا ظالموں کو خوب
 بالظالمین۔ و لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ تَجِدَهُمْ أَهْرَاصَ النَّاسِ عَلَى الْحَيَاةِ وَمِنَ الَّذِينَ
 جانا ہے ضرور تم نے ہمارا کہ زیادہ حریص زندگی پر پاؤ گے اور مشرکوں میں سے
 أَشْرَكُوهُ يَوْمَ يُودَّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرَ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحَّزِحٍ
 ایسے بھی ہیں کہ جو چاہتے ہیں کہ کاش وہ ہر ایک انبیا کا ہزار برس زندہ رہے اور وہ ہرگز عذاب
 مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ
 بچ نہیں سکتے۔ اگرچہ بہت عمر انکی ہو۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے کچھ کرتے ہیں۔

مراد دارالآخرۃ سے جنت ہے اور من الذین اشرکوا سے مراد مجوس ہیں انکے دعائھی کہ ہزار برس زندہ رہو
 غالب کتاب ہے دم سلامت رہو ہزار برس اس جگہ یہود کے ادعا باطل کو دفع کرنا ہے انکا گمان تھا کہ
 انکے سواے کوئی جنت میں نہ جاوے گا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ ادعا تھا را صبح ہے تو تم کو چاہئے کہ جتنے پہلے
 اس فخر غلیم کا ہے اسکی تمنا اور خواہش کرو۔

ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر یہود تمنا کرتے تو انکی تمنا پوری کی جانی مگر وہ اس
 دعوے کو خود بھی بے اصل سمجھتے تھے تمنا کیسے کرتے۔

اس جگہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے موت کی تمنا کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے حالانکہ احادیث
 شریف میں تمنا کرنے کو موت کی منع کیا ہے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہود دعوے کرتے تھے کہ وہ قطعاً
 جنتی ہیں اس دعویٰ کے بعد موت کی تمنا نہ کرنا فضول ہے۔ اور ایمان اہل اسلام درمیان خوف ورجاء
 کے ہے اور دخول جنت و ترقی درجات موقوف عمل صالح پر ہیں اسواسطے موت کی تمنا مناسب الہل اسلام
 نہیں ہے۔

موت ایسی شے نہیں کہ طلب کی جائے اسواسطے کہ اس عالم کی حیات نعمت ہے اور اسکی انتہا کو موت کہتے
 ہیں بعضوں کا گمان ہے کہ موت اگرچہ مقتضائے طبیعت جزئیر کے ضافی ہے اسواسطے کہ طبیعت جزئیر کا

مقتضی اصلاح بدن ہے مگر طبیعت اپنی مقتضائے طبیعت کے خلاف بوجہ قاصر کر کرتی ہے رطوبات غریزہ جحیم انسان میں ہیں انکو حرارت غریزہ تحلیل کرتی ہے کیونکہ حرارت غریزہ ہولے خارج ہوتا ہے اور وہ رطوبت کو فنا کرتی ہے۔ رفتہ رفتہ کرتے کرتے کل رطوبت فنا ہو جاتی ہے اسکے بعد حرارت کا مرتبہ ہے وہ بھی فنا ہو جاتی ہے مگر مقتضائے طبیعت نومیہ موت ہے اسواسطے کہ نفس کہ جو اشرف جزا انسان ہے اسکی سعادت موقوف موت پر ہے اور افراد نومیہ کا وجود عالم ارض مقتضی ہے کہ چند ہوں اور چند نہ ہوں ہو کہ فنا ہو جائے لیکن حق یہ ہے کہ یہ موت اتمام فعل طبیعت ہے اور اسپر مصالح مرتب ہوتے ہیں کہ موت خود کوئی مفید شے ہے۔ اور ان مصالح سے یہ ہے کہ عالم میں دوسرے دن کی گنجائش ہو حضرت حن بصری سے مروی ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے آدم و ذریۃ آدم کو پیدا کیا تو ملائکہ نے عرض کیا کہ یا اللہ زمین انکے لئے وسعت نہ رکھے گی ارشاد ہوا کہ جم موت کو پیدا کرینگے عرض کیا ملائکہ نے تو پھر زندگی انکی بے لطف ہو جاوے گی ارشاد ہوا کہ ہم آرزو کو پیدا کر دیں گے۔

اہل اسلام کیلئے احادیث مختلف پیش کر کے ہم بتاتے ہیں کہ کب موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے اور کب جائز ہے حضرت انس سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر آنحضرت نے مجھے موت کی تمنا سے باز نہ رکھا ہوتا تو میں اسکی تمنا کرتا ایسا ہی خیاں سبھی مروی ہے حضرت جابر سے مروی ہے کہ فرمایا موت کی تمنا نہ کرو اسواسطے کہ اس کا محل طلوع سخت ہے اور سعادت سے یہ ہے کہ بندہ کی عمر دراز ہو کہ اللہ اسکو رجوع کی توفیق بخشے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کی تمنا کرنے سے روکا آنحضرت نے اسکی علت کیا ہے حضرت سعد سے اور ایسی ہی ہے حضرت عباس سے ارشاد ہوا کہ موت کی تمنا نہ کرو اسواسطے کہ اگر تم اہل جنت سے ہو تو بقا، تمھارے لئے بہتر ہے اور اگر تم اہل نار سے ہو تو کیونکہ اسکی طرف جلدی کرنے ہو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے نہ تو تم میں سے کوئی موت کی تمنا کرے نہ اسکی دعا مانگے قبل اسکے کہ موت آئے اسواسطے کہ اگر تم میں سے کوئی مر گیا تو اسکے عمل منقطع ہو جائینگے اور شان یہ ہے کہ مومن کی عمر نہیں زائد ہوتی ہے مگر بہتری ہوتی ہے ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات ہر حالت میں بہتر ہے لہذا موت کی تمنا نہ کرے لیکن اس صورت میں جبکہ محض دنیاوی ضرر کے اندیشہ اور دنیاوی مصائب زندہ رہنا وبال ہو تو اسوقت دعا کرنا موت کی ہرگز نہ چاہئے یا یہ خیال ہو کہ میرے عمل میری تنجائش کیلئے کافی ہیں اور اپنی نجات پر وثوق ہو تو اسوقت بھی موت کی تمنا نہ جائیئے بلکہ اس صورت میں کہ زندگی سے عاجز ہو دعا کرے اللہ صلاحتی ما کانت الحیاۃ خیرا لی و توفی ادا کانت الوفاۃ خیرا لی اس معنیوں کے احادیث حضرت انس سے مروی ہیں اور امام احمد و بخاری وغیرہ نے روایت کی ہیں یہ ظاہر ہے کہ مومن کو اگر راحت ہوئی اور اسے شکر کیا تو اجر ہے اگر مصائب میں مبتلا ہوا اور صبر کیا تو اجر ہے اگر زندہ رہا تو عمل صالح اس کے زیادہ ہونگے حدیث شریف میں ہے بخیرا کما اطلق کما عماران

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ
 کہہ دیجئے کہ جو جبرئیل کا دشمن ہے یقیناً جبرئیل نے تو آپ کے قلب پر نازل کیا ہے اللہ کے حکم سے
 مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ مَنْ كَانَ عَدُوًّا
 قرآن جو تصدیق کرنے والا ہے اسکی جو کتب مقدسہ تورات و انجیل و غیرہ کی اور وہ ہدایت ہو اور شہادت ہو ایمان داروں کے
 لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِڪائِلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ
 جو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے تو یقیناً اللہ دشمن ہے منکر دن کا۔

بقیہ صفحہ ۲۰۸۔ احسنکلاماًؑ بہتر لوگ نکھار سے وہ ہیں جو طویل العمر ہوں اور انکے اخلاق اچھے ہوں حضرت
 ابی ہریرہ فرماتے ہیں کہ بنی تضافہ سے دو شخص مسلمان ہوئے ایک جلد شہید ہو گیا دوسرا اوسکے بعد تک زندہ
 رہا پھر مر گیا مگر خواب میں دیکھا گیا کہ وہ جنت میں آگے ہو حضرت سے یہ خواب نبی سے بیان کیا گیا کہ شہید سے و
 آگے کیسے ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اسکے نماز و روزہ کہاں گئے وہ تو زائد ہو گئے تھے بہت سے احادیث سے ثابت
 ہوتا ہے کہ عمر کی درازی بخش کا باعث ہے باوجود اسکے بعض صحابہ نے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا
 کی اپنے مرثی کی تو اوسکا موقع یہ ہے کہ دینی فتنہ کا اندیشہ تھا چنانچہ حضرت عمر نے اپنی وفات کی دعا کی اور
 اُسی سال نکاح انتقال ہوا دیگر صحابہ کے متعلق بھی مروی ہے کہ وہ اپنے اور اپنے اعزہ کی موت کا طالب تھے
 حضرت ابی ہریرہ سن ساٹھ سے قبل اُٹھ جانے کی دعا کرتے تھے کیونکہ سترہمین حضرت امام حسین کا فتنہ ہوا
 احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب لوگوں کی بادشاہت ہو اور فیصلہ فروخت ہونے لگے اور نوجوان قرآن
 کو رلگ سے پڑھنے لگیں تو موت کی تمنا کرنا چاہیے قرب قیامت میں قبر کے پاس کھڑے ہو کے کہا جاوے گا کہ
 کاش میں بھی قبر میں ہوتا۔

حاصل یہ ہے کہ جب دینی فتنہ ہو تو اس وقت موت کی تمنا جائز ہے ورنہ ممنوع و منہی عنہ ہے۔ اللہم ادا
 اردت بالناس فتنۃ فاقبضنی الیک غیر مفتون اللہم آمین۔

اُس فتنہ کو مناسبت قصص سابقہ سے جو یہ ایک جواب ہے اقوال یہود کا اس مرتبہ اختلاف ہے کہ کس
 قول کا اور کسے قول کا یہ جواب ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ یہود
 کے علماء کے پاس گئے اور جبرئیل کی حالت دریافت کی انھوں نے کہا کہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے ہمارے
 پوشیدہ باتوں کی خبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیا کرتا ہے اور ایسی وجہ سے عذاب نازل ہوئے اور اقوام
 دہشادی گئیں اور میکائیل شادابی و مسامتہ کا ذریعہ ہیں حضرت عمر نے کہا کہ اونکا مرتبہ اللہ کے نزدیک
 کیا ہے انھوں نے جواب دیا کہ جبرئیل سیدھے جانب اللہ کے ہے اور میکائیل جانب چپ اور ان دونوں کے

درمیان عداوت ہو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو تو یقیناً وہ ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں اور تم گدھوں سے بھی زیادہ منکر ہو اور جو کوئی انہیں سے کسی کا بھی عداوت ہو وہ اللہ کا دشمن ہے پھر حضرت عمرؓ پر جواب دیکے لوٹ آئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ تم سے پہلے آگئے اہل کسا انہوں نے کہ اللہ نے عمرؓ کی موافقت میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابن صدر یا کہ بارہ بن یہ آیت آئی ہے اُسے آنحضرتؐ سے کہا کہ تم جبرئیلؑ وحی لے کے نازل ہوتے ہیں وہ تو ہمارے دشمن ہیں جب بخت نصر پیدا ہوا تو اُس زمانہ کے نبیؐ نے اُسکی پیدائش کی خبر دی اور کہا کہ اس سے بنی اسرائیل کی ہلاکی اور بیت المقدس کی بربادی ہوگی لوگوں کا مشورہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیا جائے جو شخص اسکے ہلاک کرنے کے لئے گیا او سکو جبرئیلؑ نے راہ میں روک کے کہا کہ اگر اللہ کو ایسا لڑکا پیدا کرنا ہے تو تو اسکو از نہیں سکتا ہے اور اگر یہ وہ لڑکا نہیں ہے تو مفت ایک خون کرتا ہے چنانچہ وہ شخص اس بات سے معقول ہو کے واپس چلا آیا اگر جبرئیلؑ نہ روکتے تو وہ بخت نصر کو مار ڈالتا اور سطح بنی اسرائیل کی تباہی نہ ہوتی اسپر یہ آیت نازل ہوئی جبرئیلؑ میں تیرہ لغات ہیں افصح اور اشهر بروزن تبدیل ہے لفظ عجی ہے اور اسکو الفاظ عربی سے ماخوذ کر نکالت بعد الوقع سے کم نہیں ہے۔

فَاتَّخَذَهُ نَزْلًا عَلَىٰ قَلْبِكَ - تو یقیناً درود ہے کہ جسے آتا رہتا ہے قلب پر یہ جواب شرط ہے خواہ قائم مقام جواب شرط کے ہے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے یا حقیقہ خود جواب شرط اول ضمیر راجع جبرئیلؑ کی طرف ہے دوسرے قرآن کی طرف ہو کہ اُسے نازل کیا قرآن کو تمہارے قلب پر۔

حاصل یہ ہو کہ عداوت جبرئیلؑ سے اسوجہ سے نہیں ہے جسکو وہ ظاہر کرنے ہیں بلکہ سبب عداوت کا یہ ہے کہ وہ تمہارے لئے صنعت بخشل در ذریعہ وحی ہے تمہاری عداوت کی وجہ سے جبرئیلؑ سے بھی عداوت ہے ورنہ وہ جانتے ہیں کہ ایک فرشتہ مقرب اللہ کی عداوت کون کر سکتا ہے۔

بِإِذْنِ اللَّهِ یعنی اللہ کے حکم سے یا اللہ کے علم سے یا اللہ کے قدرت دینے کے باعث یا اس کے اختیار دینے کے باعث یا سہولت دینے کے باعث اذن سب معنی کو مختل ہے مگر معنی اول اولیٰ ہوا و ترسلہ معنی آخر یعنی تسہیل کو مقدم سمجھنے ہیں واللہ اعلم۔

وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ - ہر ایت و بشارت ہو یا اندرون کیلئے میعطوت ہے۔
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ - مراد مصدقہ قائلما بین یدییہ قرآن شریف اور تورات اور دیگر کتب سابقہ ہیں اس سے حضرت جبرئیلؑ کی فضیلت گرد و ملاکہ ثبات ہوتی ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ - عداوت کا ضد ہے صدیق دوست کو کہتے ہیں عداوت دشمنی ہو

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بُيِّنًا وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ

اور یقیناً اللہ نے تم پر کتابیں نازل کیں اور اس سے منکر نہیں ہیں مگر گنہگار لوگ

مراد اس سے ضرر ہو چکا اور اس کے ارادہ میں لگے رہنا یہ اللہ کی عداوت میں منافی حقیقی کا یا یا جانتا ہے اس واسطے معنی مجازی لئے جاتے ہیں۔ یعنی اللہ کی عداوت اس کی نافرمانی کرنا اور اس کے دوستوں کی دشمنی کرنا اور دیگر مذکورین سے عداوت بالمعنی الحقیقی کی ممکن ہے اگرچہ عداوت کی تاثیر نہ ہو اور جس سے عداوت کی جائے اسکو کچھ ضرر نہ پہونچ سکتا ہو۔

جبرئیل و میکائیل ان دونوں فرشتوں کا ذکر اسی وجہ سے ہے جسکا تذکرہ شان نزول میں اور گذر چکا ہو یا ان کی بزرگی اور شرافت ظاہر کرنے کے لئے یا اس سے کہ ان دونوں میں سے ایک کی عداوت مستلزم دوسرے کی عداوت کے ہوتی ہے کوئی یہ چاہے کہ جبرئیل سے عداوت کرے اور میکائیل سے خوش رہے تو یہ بیکار ہے دونوں کی عداوت یکساں ہے ایک ہی کی عداوت کے باعث سے تکفیر ہو جاتی ہے جبرئیل و میکائیل ایسے ہی اسرافیل اور عزرائیل فرشتگان مقررین ہیں ان کے صفات کی جانب اشارہ ہو چکا ہے بعض کا خیال ہے کہ جبرئیل عقل فعال ہے اور میکائیل روح فلک سادس ہے اور عقل ہے کہ جس سے افاضہ نفس بنائیہ پر ہوتا ہے اور وہ موکل ہے از اذن خلایق پر اور اسرافیل روح فلک رابع اور اسکی عقل ہے اور افاضہ اسکا نفس حیوانیہ کلیہ پر ہے جو موکل ہے حیوانات کا اور عزرائیل روح فلک سابع ہے اور اوج انسانیت پر موکل ہے ان سب کی تاثیرات عوالم میں بانو بواطر ہوتے ہیں یا بلا واسطہ۔ بعض سادہ لوح مفسرین نے لکھا ہے کہ جبرئیل و میکائیل بلکہ کل فرشتگان محض اللہ کے اوصاف ہیں دس یہود ان کو متحیر موجود سمجھے اس بجا یہ نے اس امر کے تعقل میں تو صواب پایا کہ یہ صفات ہیں مگر ان میں اور انسان میں فرق بتایا حالانکہ صفات ہونے میں دونوں مشترک ہیں بلکہ انسان تو کامل صفت ہے اور فرشتہ تو ناقص صفت ہے پھر اس آیت سے وہ کہتے ہیں کہ جبرئیل و میکائیل کا ثبوت نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہود کے زعم کے موافق ہے مگر سابق و سابق قرآن کا اسکے بالکل خلاف ہے جبرئیل و میکائیل بطور علم اور نام کے بولے گئے ہیں جطرح ابراہیم و اسمعیل کوئی کہہ کے کہ لول سے صفت خلعت اور دوسرے سے عیناً مراد ہے تو اسکا کیا علاج ہے۔

من کان کی جزا ہو کا فرغ و فہم کہ جو انکا عدد ہے وہ کافر ہے اس پر گے کا جملہ دلالت کرتا ہے ان اللہ عد و لکما فرین۔ الف لام یہاں پر عہد کا ہے اور مراد اس سے مخصوص گروہ یہود ہیں۔ یہ بھی آیت ابن صوریہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے وہ آنحضرت سے کہتا تھا کہ تم کوئی بات ایسی نہیں لائے

اَوَكَلِمَا عَمِدٌ وَاَعْمَدَانِبَكَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ
 کیا جب کبھی انھوں نے کوئی عہد کیا تو انہیں سے ایک فریق نے اُسکو بھینک دیا بلکہ اکثر انکے ایمان نہیں لائے ہیں
 وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذُوْهُ
 اور جب انکے پاس رسول کریم آئے اللہ کی طرف سے جو تصدیق کرنے والے ہیں اسکی جوار انکے پاس ہر ایک فریق نے
 مِّنَ الدِّیْنِ اَوْ تَوَلَّوْا الْکِتٰبَ قَوْلَ کِتٰبِ اللّٰهِ وَرَاٰهُمُ خٰطُوْنَ کَاھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ
 ان میں سے جن کو کتاب دی گئی پس پشت ڈال دیا گویا وہ جانتے نہیں ہیں۔

بقیہ صفحہ ۲۱۱ جس کو ہم جانتے ہوں اور نہ کوئی ایسی آیات تم پر نازل ہوئیں جن کی ہم یہودی کر سکیں تو اسکا
 جواب دیا گیا کہ اللہ تو کھلی ہوئی نشانیاں معجزات و آیات نازل فرما گئے جن کو شخص جان سکتا ہو اور
 جن کی یہودی شخص کر سکتا ہے مگر تم جو نہ گناہ کی حد تک پہنچ گئے ہو تم اس سے اعراض کرتے ہو اور ایمان
 ناسقون کے الف لام سے وہی متمر وہیں فسق جس گناہ کیلئے بولا جاتا ہے مراد وہاں اُس گناہ کی حد اعلیٰ
 ہوتی ہے جیسا کہا جاتا ہو فسق فلان باز ناغینے اسنے زنا کا گناہ کیا کہ حد درجہ اسکی حرکت اس گناہ میں
 قبیح ہوگی اور اسکی عادت عام ہوگی واللہ اعلم۔

یہود کے چار فرقے تھے ایک تو ایمان لائے اور تورات پر انھوں نے عمل کیا وہ تھوڑے تھے اس فرقہ کا
 بڑا قول بل اکثر ہم لایو منون سے چلتا ہے کہ اکثر کے مقابل اقل ایمان لانے والے تھے دوسرا فرقہ وہ تھا
 جس نے عہد کو بھینک دیا بالا اعلان اور انکے نافرمانی اور سجا و ز حد و اللہ بالکل ظاہر ہو گئے اسکی جانب
 نیند خریق منہ سے اشارہ کیا گیا تیسرا فرقہ وہ تھا جس نے بالا اعلان تو تورات کے خلاف نہیں کیا نہ
 بالا اعلان نافرمانی اور سجا و ز حد و اللہ سے کیا لیکن نیند عہد لے لئے محض جہالت سے ہو گیا جو تھا فرقہ وہ تھا کہ
 جو بالا اعلان تورات کے ساتھ متک کرتا تھا مگر اٹنا نیند عہد کرتا تھا وہ لوگ تھے جو جاہل نہ تھے مگر جاہل
 بن گئے تھے اس آیت میں اُن سب کی جانب اشارہ کیا گیا ہو۔

بعض لوگ کہتے ہیں او کلما عہد والی آیت مالک بن صیف کے بارہ میں نازل ہوئی اُسے کہا کہ خدا نے
 کبھی عہد نہیں لیا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائیں اور نہ اس پر کوئی بیعت ہو اے جیسے ہم
 پابند ہوں بعض کہتے ہیں یہ آیت ان یہود کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے قبل تشریف آور لی حضرت
 کے عہد کیا تھا کہ جب نبی تشریف لاوینگے تو ہم ان پر ایمان لاوینگے اور مشرکین عرب کے مقابل میں انکی مدد
 کرنیگے لیکن جب تشریف لائے تو انھوں نے انکار کیا۔

وَاتَّبِعُوا مَا تَلُوا الشَّيَاطِينَ عَلَىٰ مُلْكٍ سَلِيمٍ وَمَا كَفَرُوا

اور پیروی کی ان لوگوں نے اس کی جسکو شیاطین نے سلیمان کی بادشاہت میں پڑھا
سَلِيمٍ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ
اور سلیم نے کفر نہیں کیا اور لیکن شیاطین نے کفر کیا کہ جو لوگوں کو سحر سکھا یا اور اتباع کی انھوں نے

وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ط

اس شے کی جو اُنار گیا دفرشتوں پر بابل میں کہ جو ہاروت و ماروت تھے۔

بقیہ صفحہ ۲۱۲ بعض کہتے ہیں کہ یہ نبی قرظیہ و بنی نصیر کے ایسے یہود کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کہ وہ انحضرت
سے عہد کر کے تقض عہد کرتے تھے۔

نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ - بند کے معنی پھینکنے کے ہیں کوئی مجسم شے ڈالی جاوے تو اُسکو بند کہتے ہیں اور اکثر
خمس شے میں اسکا استعمال ہوتا ہے عہد کے تقض میں مجازاً اسکا استعمال ہوا ہے۔

بَلْ أَكْتَرُهُمْ - مراد یا تو عہد توڑنے والے ہیں یا سوا ان ناقضین عہد کے مراد ہیں دونوں محمل ہیں۔

رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ - مراد یا تو حضرت عیسیٰ ہیں یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور احتمال دونوں کا ہر
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ سے مراد صرف تورات بھی ہو سکتی ہے اور تمام کتب الہیہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

أَوْ تَوَّاءُ لَكِنَّا - ب سے مراد تورات ہی اور وہ یہود ہیں جو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقت میں تھے۔

کِتَابِ اللَّهِ سے مراد یا تو تورات ہے یا قرآن ہے مگر لفظ ہر تورات معلوم ہوتی ہے مقصود یہ ہر کہ تورات

جب قرآن کے مطابق دیکھی تو انھوں نے تورات کو بھی پس پشت ڈال دیا اور کتاب صفت بن برخا اور

سحر ہاروت و ماروت کو اختیار کیا اس سے اور قرآن سے مطابقت نہیں ہو سکتی تھی۔

اس آیت کا عطف یا تو بند ذوق پر ہے یا عطف قصہ کا قصہ پر ہوا مراد اس فعل کی ضمیر فاعل سے یا تو

وہ یہود ہیں جو حضرت سلیمان کے وقت میں تھے یا وہ ہیں جو انحضرت کے وقت میں تھے اور اتباع سے

مراد تو غل یا اقتدار ہے اور مراد شیاطین یا تو مردۃ الجن ہیں جو مذومی اور راکس ہیں یہ قول اکثر اہل سنت

کا ہے یا شیاطین انس ہیں یہ مذہب معتزلہ کا ہے۔ سلیمان لفظ عجی ہے مثل ہامان اور ہامان کے مراد ہامان

سلیمان بن داؤد ہیں اور علی ملوک سلیمان میں علی بعضی کے ہے اور عہد محذوف ہو یعنی زمانہ ملک

سلیمان میں یا ملک مجاز عہد سے ہے اور ما تلو سے مراد سحر ہے جسکے متعلق بیان آتا ہے رموی ہے

حضرت سلیمان کے زمانہ میں شیاطین ملا علی کی باؤن کہ جاثنگ سن سکتے تھے۔ سن کے اور باقی اپنی طرف

وَمَا يُعْلِنُ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرُوا

اور وہ سکھاتے نہیں تھے جب تک کہ نہ دیتے کہ ہم آزمائش ہیں لہذا تم کفر نہ کرو

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهَا مَا يَصِفُ قُونَبُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ

پھر ان دونوں سے وہ لوگ سیکھتے تھے جس سے تفریق درمیان جو روخاوند کے ہو جاوے اور وہ

بِضَارَيْنَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَتَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ

یکوضر ہو سکتا نہیں تھے کسی سے مگر اللہ کے اذن سے اور سیکھتے ہیں وہ جو ان کو

وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ

مضر کرے نہ کہ وہ نفع کرے انکو اور یقیناً انکو معلوم ہو گیا ہر جو شے وہ خریدتے ہیں اس میں ان کو

مِنْ خَلْقٍ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا نَسْمَعُ نَحْنُ

آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہے اور یقیناً بہت ہی بُری ہر دہ سے جسکو وہ خریدتے ہیں اپنی جانوں کے عوض میں کاشہ جانتے تھے

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَآتَوْا الْحَقَّ مِمَّا كَانُوا يَعْلَمُونَ

اگر وہ یقین لاتے اور پھر گاری کرتے تو بلاشبہ اللہ کے پاس انکا بہتر ثواب تھا کاش کہ وہ جانتے ہوتے

بقیہ ص ۲۱۳ اگر وہ کے لایا کرتے تھے اس سے فتنہ و فساد کا اندیشہ تھا حضرت سلیمان کے حکم سے وہ کھلیات

انکے تخت کے نیچے دفن کر دی گئی جب انکا انتقال ہوا تو وہ مدفون شیاطین کے بتانے سے لوگوں کو ہاتھ

لگ گیا اس میں حضرت سلیمان کا کوئی قصور نہ تھا جب آنحضرت نے انبیاء اکرام کے ذکر میں حضرت سلیمان کا

بھی ذکر کیا تو یہود کہنے لگے کہ یہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انبیاء کے ذکر میں ایک بادشاہ کا ذکر کرتے ہیں جو

ساحر تھا اور ہوا پر چڑھا جھرتا تھا تو اس کے رد کرنے کیلئے اور حضرت سلیمان کا دہن پاک کرنے کی غرض سے

ارشاد ہوا کہ کفر سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا کہ لوگوں کو سحر تعلیم کیا کفر سلیمان

سے مراد یہاں سحر ہے اس واسطے کہ تہجد سحر کا کفر ہوتا ہے اور سحر سحر کا مصلہ ہے سحر کے معنی یہ ہیں کہ ابدی

اخفی ظاہر کیا اس سے کہ جو پوشیدہ تھی اور استعمال سحر کا ہر اوس شے میں ہوتا ہے جسکا سبب خفی ہو اور

باریک ہو اور مراد اس سے وہ عجیب و نادر بات ہے جو مشابہ خارق عادت کے ہو مگر خارق عادت نہیں

کیونکہ سحر میں تعلیم و تعلیم کا سلسلہ جاری ہوتا ہے اور اسکی تحصیل میں مدد لی جاتی ہے اکثر شیاطین کی تہمت

سے سحر ہوتا ہے اور احوال فیجہ کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے اسلطان شرکیہ اور عبادت کو اکاب کی اور انکے تقریبات کو

مستحق سمجھنا ہی کیا کم گناہ ہر اور وہ عجیب باتیں جو آلات سائنس سے یا مرکبات علم ہند کے یا ادویہ سے یا
 ٹھٹھندی سے واقع ہوتے ہیں انکو سحر کہنا مجاز ہے اگرچہ یہ بھی ممنوع ہیں اور نودی وغیرہ نے اسکی حرمت
 کی تصریح کی ہے بعض نے سمرنیم کو بھی سحر میں داخل کیا ہے اور اسکو بھی حرام کہا ہے مگر عدم حوازم کے
 سب قائل ہیں۔

سحر کی حقیقت سے ابو جعفر استرکبادی نے اشاعرہ میں سے اور مغنزلہ نے انکار کیا ہے اور وہ کہتے ہیں
 کہ ایک قسم کا تخیل ہے اور اگر اسکی حقیقت ثابت ہو جاوے تو پھر معجزہ بین اور امین کوئی فرق نہیں ہے مگر یہ
 شبہ انکا ہے ورنہ معجزہ میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری نہیں ہو سکتا ہے تحدی اور دعوی نبوت اسکے ساتھ
 نہیں ہوتا، ایسے امیر جو مخفقات شمار اروح طیبہ میں سحر سے پیدا نہیں ہو سکتے جس طرح ملائکہ اروح صالحہ اور
 اذقیقین سے مانوس درویشان ہوتے ہیں اس طرح شیاطین اپنے جنس کے غضبناک اور بدکاروں سے اہل
 ہوتے ہیں اور ان کی اعانت کرتے ہیں اسکی حقیقت کا انکار دلائل موقوف شیاطین کی حقیقت کے انکار
 پر ہے اگر امین شبہ نہیں تو اسکی حقیقت کا ہونا مشتبہ نہیں ہے ورنہ اسکی حقیقت اسقدر ہے جو شعبہ
 اور سائنس کے امور کی حقیقت ہی بلکہ اس سے بھی ضعیف تر مگر ساحر کے بارہ میں امام ابو منصور نے حکم کفر
 کا دیا ہے اسوجہ سے سمرنیم وغیرہ کل کو علمائے سحر میں داخل کر کے تکفیر کی ہے لیکن عند التحقیق لازم ہے
 کہ اسکی حقیقت دریافت کیجاوے اگر اس سے ارتکاب ان امور کا ہوا ہے جس سے شرک الطایمان کی تردید
 ہوتی ہے تو بلاشبہ کفر ہے ورنہ کفر ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے پھر جو سحر کفر ہے اسکا فاعل مستوجب قتل
 ہے مردار ڈالا جاوے اور عورت کو تو بہ کر لائی جاوے اور قید کیجاوے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ساحر
 کی توبہ قبول نہیں ہے اسوجہ سے کہ صحابہ سے ایسے ہی مروی ہوا ہے کہ توبہ قبول نہیں کی گئی بلکہ قتل کر دیا
 گیا البتہ وہ شخص جسے کما کمدت ہوئی کہ میں سحر کا عمل کرتا تھا مگر اب نہیں کرتا چھوڑ چکا تو اسکی بات
 مانی جاوے گی وہ قتل نہ کیا جاوے گا۔ شافعیہ کہتے ہیں قتل نہ کیا جاوے گا اسواسطے کہ آنحضرت نے یہودیہ
 ساحر کو قتل نہیں کیا حضرت موسیٰ کے ساحر و نکلی توبہ قبول کی گئی۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ امور جبکہ
 موجب کفر ہوں تو مسلمان سے سرزد ہونے کے بعد ارتداد کا باعث ہوتے ہیں ورنہ حکم اور ہے اور کافر
 اصلی کا حکم اور ہے یہودیہ کا قتل نہ کیا جانا اور ساحر ان موسیٰ کی توبہ مقبول ہونا مسلمزم کے حکم کے
 نہیں ہے اگرچہ توبہ کے نامقبول کئے جائیں بھی وجہ معتول نہیں ہے۔ اسل میں اختلاف ہے کہ آیا تعلیم و
 تعلم جائز ہے یا نہیں بعض حرام بعض مکروہ بعض مباح کہتے ہیں محقق یہی ہے خصوصاً ایسے موقع پر جہاں
 سحر سے افساد دین میں پڑتا ہو سحر کا سیکھنا مباح بلکہ لازم ہو جاتا ہے سحر کا اطلاق عجیب شے پر اور

کلام خوشگوار بھی ہوتا ہے مگر یہ مجازی ہے واللہ اعلم۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ۔ اور انباع کرتے ہیں اس شے کی جو نازل کیا گیا دونوں فرشتوں پر بابل کے جو ہاروت و ماروت ہیں۔ اس جملہ کا عطف مایلو پر ہے مراد اس سے وہ حالت ان بنی اسرائیل کی ہے کہ جب زمانہ ادریس میں جادوگری کی جانب بائل ہوئے تھے بمقام بابل ورودہ دونوں ملک ہاروت و ماروت ہیں ملک کی دو قرأتیں ہیں ایک ملک مفتوح لام جسکے معنی فرشتہ کے ہیں دوسرے ملک کسبر لام جسکے معنی بادشاہ کے ہیں مراد دونوں صورتوں میں دو شخص ہیں جنکے نام ہاروت و ماروت ہیں اسمین اختلاف ہے کہ یہ نیک تھے یا بد بعض کا خیال ہے کہ دوا بادشاہ تھے اور نیک سیرت تھے بعض کہتے ہیں کہ دونوں بد اطوار تھے چونکہ نیکو کو فرشتہ کہتے ہیں اوسط ان پر اطلاق فرشتہ کا ہوا اور جو ملک پڑھتے ہیں یعنی بادشاہ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں بد اطوار تھے بابل سے مراد ملک عراق کا ایک مقام ہے جو مشہور ہے بعض نے اسکو کوفہ کے قریب اور بعض نے دوسرے مقامات میں بابل بتایا ہے یہ پائے تخت غرود کا تھا یہاں ہمیشہ سے سحر کا چرچا رہا ہے چنانچہ غرود کے وقت کے سحر بہت سے ہیں مشہور ہے کہ بابل کے دروازہ پر ایک بطخ بنی ہوئی تھی کہ جب کوئی اجنبی آتا تھا اسمین ایک آواز پیدا ہوتی تھی جس سے تمام شہر کے لوگ واقف ہو جاتے تھے اور چور یا دشمن چھپ پھپھین سکتا تھا دوسرے ایک نقارہ تھا کہ جب اسپر کوئی چوب مارتا تھا تو چور کا نشان معلوم ہو جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک آئینہ تھا کہ جب کوئی عزیز غائب ہو جاتا تھا جب اسمین منہ دیکھتا تھا وہ عزیز سامنے آ جاتا تھا اور اسکی کیفیت اور مقام دکھائی دیتا تھا اسی طرح ایک حوض تھا کہ جس وقت سیر کر نیولے آتے تھے اپنے ساتھ ہر ایک گلاس میں مختلف شربت لاتے تھے اور سب اس حوض میں ڈال دیتے تھے جب ساتی گلاس اس حوض میں ڈالتا اسی کا لایا ہوا شربت نکلتا تھا اسبطح بہت سے عجائبات تھے جو لوگ ان امور سے واقف نہیں وہ تعجب کرتے ہیں جو واقف ہیں انکو تعجب نہیں ہے سحر اگر حروف کی ترکیب سے مرکب ہوتا ہے تو اسکو چاہے کہ گالی پر قیاس کیجئے کہ گالی کا اثر فوراً جسم میں ہوتا ہے اور خلط کو زہر کر دیتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ ذہن کو اسکی جانب توجہ ہو کہ یہ گالی ہے ورنہ بہت سے لوگ ہیں کہ جب کا گالی سنجیدہ و سلام ہے وہ بجائے متاثر ہونے کے خوش ہوتے اور دل لگی سمجھتے ہیں اسبطح وہ الفاظ ہیں جو سحر استعمال کرتے ہیں انکو بلانیت و تصور اس امر کے کہ یہ سحر ہے پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اسکی مثال بالکل ادویہ کی ایسی ہو کہ اسکی تاثیرات بھی ہیں مگر ان کی تاثیرات کے شرائط میں ان شرائط کے ساتھ اگر استعمال ہو تو بہت زائد فوائد ہیں جو حالت طب کی ہے وہ ہی حالت سحر کی ہے۔ اب جاننے والے

اوسکے کم ہین عطا ئی اور اپنے اساتذہ کے خوشہ چین ہین دو دوائیتے ہین یہ تعوید کہتے ہین مگر جزا ثیرات کو اکب وغیرہ سے آگاہ ہین وہ ان تاثیرات کے لحاظ کرنے کے بعد دو اور دعا دیتے ہین اسکی تاثیر بہت ہوتی ہے یون بھی ہوتی ہے مگر کم بلکہ بعض مواقع میں بہت ہی کم گویا کہ نہیں ہوتی ہر اسکی وجہ یہ ہے کہ جن شرط کا اعتبار کرنا چاہئے ان کو استعمال کرنے والا نہیں سمجھتا ہے بہر حال اس صورت میں جو کیفیت طلب کی ہو وہ ہی سحر کی ہو بعض مواقع پر سحر بذریعہ توجہ کے ہوتا ہے جیسے ہاتھ پر سیاہی لگا کے چھوئے لڑکے کو اسمین غور کرتے ہین اور پہلے سے اس سے کہہ دیتے ہین کہ بادشاہ آئیگا دربار ہوگا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دریافت کرتے جاتے ہین یہاں تک کہ قوت تخیل پیدا کر دیتی ہے مین نے خود دیکھا کہ ایک عرب نے حیدرآباد میں یہ سحر کیا اور ایک لڑکے کو اس طرح معمول بنایا میرے ایک بھائی مامون زاد مدینہ منورہ ہین تھے انکو اس لڑکے نے دیکھا انہیں تھا ان کو بلایا ان کی حالت دریافت کی معلوم ہوا کہ وہ علیل ہین واقعہ بھی ایسا ہی ہوا اسی طرح کی کامل صنعت وہ تھی جو بابل کا آئینہ تھا ایسے ہی سحر کبھی گنڈون تعویدون کے علاوہ دوز سے ہوتا ہے جیسے جنگ کے زمانہ میں معیار ہین نے سائنس کے ذریعے اور کمپادی زربکب کے سبب بہت سے عجائبات دکھائے یہ سب سحر ہین مگر بابل کے ہاروت و ماروت نے بہت بڑا سحر نہیں کیا تھا بلکہ محض جبرائی ڈالنے کے اعمال معلوم تھے اس جگہ ایک زبان زد قصہ یہ بھی ہے کہ ہاروت و ماروت دوزخ شہ میں انسان کو مرکب فحال ذمیمہ کا دیکھ کے تکبر کرنے لگے اللہ نے انکو قوامی بشری عطا کئے وہ زمین پر آئے ایک عورت زہر دہی اُسپر عاشق ہوئے اسکو آسمان پر جانیکا عمل بتا دیا وہ تو اڑ گئی یہ عذاب میں مبتلا ہوئے اس قصہ کو اکثر مفسرین نے حاصل بنا یا ہے قواعد شرعیہ کے بھی یہ مخالف ہے یہ یہود سے نہیں آیا ہے بلکہ مجوس میں یہ قصہ مشہور ہے۔ بعض کتب متبرہ مثل مسند امام احمد حنبل وغیرہ میں بھی یہ قصہ مذکور ہے جہاں تک تحقیق کی گئی یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ قصہ مثل حدیث خرافہ اور ام زرع کے جگو شمایل ترمذی میں لکھا ہو بطور حکایت کے ذکر کیا ہے روایات کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ جو قصہ بطور حکایت کے ذکر کیا گیا ہو وہ بھی صحیح ہو بعض کبار نے اسکو بطور مثل کے سمجھا ہے مثلاً دونوں ملک سے مراد روح اور قلب پر زہرہ سے مراد نفس ہو نفس بوجہ روح و قلب کے مغلوب ہونے کے غالب ہو گیا اور وہ دونوں عذاب دنیاوی میں مبتلا ہو گئے یہ مثال اسکی ہے کہ فرشتہ خلعت میں بوجہ معاصی کے قعر ذلت میں گرتا ہے اور طوایف و بدکار بھی بوجہ ذکر الہی کے آسمان تبارہ ہو جاتی ہے بہر حال اس قصہ کی صورت ظاہری پر کوئی اصل نہیں ہے۔

وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ
وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ
کدہسی کو نہ سکھاتے یہاں تک کہ کہہ دیتے کہ ہم قنہ ہین لہذا تم کا فرمت ہو
اس قسم کی آزمائش اللہ نے اس زمانہ کے لوگوں کی کی تھی بعض کہتے ہین کہ اس زمانہ میں ساحرون کی کثرت تھی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا

اے ایمان والو نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنو اور کافروں کے لئے

وَأَسْمِعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ

در دناک عذاب ہے

بقیہ صفحہ ۲۱۷۔ اس واسطے وہ انکے دفع کرنے کے لئے عمل کرتے تھے دوسروں کو روکتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم و تعلم سے اگر منفعت دینی ہو تو جائز ہے اور حین منفعت دینی نہیں بلکہ کفر و شرک کی باتیں ہیں تو وہ کفر ہے جیسا کہ فلا تکفر سے معلوم ہوتا ہے پھر وہ دونوں وہی سکھاتے تھے جس سے جدائی ڈال دین مرد میں اور اسکی بیوی میں وہ اس سے کیسکو ضرر نہیں پہنچاتے بجز خدا کے حکم کے اور اُسے سیکھتے تھے وہ لوگ اُس شے کو جو انکو نقصان دہ تھی اور انکو نفع مند نہ تھی اور بلاشبہ وہ جانتے ہیں کہ جس نے جادو کو سکھا اور اسکو مول لیا اسکے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہے اور یقیناً وہ شے بہت ہی بُری ہے جسکو اُنھوں نے اپنی نفسوں کی منفعت کو دیکھ کر خرابا ہے کاس وہ جانتے ہوتے تو وہ ضلالت ایمان و ہدایت پر اختیار کرتے اس آیت میں ایک لفظ کے کہنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایک لفظ کے ترک کرنا حکم دیا گیا ہے لفظ راعنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اسوجہ سے پہلے اسکے معنی سمجھنا چاہئے بظاہر راع امر کا صیغہ ہے اور ناضیہ جمع کی ہے مفعول ہوا خود ہے رعی سے اپنی مصلحت کیلئے کسی کی حفاظت کرنے کو رعی کہتے ہیں۔ چاہے جس کسی کی حفاظت کی جاوے وہ خود بھی عاقل ہو یا نہ ہو یہاں تک کہ چرواہے کو بھی راعی کہتے ہیں۔ اور امیر و والی و محافظ کو بھی راعی کہتے ہیں اور کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ میں اسی معنی کے ارشاد فرمایا گیا ہے اس جگہ اس معنی میں تو کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ البتہ باب مفاعلتہ سے ہونے کے باعث بوسے مساوات پائی جاتی ہے حالانکہ آنحضرت کی شان اس سے عالی ہے کہ آپ کا کوئی راعی غیر خدا ہو ممکن ہے کہ اسی معنی کے باعث مانعت ہوئی بعض کہتے ہیں کہ انصار کی لغت میں یہ لفظ رعایت سے ماخوذ تھا مگر یہود اسکو سب و شتم کے موضع پر استعمال کرتے تھے اسواسطے اسکی مانعت ہوئی بعض کا گمان ہے کہ یہ یہود نے ایجاد کیا تھا اگرچہ عرب اسکو دوسرے محل پر استعمال کرتے تھے بعض کہتے ہیں کہ انصار اسکو اکثر استعمال کرتے تھے یہود نے اسکو گالی کے معنی میں استعمال کیا اور جب انصار کچھ شبہ کرتے تو وہ کہتے کہ ہم وہی لفظ کہتے ہیں جو تم کہتے ہو بعض کہتے ہیں کہ یہود نے اسکو اختیار کیا اور گالی کے معنی میں استعمال کیا انصار نے بھی یہ لفظ پسند کیا اور کہنے لگے جب یہود نے یہ دیکھا تو آپس میں ہنسنے لگے کہ خوب ہم نے

مسلمانوں کو بنایا ہے۔ ان کے نبی کو ان کے ہی منہ سے بُرا کہلاتے ہیں اول اول اسکو سعد بن عبادہ نے انداز کیا اور فرمایا کہ اب اگر ہمیں منہ سے یہ کلمہ سنا تو ہم تمہارے گردن مار دیں گے۔ انھوں نے عذر کیا کہ یہ لفظ عربی ہے کہ تم بھی استعمال کرتے ہو اللہ نے اُسکے استعمال کی ممانعت کر دی یہود اسکو یا تو رجوعت سے ماخوذ کرتے تھے جسکے معنی جہل و حق کے ہیں الف مد کا ہے یا مصدر مغول مطلق ہے اور نویں وقف کی وجہ سے ساقط ہے یا راعی اسکی اصل ہے اور مراد اس سے جانوروں کا محافظ اور حروا ہے بہر حال اشتباہ کے باعث یہ لفظ ممنوع ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کے اوپر ایسا کوئی لفظ اطلاق نہ کرنا چاہیے جس سے کسر شان ہوتی ہو بلکہ ایسے الفاظ استعمال کرنا چاہیے جو کمالِ نعیم پر دلالت کرتے ہوں اسی وجہ سے ارشاد ہوا و حق لولا انظرنا منہ اسکے کہ انتظار فرمائیے اور تحمل سے کام فرمائیے تساہل نہ کیجیے یا ہماری طرف ملاحظہ فرمائیے دیکھئے تاکہ بات اچھی طرح سنائی دے یا منہ اسکے یہ ہیں کہ فکر و تدبیر سے کام فرمائیے ظاہر ہے کہ مراد اس سے نظر کیجئے۔ زیادہ مناسب ہے پہلے ترک کا حکم ہوا پھر ادب سکھایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقصود تشریع سے یہ ہے کہ جن امور کو آنحضرت منع فرمائیں یا جو دین حق میں ممنوع قرار پا چکا ہے اسکے ترک کو مقدم کرے پھر جو امور ہورات ہیں ان کو اختیار کرے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ جن کے معنی ظاہر نہ ہوں یا مشتبہ ہوں اُن سے ہر شخص کے مقابل تحذیر کرنا چاہیے بالخصوص اہل اسلام کے درمیان مشتبہ الفاظ کا استعمال نہ چاہیے البتہ بعض مواقع پر توریہ کی اجازت ہے وہ ایسے ہی وقت میں جبکہ جان کا یا ایمان کا خطرہ ہو۔ یا عزت و آبرو پر حرف آتا ہو یا کسی ضررِ عظیم کا اندیشہ ہو اور بلا وجہ یا مزاح سے ایسے الفاظ نہ کہنا چاہیے۔

وَلِكَا فِرْيَنَ عَذَابُ الْيَمِّ۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اُن کی اسطرح کی بے ادبی و گستاخی یوں ہی نہ ہاؤے گی بلکہ اسکا بدلہ اگر اس جہان میں نہیں بھی ہوا تو اس عالم کے عذاب سے چٹکارا نہیں ہے۔

مَا يَوْذُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ

اہل کتاب سے نہ وہ لوگ جو مشرک ہیں

چاہتے ہیں وہ لوگ جو مشرک ہیں

أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصِرُ

یہ کہ اترے تم پر کچھ نیکی تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کرتا ہے

بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

اپنی رحمت سے جسکو چاہے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے

اوپر بنی اسرائیل کے ان اعمال کو ذکر کیا ہے جو اکثر ان کے اگلوں نے کیا ہے یہ وہ افعال قبیلہ ہیں جو ہمیں سے سرزد ہوئے انہیں سے سب شتم و انبیا کا بالخصوص صلہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اس قبیح حرکت کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ یہ جو کچھ حرکات ان لوگوں کے ہیں ایسا انہیں ہو کہ کچھ ان کو غلط فہمی ہو بلکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ نبی ہے اور اسکی تعلیم الہی تعلیم ہے اور اسکا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے باوجود اسکے انکو حسد باعث ہو کہ وہ اس امر کو گواہ نہ کریں کہ کسی قسم کی نیکی ان کے علاوہ کسی کو ملے جیسا کہ آگے کی آیت میں صراحتہً ان کے حسد کا ذکر ہے۔ حسد کتنے ہیں کسی خیر کو صاحب خیر سے زائل ہونے کی خواہش کرنے کو یعنی کسی کو دیکھا کہ اسکو دولت ملی ہو یہ چاہنا کہ دولت اس سے جاتی رہے۔ عام اس سے کہ یہ بھی خواہش ہو یا نہ ہو کہ وہ دولت لمبا دے غبطہ کتنے ہیں خیر کو دیکھ کے چاہنا کہ ہلکے بھی اس خیر سے حصہ لے کسی سے زائل ہونے کی خواہش نہ ہو۔ کبھی حسد کا اطلاق غبطہ پر بھی ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لا حسد الا فی شئین حسد و انہیں ہے سوائے دو شخصوں پر ایک تو وہ جسکو اللہ نے علم دیا اور وہ رات دن ہمیں مشغول ہو دوسرے مال اسکو ملا اور وہ کا رخیہ میں رات دن صرف کرتا ہے اور حقوق مالی ادا کرتا رہتا ہو حسد بہت بڑی صفت ہو وہ حسد کو اسطرح نیت و نالہ و کرنا ہے جسطرح آگ سے خشک لکڑی جلنے لگا ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف میں دعا مروی ہوئی ہو ارشاد فرماتے ہیں اللہم اجعلنی محسوداً ولا تجعلنی حاسداً بارخدا یا مجھے ایسا کر کہ لوگ مجھ پر حسد کریں نہ کہ مجھے حسد کرنے والا بنائے حسد سے محفوظ رہوں اور حقہ انعام عطا ہوں کہ لوگوں کو غبطہ ہو۔

یہود کو حسد تھا کہ نبوت بنی اسرائیل کا حق ہے بنی اسماعیل کو نہ ملنی چاہے بنی اسرائیل کے اندر کبھی کوئی پیغمبر ہو یا نہ ہو انکی خواہش تھی کہ بنی اسماعیل اس مکرمت سے محروم رہیں اللہ نے بنی اسماعیل میں سراپا

مَا تَنْتَهِ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَسِيهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَم أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ أَلَمْ تَعْلَم أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ

جاتے ہو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہو کیا تم نہیں جانتے ہو کہ خدا ہی کے لئے ہے
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ
آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور نہ تھا رسے لے خدا کے سوا کوئی دوست ہو اور نہ مددگار۔

بقیہ صفحہ ۲۲۰ غیر و برکت ذات حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا اور دین اسلام جو مجموعہ خیر ہے عطا فرمایا
اور قرآن کریم جو خزن خیرات ہو اسکو نازل کیا یہ یہود کو برا لگا وہ حد کرنے لگے حاسد ہو گئے بھی ہوتا ہے یہ
بھی بد گوئی کرنے لگے رد زافزون ترقی سے متحیر ہو گئے اور سب دشمن بن مصروف ہو گئے جو لاچار دین
کا طریقہ ہو اللہ فرماتا ہے کہ وہ اپنی ہر بانی سے جس شخص کو چاہی خاص کر لے چاہے وہ بنی اسرائیل ہو یا
بنی اسمعیل اس میں حسد کرنا خود کو برباد کرنا ہے خدا کی قدرت میں کس کو دخل ہے اللہ ہی فضل کرے والا ہے اور
فضل بھی بڑا کہ اُسے اولاد اسمعیل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا پیغمبر بھیجا یہ اللہ کا کیا ہوا ہے
اس میں حسد سے کیا فائدہ ہے۔

یہود کہتے تھے کہ اللہ جل شانہ نے کامل شریعت حضرت موسیٰ کو عطا فرمائی اب اس کے منسوخ ہونے کی
کوئی وجہ نہیں ہے یہ شریعت محمدی اسکی ناسخ نہیں ہو سکتی ہے اس واسطے کہ خدا کی شان اس سے اعلیٰ
دارفع ہے کہ وہ ایسا حکم لے جسکے منسوخ کرنے کی اسکو حاجت ہو وہ عالم السراطنی ہر شے سے آگاہ ہو اسکا
کلام قدیم تغیر و تبدل سے پاک و مبرا ہے اس کے احکام ایسے مصالح و حکمت پر مبنی ہیں کہ کبھی ان مصالح میں
تغیر نہیں ہو سکتا ہے اس واسطے کہ جو اسلام کی ضرورت نہیں یہودیت کا فی ہے پھر اسلام کو دیکھئے تو اس میں
خود احکام بدلتے رہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی حکم دیتے ہیں کبھی کوئی حکم دیتے ہیں۔ قرآن
میں آیت نازل ہوتی ہے پھر وہ منسوخ ہو جاتی ہے یہ سب امور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسد کی طرف
شریعت نہیں نازل ہوئی ہے بلکہ محمد نے اپنے دل سے نبی ہو محمد بنی اسمعیل سے ہیں ہمیشہ بنی اسرائیل کے انبیاء
ارسال کرتا رہتا ہوا اب اسکو کیا ضرورت ہو کہ اولاد اسرائیل کو جھوٹ کے اولاد اسمعیل سے نبی بھیجے حالانکہ
اسمعیل کی اولاد سے اولاد اسرائیل ہر طرے فضل ہے اور شرف و عزت میں زیادہ ہے ان سب باتوں کا

جواب اس آیت میں دیدیا گیا ارشاد ہوا کہ اللہ جب کسی شریعت کو منسوخ کرتا ہے یا کسی حکم کو منسوخ کرتا ہے یا کسی قوم سے کسی دوسری قوم میں فضیلت منتقل کرتا ہے تو اس میں حکمت و دقیقہ ہے دوسرا امر پہلے امر سے زیادہ بہتر یا اس کے مثل ہوتا ہے اسکا علم قدیم اول و آخر دونوں کی حکمت کو مشتمل ہے اسکا کلام قدیم و نوں سے تعلق رکھتا ہے اگرچہ متعلق حادث ہو اس کے علم یا کلام میں تغیر نہیں ہوتا بلکہ ان کے متعلقات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے کبھی کسی امر میں غرض حاصل ہوتی ہے کبھی کسی میں غرض مضمر ہوتی ہے جارے میں مثلاً حکم دیا جاتا ہے کہ باہر نہ سوؤ گرمی میں حکم دیا جاتا ہے کہ باہر نہ سو اسی طرح حکیم کہتا ہے کہ شربت لیو نہ پیو جب زکام دفع ہو جاتا ہے تو اسکے پینے کی اجازت دیدیتا ہے حکم بنے والا جانتا ہے کہ یہ حکم عارضی ہے اگرچہ اسکو ظاہر نہیں کرتا ہے اسکے تغیر حکم سے نقصان اس میں نہیں ہوتا ہے اسی طرح کوئی عقد بیع کرتا ہے پھر کوئی امر یا لالچ ہوتا ہے کہ جو موجب افلاک بیع کے ہو بیع کا لزوم جانا رہتا ہے یہ تغیر حکم کی شان ہے ہوا و خدا ہوا حکمت والا اسکی حکمت کا مقتضی ہے کہ جو حکم چاہے اور جب چاہے مناسب اوقات و اقوام و ملکات نزل کرے اسکو اختیار ہے کہ چاہے حکم بدلے یا شریعت بدلے جس طرح اسکو عالم کون و فساد میں تغیر و تبدل کی قدرت ہے اسی طرح وہ اقوام میں تغیر و تبدل کرتا ہے کبھی کسی کی ترقی ہوتی کبھی کسی کی ترقی ہوتی کبھی کوئی قوم تنزل کرتی ہے کبھی کسی قوم کو تنزل ہوتا ہے ایک قوم بادشاہت و حکومت پاتی ہے ۔ کبھی دوسری اسی طرح کبھی کسی قوم میں نبوت و رسالت ہوتی ہے کبھی کسی قوم میں اس بارہین بنی اسرائیل کوئی امارت نہیں ہے نہ اللہ کی قدرت سے یا مہاجر ہے کہ وہ بنی اسمعیل سے کسی کو نبی کرے ۔ مدت تک انبیائے بنی اسرائیل ہوتے چلے آئے اب بنی اسمعیل سے نبی ہوا ہے اور اسکی امت کے علماء مثل انبیائے بنی اسرائیل کے ہیں ۔

ہنگامہ حکم تحویل قبلہ کا ہے کہ بیت المقدس سے قبلہ منسوخ ہو کہ بیت اللہ کی جانب قرار پایا اس کا جواب
ابو مسلم کہتے ہیں کہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کرنے کا حکم بالکلیہ منسوخ نہیں ہوا اس صورت میں نیشخ نہیں
ہے بلکہ تخصیص حکم کی ہے اور وہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے یا مگر کہ بالکلیہ اسکی جانب سجدہ منسوخ نہیں ہوا
اسوجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سمت قبلہ کی دریافت شکل ہو جاوے تو اسوقت بیت المقدس کی طرف بھی
پڑھ سکتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں اسوقت بیت المقدس کی طرف نہیں پڑھ سکتے ہیں بلکہ سمت کعبہ سمجھ کے
بیت المقدس کی طرف پڑھ جاوین تو جائز ہے اس امر میں بیت المقدس اور دوسرا سمت سب برابر ہے۔ اگر
کوئی شخص نیت میں بیت المقدس کو قبلہ سمجھ کر نماز پڑھیں گا تو وہ نماز جائز نہ ہوگی۔
دوسری آیت اذنا جہنم الرسول فقد موایین یدی خوا کہ صدقات۔ جب تم

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کر دو پہلے اس سرگوشی کے صدقات پیش کش کر دو چکم بالاتفاق منوع ہے ابو مسلم کہتے ہیں کہ یہ حکم بوجہ اسکے کہ تم تبد کا سبب اہل کفر یا یہ نہیں کہ منع ہو گیا کیونکہ تعبد اس کا اسوجہ سے تھا کہ منافق اور مومن کے درمیان میں امتیاز حاصل ہو جائے وہ حاصل ہو گیا ہم لوگ کہتے ہیں کہ اگر مقصود اس سے اوسبب اسکا یہ ہی امتیاز تھا تو لازم یہ آتا ہے کہ جس صدقات پیش کش نہ کئے ہوں وہ منافق ہو جاوے حالانکہ سولے حضرت علی کے کسی نے بھی نہ سرگوشی کی نہ صدقہ پیش کیا ظاہر ہے کہ صدقہ نہ پیش کرنے والے کل وہ تھے کہ جو سرگوشی سے بھی محترز ہو گئے وہ تمام صحابہ تھے سو ہے حضرت علی کے اس صورت میں منافق سے کیا امتیاز دفع ہوا جو حکم سب کے زائل ہو جائیگا احتمال نکالا جاوے اصل یہ ہو کہ یہ حکم اہل اسلام کو شاق ہو گیا اسوجہ سے اللہ جل شانہ نے منوع کر دیا اور فائدہ یہ ہو گیا ہے کہ لوگ اذیت دہنے کے عمل کرنے سے باز رہنے لگے واللہ اعلم۔

تیسری آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً وصیۃ لہن واجہم متاعاً الی الحول غیر اخراجہ اس آیت کی والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتوفون بانفسہن اربعۃ استہر وعشر انما رخ ہو کیونکہ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے جس عورت کا خاوند مر جاوے اسکو سال بھر کی عدت رہنا چاہیے دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف چار ماہ دس دن اس حکم میں مصلحت یہ ہو کہ پہلا حکم تو محض اس غرض سے تھا کہ لوگ نکاح فوراً نہ کر لیں عدت چونکہ سال بھر کی ہوتی تھی اسواسطے وہی برقرار رکھی گئی مگر یہ شاق تھی اور فضول تھی کیونکہ مقصود اس سے کم میں حاصل ہوتا تھا کہ برأت رحم ابھی طرح سے ہو جاوے۔ وہ صرف تین ماہ میں معلوم ہو سکتا ہے مگر چونکہ عورت کو مفارقت خاوند سے بچ ہوتا ہے اور کبھی خون حیض بوجہ ریح کے کم ہو جاتا ہے تو وہ مدت جو عموماً ریح کی تھی۔ ۴۴ دن وہ بڑھائے گئے چار ماہ دس دن کی مدت پر التفاق لگئی اسمین صان نسخ ثابت ہوتا ہے ابو مسلم کہتے ہیں کہ اس جگہ سے مطلقاً اس آیت کا عمل متروک نہیں ہوا اسواسطے کہ اگر متوفی عننا زوجہ حامل ہو اور سال بھر کے گزرنے پر تولد ہو تو اس صورت میں سال کی عدت ہو گئی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ عدت اس آیت کے فردین نہیں کہ اس عدت میں اس آیت کا امتثال مقصود ہے کیونکہ حوالان حول کو اس عدت کے گزرنے میں کوئی دخل نہیں ہو۔ بلکہ یہ حاملہ کی عدت جسکا حکم دوسری آیت میں ہے حتیٰ یضعن حملہن یہاں تک کہ وضع حمل اُنکا ہو اگر وضع حمل سال کے اختتام پر نہ ہو تو بھی یہ عدت میں رہیگی اسکو کون ذی ہوش کہہ سکتا ہے کہ حوالان حول کے باعث عدت گذری اور حب اس امر کا اعتبار نہوا تو حکم کہاں سے باقی رہا جو تخصیص ہو بلکہ صراحتہً بہان نسخ ہے دلائل غیر۔

چوتھی آیت فان لیکن منکم عشرون صابرون یغلبوا ما یتین کو الا ان خفت الله عنکم وعلما ان فیکم ضعفان فان لیکن منکم ما مدر صا برة یغلبوا ما یتین نے نسخ کیا پہلے ایک آدمی کو دس کے مقابل درود کو بیس کے مقابل لڑنے کا حکم ہوا پھر ایک کو دس کے مقابل اور سو کو دس کے مقابل رہ گیا بہر حال ان آیات سے بلا تاویل نسخ ثابت ہے۔ اب اصل آیت کی تفسیر کرنا چاہئے تاکہ مفہوم قرآن شریف ظاہر ہو جائے۔

مَسَّ السَّيْفِ یعنی جب کو ہم منسوخ کرتے ہیں تو یہ محمول ہے نسخ حکم پر چاہے تلامذات قائم ہے۔ اَوْ نُنْصِفُہَا محمول ہے نسخ حکم و تلامذات دونوں پر اسکی قرأت اور انسائڈ ہا بھی آئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قلوب سے جاتے رہے اور حفظ نہ رہا اس نسیان کی دو صورتیں ہیں اور دونوں کی اصل ہے یا تو اس طو پر کہ جب اسکا نماز میں پڑھنا ممنوع کر دیا گیا اور اس پر عمل بھی روک دیا گیا تو رفتہ رفتہ وہ بھول گیا اب اگر کہیں مذکور ہے تو بطور خبر احاد کے مثلاً مروی ہے لوکان لابن ادم وادیان من ذہب لا تبغی الیہما ثالثا ولا ملأ جوف ابن ادم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب ایسے ہی اور بھی آیات ہیں کہ وہ مثل خبر احاد کے ہو گئیں لایہ کہ بطور مجرہ کے ایک دم میں سب کے دل سے مجملہ کتبیں چنا بچھ مروی ہے کہ بعض آیات کے نسخ کے وقت بعض صحابہ اسکی تلامذات کرنا چاہتے تھے باوجودیکہ انکو وہ آیت یاد تھی مگر وہ پڑھ نہ سکے اور نسیان ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے عرض کیا تو ارشاد ہوا کہ وہ آیت شب کو منسوخ کر دی گئی ہے۔

من الیتہ سے مراد یا تو آیات قرآن میں جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے یا تو رات و نخل ہے جیسا کہ ابو سلم کا مذہب ہے یا آیت عام ہے چاہے متلو ہو یا مشاہد جیسا کہ تحقیق کا مذہب ہے یہی زائد قوی ہے اسو اسے کہ شامل تر ہے اور نہ سیاق نفی میں عام ہوتا ہے۔

یَخْرِقُہَا اَوْ مِثْلُہَا؟ مراد خیر سے اذروے اجر کے خیریت ہے نہ کہ سہولت کے اعتبار سے ہوا اسے کہ با شئی اقل ہوتی ہے مگر اجر زائد ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ مخاطب اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور اسی شے سے نسخ آیت اور نسیان آیت ہے اور نسخ شریع ہے اور تغیر عالم کون میں ہے ان سب پر اللہ قادر ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَکُمْ مَلٰٓئِکَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کیا آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے ہیں کہ اللہ کی بادشاہی تو آسمانوں اور زمین سب میں ہے اسکی قدرت کمان نہیں ہے

کہ نہ سب جگہ ہے سب کو گھیرے ہوئے ہو مصالح بھی اسکے اختیار میں ہیں اور ان مصالح کے لحاظ سے حکام بھی بدلتا ہے اور ادیان بھی ایک قبضہ قدرت میں ہیں اور توام بھی اسکے تصرف میں ہیں جو چاہے کہ کر سکتا ہے اسکے مقابل کسی کا کوئی زور نہیں چلتا ہے

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ دُونِ وَلَا تَصْبِرْ۔ نہیں ہے تمہارے لئے اللہ کے سوا کسی کا کوئی یار نہ مددگار جو تمہاری معاونت کرے یا تمہاری موافقت کرے اللہ ہی مدد کرنے والا ہے اور دوست ہو۔ اس جگہ یہ شبہہ کیا جاتا ہے کہ آیت شفاعت بھی منسوخ ہو سکتی ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ نسخ خبر میں روا نہیں ہے۔ امر و نہی خواہ تہی ہو یا استجابی اس میں تو نسخ ہو سکتا ہو مگر خبر میں نہیں ہو سکتا ہو اس واسطے کہ خبر کے نسخ سے تکذیب لازم آتی ہو اور کذب باری محال ہے اس جگہ چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں مسئلہ اول ایک گروہ کہتا ہے کہ نسخ نہیں ہو سکتا ہو جب تک کہ اس سے بہتر یا اونکا ایسا حکم نہ ہو لے مگر جہور اسکے خلاف ہیں مسئلہ دوم ایک جماعت کہتی ہے کہ نسخ انقل حکم نہیں کر سکتا ہو۔ مگر جہور اسکے خلاف ہیں کیونکہ مراد خیر سے بلحاظ ثواب کے ہو۔ مسئلہ سوم امام شافعی کہتے ہیں کہ نسخ قرآن کا قرآن سے ہو سکتا ہو مگر جہور کہتے ہیں کہ حدیث مشہور بھی نسخ کرتی ہو۔ جیسا کہ لادھیۃ للوارث نے آیت وصیۃ للوالدین والاقرین کو منسوخ کر دیا مگر حقیقت یہ ہو کہ آیت میراث سے اس حدیث کو تائید ہوئی اس وجہ سے آیت وصیۃ للوارث منسوخ ہو گئی واللہ اعلم بالصواب ابو مسلم اور ان کے اتباع سمجھتے ہیں کہ جو لوگ نسخ کے قابل ہیں وہ اس وجہ سے قابل ہیں کہ وہ آیتوں میں تعارض دفع نہیں کر سکتے اس واسطے انھوں نے جہان کمین نسخ کا احتمال ہوا ہے کوشش کی ہو کہ دفع تعارض ہو جاوے اگرچہ طریقہ دفع تعارض کا ایسا اختیار کیا ہو کہ وہ تعارض کو دفع کرے یا نہ کرے۔ قرآن شریف کے الفاظ میں منوی تحریف کا باعث ہو جاتا ہے جبکہ ہم نسخ کے قائل ہونے سے زائد شکل سمجھتے ہیں نسخ کا وقوع احادیث متواترہ سے ثابت ہو اور اس آیت سے اور اِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ الْآيَةِ سے ثابت ہو مگر ابو مسلم ان نصوص میں تاویل کرتے ہیں کہ سیاق اس آیت کا دلالت کرتا ہو کہ مراد اس سے نسخ شریعت موسوی ہو مگر تم جانتے ہو کہ سیاق اس امر میں مختصر نہیں ہو بلکہ عام ہے اور نسخ کے افراد سے یہ بھی ایک فرد ہے جسکی تخصیص بلا دلیل شرعی ہو علاوہ اسکے ابو مسلم کہتے ہیں یہاں کلام شرطیہ ہے کہ جب ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں تو بہتر لانے ہیں اس سے منسوخ کرنا کون ضرور ہے نہ نسخ ہوتا ہو نہ بہتر آتا ہے اسکی مثال ویسی ہو جیسے کوئی کسے من جاکر خاک مرہ اس سے لازم نہیں آتا ہو کہ اگر ارام کیا بھی جادے ممکن ہے کہ کبھی ہی ثابت نہ ہو ظاہر ہو کہ اسی حوالہ شرطیہ کو ابو مسلم بیٹے نسخ ادیان کے واقعہ سمجھتے ہیں اس وجہ سے کہ نسخ ادیان ہو گیا۔ ہم بھی نسخ احکام کے واقع ہونے کی باعث اسکو واقعہ سمجھتے ہیں

ابو مسلم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس جگہ نسخ کے معنی نقل کے ہیں لوح محفوظ سے کتب منزل منقول ہوئی ہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ احتمال اور نسبیہا نام بخیر منہا کے سیاق سے بعید ہے اگرچہ نسخ ادیان میں یہ نص ابو مسلم خود بھی مراد نہیں لیتے ہیں اور یہ امر کہ قرآن کی آیات میں نسخ واقع ہوا تو اسکو ہم کہتے ہیں کہ واقع ہے۔ لہذا نسخ کے قرآن کی آیات کی چار قسمیں ہیں ایک یہ کہ قرآن شریف کی آیت نسخ احکم اور منسوخ التلاوات ہو جاوے کثیر التعداد احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی بہت سی آیات ہیں چنانچہ سورہ احزاب کے متعلق مذکور ہے کہ قریب سورہ بقرہ کے تھی نسخ ہوتے ہونے اتنی رہ گئی اسطرح حضرت ابو بکر سے مروی ہوا ہے کہ لا ترغبوا عن ابائکم فانہ کفر منسوخ ہو گیا حضرت عائشہ فرماتی ہیں عشر وضعات محرمات منسوخ احکم والتلاوة ہے یہ نہ کہا جاوے کہ یہ تفسیر ہے اسواسطے کہ صحابہ اسکی تلاوت کرتے تھے جب حکم منسوخ ہوا تو اسکی تلاوت منسوخ ہو گئی۔

دوسری آیت نہ منسوخ احکم ہونہ منسوخ التلاوة وہام قرآن شریف ہے سوائے اُن آیتوں کے جن کا نسخ قطعی ہے پورا قرآن نسخ ہے۔

تیسرے منسوخ التلاوة فقط و آیت رجم ہے الشیخ والتیغتاذاذیاً فارجموها البتہ نکالوا من اللہ ان اللہ عنہ بحکمہ اس آیت کا حکم موجود ہے کہ بقول حضرت عمر و اتفاق صحابہ برابر رجم کیا جاتا ہے اگرچہ اسکی تلاوت منسوخ ہو گئی۔

چوتھے منسوخ احکم فقط وہ آیتیں ہیں جو قرآن شریف میں موجود ہیں پڑھی جاتی ہیں مگر تلاوت کے علاوہ حکم انکا قائم نہیں ہو بلکہ دوسری آیات سے اس حکم کا نسخ یعنی رفع ثابت ہوتا ہے تلاوت صرف تعبد کی غرض سے ہے۔

اس جگہ ہم اُن آیات کو ذکر کرتے ہیں جنکو ہم منسوخ سمجھتے ہیں اور ابو مسلم انکو منسوخ نہیں سمجھتے بھرم یہ بھی لکھیں گے کہ ابو مسلم ان میں جو تاویل کرتے ہیں وہ کما تک قابل تسلیم ہو امید ہے کہ اسکو بغور دیکھا جاوے ہم اسکو پسند نہیں کرتے کہ اختلاف رائے کے باعث کسی کو سفیہ یا ہٹ دہرم کہیں بلکہ نفس واقعہ میں نظر ہو واللہ اعلم۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض متاخرین نے ایسی تخصیص کی ہے جسکو ظاہر آیت قبول نہیں کرتی ہے کہتے ہیں کہ محض یہود کے اسل اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ جو کہہ کر تے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت منسوخ نہیں ہو سکتی ہے۔ اور خدا کی بھیجی ہوئی کتاب تورات ہے وہ اگر منسوخ ہو جائے تو خدا کی شان کے خلاف ہے ہم کہتے ہیں کہ اس آیت سے نہ صرف یہی اعتراض دفع ہوتا ہے بلکہ مذکورہ بالا جملہ اعتراضات دفع

کئے گئے ہیں ظاہر ہے لفظ عام میں بلا وجہ تخصیص کی ضرورت نہیں ہے اعتبار عموم لفظ کا ہو خصوص سبکی نہیں ہو سیاق و سباق جسطرح اسل حال بردالات کرتا ہو سیطرح دوسرے احوال کو بھی شامل ہی حاصل یہ ہو کہ اس آیت سے خدا نے تورات کے منسوخ ہونیکا بھی جواب دیا ہے احکام قرآنی کے منسوخ ہونیکا بھی جواب دیا ہو بنی اسرائیل سے نبی اسماعیل میں نبوت کے منتقل ہونیکا بھی جواب دیا ہو اسکی وضاحت اسوقت ہو سکتی ہو۔ جب معنی نسخ کے سمجھ لئے جا دیں لہذا پہلے ہم معنی نسخ کے ذکر کرتے ہیں۔

نسخ کے معنی لغت میں رفع و ازالہ کے ہیں کہا جاتا ہو نسخت انشمن نفل آفتاب نے سایہ کو زائل کر دیا اور اٹھا دیا یا کہا جاتا ہو نسخت الريح آمار القدم ہواؤں نے قدم کے نشانات زایل کر دئے آفت میں علاوہ اس معنی کے ایک معنی نقل کے بھی ہیں کہا جاتا ہو نسخت الشاب الشيب جوانی بڑھاپے سے بدل گئی یا کہا جاتا ہے نسخ الكتاب الكتاب کتاب کے نقل کیا یہ دونوں معنی لغوی ہیں اس میں اہل لغت کا اختلاف ہو کہ کون سے معنی حقیقی ہیں بعض کہتے ہیں رفع و ازالہ معنی حقیقی ہیں اور نقل مجازی ہیں بعض کا عکس کہتے ہیں اور بعض اس لفظ کو دونوں معنوں میں مشترک کہتے ہیں اور یہی اکثر کی رائے ہو اس صورت میں نقل و رفع دونوں کو بیان آیت محتمل ہو مگر معانی اصطلاحی بتا رہے ہیں کہ مراد اس جگہ رفع و ازالہ ہو اور چونکہ یہ لفظ اس معنی کے اعتبار سے بعض اذبان سے بعید ہو اس واسطے معنی اصطلاحی میں اسکے رفع و ازالہ سے بعض نے احتراز کیا ہے مگر مال کا یہی رفع و ازالہ ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ نسخ وہ خطاب ہو جو دلالت کرے اس امر پر کہ جو حکم کسی نص مقدم سے ثابت تھا اس حکم کا شل ساقط ہو گیا یا زائل ہو گیا یا غیر ثابت ہو گیا سیطرح فقہاء کہتے ہیں کہ نسخ وہ خطاب ہو جو دلالت کرے باکشف کرے مدت عبادت یا اسکے منقطع ہونے پر اصولین مختلف عبارات سے نسخ کی تعریف کرتے ہیں محقق یہ ہو کہ نسخ وہ خطاب ہو جو دلالت کرے ارتفاع پر ایسے حکم کے کہ جو ثابت ہو خطاب متقدم سے بشرطیکہ یہ خطاب ثانی اگر نہ ہو تو وہ پہلا خطاب ثابت رہی اور یہ خطاب ثانی مترخی اور بعد میں ہو اس خطاب اول کے یہ تعریف نسخ کی شتمل ہو بہت سے نواب قیود پر جن کی تصریح اس جگہ محل ہو اور مباحث اصول فقہ میں شرح ہے ظاہر ہے کہ یہ معانی اصطلاحیہ اس آیت میں محتمل نہیں اس واسطے کہ یہ معانی متعاقب ہیں معنی لغوی ہی مراد ہے وہ یا رفع و ازالہ ہو یا نقل ہو ان میں دونوں معانی پر یہ آیت محمول ہو سکتی ہے اور ان میں ہر مدار تعریفات اصطلاحیہ کا ہو اجماع اہل اسلام اس امر قائل ہو کہ نسخ بمعنی رفع کے اذروے عقل و نقل کے جائز ہے اور ازلہ رفع شرع کے واقع ہو مگر یہود کہتے ہیں کہ نسخ بمعنی رفع کے نہ تو عقلاً جائز ہے نہ ان کے شرع سے ثابت ہو ابوسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ عقلاً اگرچہ نسخ جائز ہے مگر واقع نہیں ہو اس جگہ شرایع میں قبلنا کا رفع نہیں ہو جو

بلکہ نقل حکم ہو بالخصوص انکے نزدیک قرآن میں نسخ یعنی رفع حکم کے واقع نہیں ہو۔
یہود کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے کسی حکم کا رفع کیا تو دو ہی احتمال ہیں یا تو پہلے سے اسکو مصلحت اسر
حکم کے رفع کی ظاہر نہ تھی اب ظاہر ہوئی تو یہ بداد ہے اور بداد شان الہی سے بعید ہو اور اگر اسکو کوئی
مصلحت اس حکم میں ظاہر نہیں ہوئی اور اسے حکم کو رفع کر دیا تو یہ عبت ہو اور یہ بھی شان خداوندی سے
ابعد و اہل اسلام میں سے فرقاً مایہ نے بداد کا اعتراف کیا اور کہا کہ بداد خدا کے لئے ممکن ہو بلکہ واقع ہو
اور وقوع بہت سے امور سے وثابہت کرنے میں اشعریہ کی ایک جماعت کہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ قادر ہو کہ
بدون کسی حکمت کے حکم لے اور بلا مصلحت کے اسکو منسوخ کرے اور یہ عبت نہیں ہے اسواسطے کہ ممکن ہے
کہ مقصد یہاں صرف تعبیر ہو بلا لحاظ مصلحت مگر محقق یہ ہو کہ سرے سے اعتراض یہود ساقط ہے اسواسطے کہ
اللہ جل شانہ کے افعال اگر جب معلول بالاعتراض نہیں مگر خالی حکم دقیقہ اور مصلح عباد سے نہیں ہیں فتح حکم میں
مصلحت ہو جبکہ وہ پہلے سے جانتا تھا اسکو علم تھا کہ وہ حکم استغدرت تک نافع ہو پھر دوسرے حکم نافع ہو
اسنے پہلے حکم دیا پھر اس مدت کے بعد اسکو بدل دیا اور رفع کر دیا اسمیں کوئی امر اسکی شان کے خلاف واقع
نہیں ہوا۔ یہود کی نقلی دلیل یہ ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میری شریعت جب تک
آسمان و زمین ہو قائم و دائم ہے اسکا جواب یہ ہو کہ ثقیل منقول بالتواتر نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ گروہی ہوئی معلوم
ہوتی ہو اسواسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا مختلف اعتراضات نبوت پر وارد ہو گئے
یہ کسی نے اعتراض نہ کیا کہ اس قسم کا دعویٰ بعد موسیٰ علیہ السلام کے غلط ہو یہ وجہ اسکے کہ نبوت آنحضرت سے
شریعت موسویٰ منسوخ ہوتی اور وہ بقول حضرت موسیٰ صلیع نہیں ہو بلکہ انکے شریعت دانی ہو علاوہ ہر
خود حضرت موسیٰ نے حضرت عیسیٰ اور حضرت کی خبر شریعت آدمی کی دی تھی جو منافی اس دعویٰ کے ہو
مزید برآں نسخ شریعت خود تورات سے ثابت ہوتا ہو کہ حضرت آدم کے وقت میں لڑکے اور لڑکی سب بھائی
ہیں کا نکاح جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا جب ایک شریعت منسوخ ہو گئی تو دوسری شریعت بھی منسوخ ہو گئی ہو
اگر دلائل برابر ہیں حضرت عیسیٰ و حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغور دیکھے جاویں تو انکی دونوں کی نبوت ثابت
ہو اور دونوں نے احکام تورات کو کچھ کچھ منسوخ کیا ہو تو اس صورت میں واقع کے خلاف جو حکم ہو وہ
نہ خدا کا حکم ہوگا نہ رسول کا بلکہ وہ یہود کا بنایا ہوا ہے اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ ارشاد حضرت موسیٰ
کا پھر بمنزلہ اسکے ہو کہ اللہ قرآن میں فرماتا ہو شرح لکم من الدین ما دوسری بہ نوح و ابراہیم آلا یہ یا مہدیہم
اقتدہ یہاں وہی شریعت مراد ہو جو غیر متبدل ہو وہ اعتقاد توحید الہی کا اعتقاد رسالت کا اعتقاد یوم
آخرت کا یہ امور غیر متبدل ہیں اور یہ شریعت موسویٰ ہمیشہ کیلئے ہے بہر حال موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد بالا

أَمْ تَرْيَدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَى مِنْ قَبْلُ
 کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے سوال کرو جیسا کہ اُنکے قبل موسیٰ سے سوال کیا گیا تھا
 وَمَنْ يَتَّبِدْ لِّلْكَفْرِ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ
 اور جو کوئی ایمان کو کفر سے بدلتا ہے تو وہ بلا شک گمراہ ہوا سیدھی راہ سے۔

بقیہ صفحہ ۲۲۸ اولاً تسلیم نہیں کہ انکا ارشاد ہے اور اگر تسلیم کیا جاوے تو مادل ہے جس سے ہندلال صحیح نہیں ہو سکتا ہے لہذا قول یہود کہ نسخ عقلاً و شرعاً غیر ممکن ہے صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ نسخ ادیان قطعی ہے اور نسخ احکام واقع ہے۔

ام کے معنی کیا کے بھی ہیں اور یا کے بھی ہیں یا کے اسوقت معنی ہوتے ہیں کہ جب عطف کے لئے آوے یہاں احتمال عطف کا بھی ہے اور استیفاء کا بھی ہے اسواسطے اسکے معنی یا کے بھی ہیں اور کیا کے بھی ہو سکتے ہیں عطف کی صورت میں اسکے پہلے استفہام کا ہونا ضروری ہو بیان الم تعلم میں استفہام ہو اسواسطے اسکا عطف اسی پر ہوگا اور تعلون مخدوف ہو اور مراد اس جگہ الم تعلم سے مخاطب عام مکلف ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب میں داخل ہونا کوئی ضروری نہیں اور اگر داخل ہوں تو عطف میں مضائقہ نہیں ہے اسواسطے کہ اس جگہ وہ مخاطب میں نہیں داخل ہیں مخاطب صرف ایماندار ہیں انکو وصیت کی گئی کہ تم ایسا سوال مت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا کہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا ہے یہود کا ذکر نہیں کیا گیا اور سوال کو مجہول لائے اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل ایسا قبیح تھا کہ اسکے فاعل کا نام تک عقل سلیم پسند نہیں کرتی ہے اس جگہ وصیت اور حکم دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مخاطب ہیں انھوں نے اس فعل کا ارتکاب بھی کیا ہو بلکہ احتمال تھا کہ یہود کی صحبت سے یا یہودی الاصل ہونے سے کہیں انکی بھی عادت سوال کی ہو جائے اسواسطے مخالفت کر دی گئی کیونکہ سوال بلا عمل نقصان رسان ہو اس صورت میں نتیجہ کا بھی ذکر کر دینا کوئی حرج کا باعث نہ ہوگا وہ نتیجہ یہ ہے کہ کثرت سوال موجب شکوک کا ہوتا ہے اور شکوک منجر کفر کی جانب ہو جاتے ہیں لہذا ایمان دار کا کام نہیں ہے کہ سوال کرے اور شکوک پیدا ہوں اور کفر کی عادت تک پہنچ جائے راہ راست سے گمراہی ہو جاوے اگرچہ اسوقت تک شکوک بھی پیدا نہیں ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ محض کسی امر کو دریافت کرنا باعث ضلالت کا نہیں البتہ مخالفت و عداوت سے سوالات ضرور رسان ہیں یہاں ویسے ہی سوالات کی مانعت کی گئی ہے آیات بیانات معجزات لائے جا چکے تھے۔

وَكَلَّيْنَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُدُّ وَكَلَّمْنَا مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِكُمْ

اہل کتاب میں سے اکثر چاہتے ہیں کہ تمکو تمھارے ایمان مانے کے بعد بھیر کر

بقیہ صفحہ ۲۲۹۔ نسخ کی غلط بیان کر دی گئی تھی اس پر بھی سوالات کی کثرت ہوتی تو ظاہر ہے کہ ان سوالات مقصود اصلاح حال نہ ہوتا بلکہ اسناد و بیوا بعض لوگوں کا خیال ہو کہ ایمان داروں میں سے ایک جماعت نے ایسا سوال کیا تھا جسکے باعث یہ آیت نازل ہوئی۔ مروی ہے جو خبر کی لڑائی سے جب حضور واپس تشریف لائے تھے تو مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے آنحضرت سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ایک درخت ذات انوار کی طرح مقرر فرما دیجئے آنحضرت نے اسکو ناگوار سمجھا اور اشد نے یہ آیت نازل کی تو نوسیاہ کجور کی گودھی کو کہتے ہیں اور ذات انوار ایک درخت کا نام ہے جو جبکہ مشرکین عرب یوحجے تھے اور اسکے اوپر اپنے کپڑے لٹکاتے تھے اسکے گرد گھومتے تھے اسکی تعظیم کرتے تھے جس طرح ہندو پیش کی تعظیم کرتے ہیں یہ سوال منجر بکفر ہوتا یہ سوال اسی طرح کا سوال تھا جیسا بنی اسرائیل نے گوسالہ کے متعلق سوال کیا تھا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ بنی اسرائیل کے ایسے طریقے اختیار کر دگے ہو ہو۔ یہاں تک کہ اگر کوئی انہیں سے ایسا ہوا ہو گا کہ اسنے اپنے مان کے ساتھ بدکاری کی ہوگی تو تم میں سے بھی ایسا حرکت کرنے والا ہوگا خدا کی شان ہے کہ بارشاد نبوی عنہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جو کچھ نصاریٰ یورپ کے کرتے ہیں وہ سب مسلمان کرنے لگتے ہیں والیاذ باللہ اس سوال کے بعد یہ ارشاد بالکل بجا ہے کہ من تبدل الکفر لایمان جسے کفر کو ایمان کے بدلے لیا ظاہر ہے کہ وہ یہ بھی راہ چھوڑ کے گمراہ ہو گیا سوا، یعنی وسط کے ہے یا یعنی مستوی کے ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد ام تریدوں سے وہ مخاطبین جو تعلیم سے محاط ہیں بلکہ مخاطب اس آیت کے یہود میں ایک جماعت نے انہیں سے آنحضرت سے عرض کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ تورات کی طور پر ایک دم سے پوری کتاب لائیے اس احتمال کو امام رازی نے مقدم کیا ہے کیونکہ اس سورت میں زلزلہ بنی اسرائیل و یہود ہی کے واقعات ہیں بعض نے کہا ہے کہ سوال کرنے والے مشرکین عرب تھے بعض مخصوص اہل کلمہ کو کہتے ہیں بعض کہتے ہیں مخصوص اہل خاص تھے انہیں سے عبداللہ بن امیہ المخزومی بھی تھا او سنے کہا۔ لن نؤمن لك حتى تفجرونا من الارض بنوعا او تكون لك بيت من زخرف الا نیر بعض کہتے ہیں کہا گیا کہ کوہ صفا کو سونا کر دیجئے تو ہم آپ پر ایمان لے آؤں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی تھی اسوقت کفار کو موقع ملا نصیحت الایمان یا نوعمر بن مسلمانوں کو دیکھا انکو دھوکہ دینے لگے اور کہنے لگے کہ اگر اللہ کو اس دین کا پھیلانا منظور ہوتا تو احد میں مسلمانوں کو شکست نہوتی اس شکست سے معلوم ہوا کہ یہ دین حق نہیں جو خدا کی تائید نہیں کرتا ہے۔ اس فقرہ کو

لَقَدْ آتَيْنَاكَ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ

کافر نادین حسد کر کے اپنے دل سے بعد اسکے کہ انہر حق بات کھل گئی

الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ إِنَّ اللَّهَ

بہر معاف کرو اور درگزر کرو بہانہ کہ خدا اپنا حکم بھیجے بیشک اللہ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

سب چیز پر قادر ہے۔

فخاس بن عاذر اور زید بن قیس نے حضرت خذیفہ بن الیمان اور حضرت عمار بن یاسر سے بھی کہا اور انکو ترغیب دی کہ وہ ایمان سے پھر جاوین حضرت عمار بن یاسر نے کہا کہ تمہارے نزدیک مد شکنی کیسی ہے انھوں نے کہا کہ بہت بُری شے ہے اس پر حضرت عمار نے کہا کہ تہنہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ت عہد کر لیا ہو کہ بعد ایمان کے پھر نہ باورینگے اور ہمیشہ آپ کی نصرت و مدد کریں گے آپ کے دین میں رہیں گے حضرت خذیفہ نے فرمایا انا رضیت باللہ رباً وبالاسلام دنیا و آخرتاً صلی اللہ علیہ وسلم نبیاً و بالکعبۃ قبلۃ و بالمونین اخواناً اس پر انھوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت انکے دل میں بکھٹی ہے یہ اپنے دین سے نہ پھریں گے اس واقعہ کو حضرت عمار و خذیفہ نے آنحضرت سے عرض کیا آپ نے انکی تحسین کی اور فرمایا کہ ٹھیک کیا تھے ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اس بات کی خواہش کہ لوگ اسلام سے پھر جاوین اس غرض سے نہیں ہوا کہ نزدیک دین اسلام حقیقہً صحیح نہیں ہے بلکہ یہ انکی محض نفسانیت ہے یا حسد کی وجہ سے ہو اور وہ حسد محض نفسانیت سے ہو حسد کے معنی اوپر گذر چکے ہیں ایسے مقامات پر تین لفظیں متعل ہوتی ہیں تینا من غبطہ حسد۔ تینوں ایسے جگہ پر لوبی جاتی ہیں جہاں کسی شخص کو نعت میں دیکھ کے اس نعمت کی خواہش کی جائے مگر حسد میں ایک امر زائد ہے وہ یہ کہ اپنے لئے خواہش کی جائے یا نہ کی جاوے زوال نعمت کی خواہش ہو نعمت علیہ سے چاہے وہ دوست ہو یا دشمن ہو حسد کے مختلف مراتب ہیں اعلیٰ درجہ تو یہ ہو کہ نعمت کا زوال چاہے دس یا اجشت انواع حسد ہو دوسرا درجہ یہ ہو کہ چاہے نعمت دوسرے شخص سے زائل ہو کہ خود میں حاصل ہو جائے مثلاً کسی کو دیکھا کہ اسکا گھر عالیشان ہے یہ چاہے کہ کھڑکھے لمجاوے یا کسی کی عورت جمیلا ہے یہ چاہتا ہو کہ اسکی نہ رہے مجھے لمجاوے تیسرا درجہ حسد کا یہ ہے کہ

زوال کی خواہش نہ کرے مگر جب نا اُمید ہو جاوے کہ بدون اس سے زائل ہوئے اسکو دہشت حاصل
 نہیں ہو سکتی ہے ترا سوچو اسے اسکے زائل کا خواہشمند ہو اس صورت میں زوال کی خواہش اسکی بالذات
 نہیں ہے بلکہ بالعرض ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ نفعت کی خواہش کرے مگر باوجود اسکے کہ حصول سے
 مایوس ہو جاوے زوال نفعت کی اسکو خواہش نہ ہو یہ چوتھا درجہ غبطہ اور تنافس میں داخل ہے اور دنیا
 میں معاف ہو اور امور دین میں مندوب و مستحب ہو اور با فرض دو جب ہو جاتا ہے جیسا کہ کسیکو کمال
 الایمان دیکھا یا نماز پڑھتے دیکھا حدیث شریفہ اور گزرجی ہو کہ حد نہیں ہے مگر دوا و نہیں ایک کسی
 شخص کو علم دیا جاوے اور وہ رات دن اسکے سینے دیکھانے میں مشغول ہوئے دوسرے مال کہ وہ
 خدا کی راہ میں صرف کرتا ہو۔ حسد ایک بڑی سخت بیماری قلب کی ہے اسی وجہ سے حدیث شریفہ میں
 آیا ہے کہ حسد حنات کو اسطرح کھاتا ہے کہ اسطرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے یعنی حسد سے نیکیاں سوخت جاتی
 ہیں اہل کو قایل نے محض حسد سے قتل کر ڈالا قیامت تک اولاد آدم میں جتنے قتل ہوتے ہیں سب میں
 سے کچھ حسد قایل کے نامہ اعمال میں بھی ہوتا ہے۔ حسد کے اسباب سے بڑا سبب غصہ اور عداوت ہے
 بعض وقت محض غصہ سے اور عداوت سے حسد پیدا ہو جاتا ہے کبھی محض عزت کی خواہش سے حسد ہوتا ہے
 کسی کو دیکھا کہ وہ زیادہ عزت حاصل کرتا جاتا ہے اسکو بھی عزت کی خواہش ہوئی تو اس غریزے سے یہ حسد
 کرنے لگتا ہے اسی قسم کا حسد اکثر معاصرین ہوتا ہے یہ حسد علما و دین بہت ہے اسوجہ سے حدیث شریفہ میں
 آیا ہے کہ چھ آدمی قبل حساب کے جہنم میں جاوینگے ان اشخاص سے ارشاد ہوا ہے کہ علما و دین جو بوجہ
 حسد کے جہنم میں جاوینگے کبھی حسد اسوجہ سے ہوتا ہے کہ کسی کو خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اسکی خدمت
 گذاری کریں جب انکو اسکی خدمت گذاری کی حاجت نہیں ہوتی ہے تو وہ خواہش کرتا ہے کہ وہ جہنم
 ہو جاوے تاکہ اسکی خدمت گذاری کو بہ کبھی عجیب کے باعث حسد ہوتا ہے کبھی اسوجہ سے ہوتا ہے کہ اندیشہ
 کرتا ہے کسی شخص کو جس سے مقصود حاصل ہونگی توقع ہے دیکھتا ہے کہ وہ تنگوار کرتا جاتا ہے اسکو خوف
 ہوتا ہے کہ مقصود فوت نہ ہو جائے کبھی حب ریاست باعث حسد کا ہوتی ہے جیسے اکثر پیشوا این قومی
 میں حسد ہوتا ہے کبھی محض نخل کی وجہ سے حسد ہوتا ہے اور یہ بدترین حسد ہے جو عموماً امور دنیاوی میں
 ہوتا ہے اسواسطے امور دنیاوی اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ بدون ایک سے زایل ہوئے دوسرے کو نہیں مل سکتے
 ہیں اسواسطے زوال کی تمنا ہوتی ہے مگر امور دینی میں ضیق اور تنگی نہیں ہے اسواسطے اس میں زیادہ پڑا
 نہیں ہوتی خصوصاً زوال کی خواہش بہت ہی کم ہوتی ہے حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ مجھ کو کسی
 پر حسد نہیں ہوتا ہے اسواسطے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر یہ صاحب نفعت دنیاوی اہل خبت سے ہے تو

نعمت اسکے انعام کے اعتبار سے بہت ہی ادنیٰ درجہ کی ہو یا سب پر صد فضل ہے اور اگر وہ اہل نار سے ہو تو اسکی اس عارضی نعمت پر حسد کرنا لایعقلی ہو

مجھے خود کسی پر حسد نہیں ہوتا اس واسطے کہ کسی میں جس نعمت کو دیکھتا ہوں یا تو اپنے اور بھی اسل انعام کو یا اسکے صنف کے انعام کو یا تا ہوں خیال ہوتا ہے کہ اپنے پاس بھی نعمت ہے دوسرے پر رشک سے کیا حاصل اگر وہ نعمت خود میں نہیں پاتا تو خیال ہوتا ہے کہ وہ ناقص ہو۔ اس واسطے کہ سب سے بڑا نقصان اس میں یہ ہو کہ میری نہیں ہو۔ حسد کی عمدہ دوا یہ ہے کہ یقین کر لے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اُسے جو کچھ اسکو دیا ہے اہل سمجھ کے دیا ہے اور جو نہیں دیا ہے اسکو اسکے قابل نہیں سمجھتا ہے۔ اگر مناسب حال ہوتی تو وہ مبداء فیاض بخل نہ کرتا اس کا نہ دینا مصلح پر مبنی ہو اسکے سوا نہ تو کوئی کسی پر انعام کر سکتا ہے نہ کسی سے چھین سکتا ہو نہ بدو اسکی مرضی کے حاصل کر سکتا ہو نہ زائل کر سکتا ہے۔ پھر حسد سے کیا فائدہ ہے۔

انسان کو چاہیے کہ جب کسی امر کے باعث حسد ہو تو ایسے امور کرے جس سے حسد دور ہو مثلاً محسوس سے رابطہ و ضبط رکھائے اس سے محبت پیدا کرے اس سے اخلاق کرے یہاں تک کہ اسکی بھلائی اپنی بھلائی سمجھنے لگے۔

جس شخص سے حسد ہوتا ہے اسکی طرف سے نفرت کا ہونا غیر اختیاری ہے تحت تکلیف نہیں ہو مگر چاہیے کہ حسد دور کرے یہاں تک کہ وہ تکلیف بھی جاتی رہے۔ حسد نعمت کے زوال کی فکر کرتا ہے تو ایسے امور کرنے لگتا ہو جو نہایت مذموم و میعوب ہوتے ہیں یہ وہ دنے پہلے تو مسلمانوں کو بہکایا اور مسئلہ منہج پیش کیا جب یہ داؤن نہ چلا تو کہنے لگے کہ تم اگر اللہ کے دین حق پر ہوتے تو وہ تمھاری مدد کرتا مگر اُدھین شکست نہوتی حالانکہ وہ جانتے تھے کہ دین حق اسلام ہو۔

تَاعَفُواْ وَاصْفَحُواْ یعنی انکے ساتھ راہ عفو اور درگزر کرنے کی اختیار کرو اور اُنسے مقابلہ نہ کرو انکے مہفوات کا جواب نہ دو مگر یہ اعتراض وغیرہ وقتی ہے دائمی نہیں ہے ایک وقت معین ہے۔ امام ابن ہبیری کہتے ہیں مراد اسوقت سے قیامت اور یوم جزا ہے بعض کہتے ہیں قوت اسلام ہے یا کثرت مسلمین ہے بعض کہتے ہیں کہ مراد اس سے قتال کا حکم ہے کہ اسوقت سوائے جزیرہ اور اسلام کے دوسری کوئی بات مقبول نہیں ہے قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین وتوا لکنب حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاعدون

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِّنْ

اور قائم کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ تم آگے بھیج دو گے تو اسکو

خَيْرٌ تَجِدُوا عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ وَقَالُوا

اللہ کے پاس باؤ گے بے شک جو تم کرتے ہو اللہ اسکو دیکھتا ہے۔ اور کہتے ہیں

لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرِيًّا

اہل کتاب کہ ہرگز داخل نہ ہو گا جنت میں کوئی مگر وہی جو یہودی ہو یا نصاری ہو۔

اس جگہ ضروری ہوا کہ جب عفو کرنے کو اور درگزر کرنے کو ارشاد کیا گیا ہی تو اس کے اسباب میں آئے جاوین

اس واسطے کہ اعدائے عفو کرنا آسان نہیں ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اعداء کو قوت و شوکت زائد ہو چکا

آسان طریقہ تعلیم ہوا کہ تم اپنے نفس پر جبر کرو ترکیہ نفس سے یہ امر حاصل ہو سکتا ہے۔ اور ترکیہ نفس اسی طرح

حاصل ہوتا ہے کہ خدا کی طرف متوجہ ہوا و دنیا کی رغبت چھوڑے نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت خدا سے

قریب کرنے والی نہیں ہے اسی طرح دولت سے زیادہ دنیا میں کوئی شے گرفتار کرنے والی نہیں ہے اس واسطے

انھیں دونوں عبادتوں کا حکم دیا گیا بظاہر زکوٰۃ سے صدقہ مفروضہ نہیں ہے اس واسطے کہ زکوٰۃ اس وقت تک

فرض نہیں ہوئی تھی زکوٰۃ سے مطلقاً صدقہ قدما ہے ظاہر ہے کہ جو صدقہ دیا جاوے گا وہ ضرور اللہ کے بیان

ملیگا اسکا ملنا یہی ہے کہ اسکا ثواب حاصل ہو گا بعض روایات میں ہے کہ ثواب اسکا مثل احد کے یا ایسے

مائل ہو گا۔

وَمَا تُقَدِّمُوا سے تمام امور خیر مراد ہیں چاہے وہ نماز ہو یا صدقہ ہو یا دیگر امور ہوں جن کو ایمان کے

شعبوں میں ذکر کیا ہے

دنیا میں انسان جتنے دن زندہ ہے آخر موت ہو اور موت کے بعد جو کچھ ساتھ جاتا ہو وہ اسکا عمل ہے

مال و اولاد سب دنیا ہی میں رہتے ہیں ہاں اولاد صالح بھی صدقہ جاریہ سے ہے خصوصاً وہ اولاد جو آپ

کیلئے دعائی مغفرت اور ابصال ثواب کرے اس طرح جو اوقات ہیں وہ بھی صدقہ جاریہ میں اور خلیج

سے لوگوں کی فضیلت میں تفاوت ہوتا ہے مطلقاً علم افضل ترین صدقہ جاریہ سے ہی اور پھر بانی ہی پھر

مساجد وغیرہ میں اور جب قدر لوگوں کی منفعت کے امور میں اللہ اعلم

اس آیت کا عطف و ذکر پر اور ضمیر جمع کی اہل کتاب کی طرف راجع ہے حرمت اور تقسیم و تفصیل کیلئے

ہو تردد مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ سو دیکھتے ہیں کہ جنت میں سوائے یہود کے داخل نہ ہو گا اور نصاری

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بَرُّوْا نٰكِمًا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۰

یہ اُن کی گڑھی ہوئی باتیں ہیں کہد بچے کہ لاؤ اپنے دلیل اگر تم سچے کہنے والے ہو
بَلٰی اَمِنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ۝۱۱ فَلَا اَجْرَ لَاصِدٍّ ۝۱۲ عِنْدَ رَبِّهٖ ۝۱۳
ہاں جس شخص نے اپنی ذات کو اللہ کیلئے گروں والدی فرائز برداری کی غرض سے دھانیکہ احسان کرنا لاہر نوکے کو ابراہیم کا اس کے

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۴

بروردگار کے نزدیک پھر نہ اُپر خون ہو اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

نقۃ ۱۲۲
کہتے ہیں کہ سوائے نصاریٰ کے کوئی جنت میں داخل نہوگا یہ مراد نہیں ہو کہ وہ نون کا کلام ہے کہ یا ہود
یا نصاریٰ جنت میں داخل ہوں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ كُنْتُمْ تَرْضَوْنَ الْيَحْيٰى اَوْ الْيٰسٰى اَوْ اٰلَ الْيَحْيٰى اَوْ اٰلَ الْيٰسٰى اَوْ اٰلَ الْيَحْيٰى اَوْ اٰلَ الْيٰسٰى
اس واسطے کہ یہ دونوں شرعین منسوخ ہو گئی ہیں یہ جملہ منقرضہ ہو۔

قُلْ هٰتُوْا بُرْهٰنَكُمْ ۝۱۵ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۶
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۷ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۸ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۹ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۰
اگر تم سچے ہو اور تمہارا دعویٰ صحیح ہو کہ یسوع یا ہودی کے یا سوائے نصاریٰ کے

کوئی جنت میں داخل نہوگا تو اس دعویٰ پر کوئی دلیل قائم کرو ورنہ دعویٰ بلا دلیل مقابل کو تسلیم نہیں
ہو سکتا ہے دلیل اسکی اُنکے پاس نہ تھی نہ تورات سے اس امر کا ثبوت تھا نہ انجیل سے اس کا ثبوت تھا نہ

عقل روا رکھتی ہے کہ یہود یا نصاریٰ کے ساتھ جنت مخصوص ہو جنت تو عمل پر اور ایمان پر موقوف ہو۔
بَلٰی اَمِنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ ۝۲۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۲
یہ رد ہوا کہ کلام سابق کی ارشاد ہوتا ہو کہ ہاں درحقیقت عقلی اور

تقلی دلیل سے مؤید اگر کوئی کلام ہے تو یہ ہو کہ جس نے اپنی ذات سے انقیاد کیا۔ وَجْهَهُ سے مراد یا تو جہو
ہو کہ جس نے اشرف اعضا کو منقاد کر دیا تو بھر دیگر اعضا کا کیا ذکر ہے۔ یا مراد اس سے ذات ہو یا قصد

ہو کہ جس نے منہ کیا کسی امر کی جانب تو وہ قاصد ہوا۔

حاصل یہ ہو کہ جہو کا فیضا و قدر کے رد ہوا اپنی گردن جھکا دی دل جان سے وہ و ہوش کی حالت
حاصل کر چکا ہو یعنی تمام اعمال میں اُسے احسان کیا ہو احسان کی تغیر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی

ہے اِن تَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّا تَرٰہُ فَاَن لَّمْ تَكُنْ تَرٰہُ فَاَن لَّمْ تَكُنْ تَرٰہُ فَاَن لَّمْ تَكُنْ تَرٰہُ فَاَن لَّمْ تَكُنْ تَرٰہُ
اس کو دیکھتے ہو بھر اگر تم نہیں دیکھتے ہو تو وہ مکرود کھنسا ہے اس خلاص کے ساتھ اُسے اعمال کہئے یہ مرتبہ مجرد

اسلام سے بڑھا ہوا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ
 اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں
 لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَكْفُرُونَ الْكِتَابُ كَذَلِكَ قَالَ
 کہ یہود کسی چیز پر نہیں ہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں ایسا ہی کہا
 الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
 ان لوگوں نے جو بے علم ہیں اتنا ان کے قول کے پھر اشد ان کے درمیان قیامت کے دن حکم کرے گا
 فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ
 جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۲۳۵۔ فَلَا أَجْرَ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ۔ اس کے لئے اللہ کے نزدیک اس کا اجر ہو اگر کا ادنیٰ درجہ جنت ہے
 لہذا اس کے لئے جنت ہو ظاہر ہے کہ جب اعمال کے اور اخلاص کے ساتھ تو پھر اس کے لئے اجر کا ہونا عقل و
 نقل سے ثابت ہوتا ہے چاہے وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا عرب جب اسلام لائیں اور عمل صالح کریں تو ان کو
 اجر ضروری ہو اور اس اجر کا ثمرہ یہ ہو کہ ان کو اطمینان کلی حاصل ہو۔

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ نہ ان کے اوپر کسی قسم کا خوف ہو اور نہ وہ رنجیدہ ہونگے ظاہر ہو کہ
 مراد اس سے اُس عالم کا خوف ہو کہ اس دن وہ اپنے اعمال صالحہ اور اسلام کی بدولت مستحق اجر ہوں گے
 اگر ایمان جنت ہو یا ایمان لاویگا جنت میں داخل ہوگا اور اسکو جو اپنے اعمال کے استحقاق جنت کا ہوگا
 پھر اسکو خوف کس شے کا رہا ہوگا۔ خوف عذابِ نجات پاویگا اور جو وقت اسے دنیا میں صرف کیا
 ہو وہ اعمال خیر میں صرف کیا ہو اسوجہ سے اسکو کسی امر کا رنج بھی ہوگا واسطہ علم بحقیقہ بحال۔

اُس سے کون یہود و نصاریٰ مراد ہیں اس میں اختلاف ہو اس واسطے کہ احتمال ہے کہ اس سے اگرچہ جج
 ہو مگر مراد شخص مخصوص یہود کا اور نصاریٰ کا ہو۔ عرب ایک شخص کے فعل کو اسکی قوم کی طرف منسوب
 کرتے ہیں اسی وجہ سے ایک جماعت کہتی ہو کہ مراد یہود سے نافع بن حرمہ ہو کہ اُس نے یہ نصاریٰ سے کہا
 تھا بعض کہتے ہیں مراد اس سے یہود مدینہ طیبہ کے ہیں کہ وہ لوگ وفد نصاریٰ سے جو بخبران آنحضرت کے
 پاس آئے تھے ان سے کہنے لگے کہ تمہارا دین باطل ہو اور تم ناحق پر ہو تمہارا مذہب کچھ نہیں ہو معاذ اللہ
 عیسیٰ ایسے اور ایسے ہیں وفد بخبران کے نصاریٰ نے ان کے مقابل کہنا شروع کیا کہ تم دین حق پر نہیں ہو
 اس واسطے کہ دین عیسوی نے تمہارے دین کو منسوخ کر دیا جو تم حضرت عیسیٰ کی نبوت کے انکار کرنے کے باعث

کا فرہو گئے تھائے دین کا کوئی اعتبار نہیں یہ بحث طویل ہوئی مسلمان دونوں کا تماشہ دیکھتے تھے اہمیت یہ آیت نازل ہوئی بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ عام یہود اور نصاریٰ کے درمیان ہر وقت پیش آتا رہا جبکہ دین عیسوی ہوا یہ کیفیت اہم سابقہ کی بیان کی گئی کسی خاص یہودی یا جماعت یہودی یا نصرانی یا جماعت نصاریٰ کی حالت نہیں ہو سکتی ہے کہ آنحضرت کے وقت میں بھی ایک شخص سے یا جماعت سے اس قسم کی گفتگو آگئی ہو۔

اسکے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں جو کفار کہتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے اور آپ کے دین کو باطل ہونیکا اتہام لگاتے تھے اس سے جو مزاج مبارک کو صدمہ ہوتا تھا اس صدمہ میں اس سے تسلی ہو گئی کیونکہ جب معلوم ہو جاوے گا کہ یہ انکی عادت ہر اور سب مبلغین کو اس طرح کے تکالیف پہنچائے گئے تو پھر قلب کو تسکین ہو گئی ساتھ ہی اسکے یہود و نصاریٰ کی تفسیح ہو کہ وہ لوگ ایک دوسرے کو کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ دونوں اب حق پر نہیں رہے۔ انکے مذاہب منسوخ ہو گئے اور اب سوائے دین اسلام کے کوئی دین اعتبار کے قابل نہ رہا وہ نصاریٰ کو کہتے ہیں اور نصاریٰ ان کو یہ دونوں کا کہنا نا سمجھی سے نہیں ہے بلکہ سمجھ بوجھ کے ہر اس واسطے کہ وہ اگلے انبیاء اور کتب سماویہ سے جان چکے ہیں۔

وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ سَیْءَ زَاہِیْ نَکْلِ بُرَاہِیْ ظَاہِر ہوتی ہے کہ وہ تورات پڑھنے کے باوجود اس قسم کی بات کہتے ہیں حالانکہ اسکے روستے معلوم ہو چکا ہے کہ دین انکا خواہ وہ موسوی ہو یا عیسوی منسوخ ہو گیا ہے واقف کار کوئی بیجا بات کرے تو وہ زیادہ قابل گرفت ہو۔ ناواقف تو پھر معذور ہے ان کی ناواقفیت عذر ہے۔

كَذٰلِكَ قَالَ لَذٰیكَ اَلَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ۔ یہ قول ان لوگوں کا جو نادان ہیں مثل بخین کے قول کے کہ انکے واقف کار ہونے کے باوجود کہنا انکا مثل ناواقف کے ہو خواہ مراد اُنسے مشرکین عرب ہیں کہ انکو علم کتاب نہ تھا یا مخصوص قریش ہیں یا انکے قبل جو یہود اور نصاریٰ گذرے وہ مراد ہیں۔ اُنسے علم کی نفی کرنا اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ یہ قول استدر لغو ہے کہ کسی اہل علم کا قول نہیں ہو سکتا ہے یا اسوجہ سے کہ انکے علم سے انکو کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہو لہذا وہ اور بے علم برابر ہیں۔ قول کے معنی یہاں دل کی بات اور اعتقاد ہو اس پر بھی قول کا اطلاق ہوتا ہو۔

اس جگہ ان کے قول و اعتقاد کی تشبیہ بے علموں کے قول و اعتقاد سے محض انکی برائی بیان کرنے کی غرض سے ہے کیونکہ باطل پر عالم کو قائم رہنا جاہل سے زیادہ تر فبیح ہے اور ناخ کے ہوتے ہوئے منسوخ ہر

عمل کرنا اس شخص کو جو ناخ و منوخ سے واقف کافج ترین ہو ہو و نصاریٰ جو مخاطب تھے اچھی طرح کتب سماویہ سے جانتے تھے کہ نبی آخر الزمان پیدا ہوں گے اور ان کی علامت اور نشانیاں اُن کو معلوم تھیں اُنھوں نے جب آنحضرت کو دیکھا اور دلائل نبوت و برہان صدق اپنی ظاہر کر دئے گئے تو پھر انکا ایمان نہ لانا اور ہر ایک کو باطل پر بتانا ضرور قابل گرفت ہو۔

اس جگہ مقصود شرح اسلام یہ ہے کہ اسلام دین ناخ و منوخ ہے اسکے سوائے کسی دوسرے دین پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے سوائے دین اسلام کے سب دین باطل ہیں اور باطل پر عمل کوئی شی نہیں ہو اس میں یہود اور نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے سب لوگ داخل ہیں غرض غیر مسلم سب باطل پر ہیں یہ دعویٰ بات ہے کہ بعض لوگ باوجود باطل میں ہونے کے معذور ہیں جیسے وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں تھے اور کسی نبی کی نبوت ان کو نہیں ملی یا بعد انبیاء کی شریعت کے خصوصاً شریعت محمدیہ کے ان کو تبلیغ اسلام نہیں ہوئی وہ بھی گو باطل پر ہیں مگر معذور ہیں اور ان پر تکلیف شرع نہیں ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ ان لوگوں کو جن کو تبلیغ اسلام نہیں ہوئی معذب نہیں سمجھتے ہیں بلکہ وہ اُن لوگوں کو بھی غیر معذب سمجھتے ہیں جن کو نبوت آنحضرت کی تبلیغ نہیں ہوئی، بلکہ اس امر کی تبلیغ ہوئی ہے کہ کوئی شخص فلاں نام کا فلاں ملک میں نبی کا زب مدعی رسالت ہوا اور اُسے شہوت پرستی اور لذائذ نفسانی اور لوٹ مار ظلم و ستم کی لوگوں کو تعلیم دی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اوصاف کے سنے کے بعد پھر وہ شخص انکے احوال کی تفتیش بھی نہیں کر سکتا ہے وہ اپنے نزدیک ایسا ہی سمجھتا ہے جیسا کہ لوگ منہی کے متعلق خیال کرتے ہیں اور خواہ مخواہ اسکے احوال کی تفتیش نہیں کرتے ہیں امام کے نزدیک یہ بھی معذور و غیر معذب ہیں بلکہ صنف اول سے زیادہ انکو معذوری ہے اس لحاظ سے وہ جماعت جو دیالوں میں ہند کے یا اطراف میں یورپ کے اور جنگلوں میں افریقہ کے اور بلاد اعلیہ میں امریکہ کے آباد ہیں وہ معذور ہیں برخلاف ان ہندوؤں کے کہ جو مسلمانوں سے ظلم مار کھتے ہیں بستیوں میں آباد ہیں یا دیگر ممالک کے غیر مسلم جن کو اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہیں اُن تک خبر ہو چکی ہے وہ معذور ہرگز نہیں ہیں البتہ مسلمان بقدر کفایہ تبلیغ اسلام کے مکلف ہیں اُن کو جوابدہ ہونا پڑیگا کہ عالم کو تبلیغ اسلام کیوں نہیں ہوئی جب تک اس فرض کو اہل اسلام ادا کرتے رہو اسلام کو ترقی ہوتی گئی جب تک یہ فرض کم ہو گیا اسلام کو بھی تنزل ہوتا گیا۔

الحاصل اسلام کے سولے سب مذاہب لائے ہیں اگرچہ بعض معذور ہیں۔

وَمِنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسِيحًا لِلَّهِ أَنْ يُدْخِلَهَا اسْمُهُ وَسَعَى
 کون شخص اس سے زیادہ ظالم ہوگا جو خدا کی مساجد میں اسکے نام کے ذکر کرنے سے باز رکھے اور کوشش کرے
 فِي خَرَابٍ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۝
 کہ مساجد ویران ہو جائیں ان کے لئے نہیں ہوا داخل ہونا مگر یہ کہ وہ خوف زدہ داخل ہوں گے
 لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝
 ان کے لئے دنیا میں شرمندگی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت طیلوس بن ابی اوس رومی کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جس نے
 بیت المقدس پر حملہ کیا تھا اور اس پر قبضہ کر کے وہاں کے مردوں کو جو بالے تھے قتل کر ڈالا تھا۔ اور
 عورتوں کو لونڈیاں بنایا تھا اور بچوں کو غلام کر رکھا تھا اور بیت المقدس کو ویران کر دیا تھا یہاں تک
 کہ اسمین نجاست اور گندگی کو لاسکے ڈال دیا تھا چند دنوں میں وہ ایک گھور کی ایسی حالت پر پہنچ
 گئی تھی آخر کار مسلمانوں نے حضرت عمر کے زمانہ میں اسکو فتح کیا اور وہ مقام بیت المقدس حضرت عمر
 حکم سے صاف کیا گیا اور مسجد بنائی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ مساجد سے بیت المقدس مراد نہیں بلکہ مسجد حرام
 مراد ہوا یہ آیت کفار قریش کی شان میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر
 اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم و ستم کیا اور مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو عمارت
 کرنے سے نماز پڑھنے سے طواف کرنے سے روک دیا اور مکہ کی مسجد کو اصلی عبادت کرنے والوں سے باز رکھا
 جس سے اسکی ویرانی ہو گئی اسکی آبادی عبادت تھی۔ بعض کہتے ہیں مراد اس آیت سے تمام وہ لوگ
 ہیں جنکے حرکات ایسے ہیں کہ وہ مساجد کو اللہ کے ذکر کرنے والوں سے روکتے ہیں عالم ظالم مراد ہیں
 اور عام مساجد مراد ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ظالم جو مساجد کو اللہ کے نام سے باز رکھے اور جو
 سے کہ وہ اللہ کے ذکر کو پسند نہیں کرتا ہے تو اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے چاہے اسکے مساوی
 کوئی ظالم ہو یا نہ ہو۔

أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۝
 نہیں ہے کہ وہ ان مساجد میں خوف زدہ داخل ہوں مراد خوف سے یا تو اللہ سے خوف زدہ ہو کر داخل
 ہوں گے یا مسلمانوں سے ان کو خوف ہوگا یا یہ کہ علم الہی میں ہے کہ وہ ایسی حالت پر پہنچ جائیں گے
 کہ خوف زدہ داخل ہوں۔

اس سے وعدہ ایمانداروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو فتح و نصرت حاصل ہوگی اور بیت المقدس کے قبضہ میں آئیگا جیسا کہ واقع ہوا۔ اس قسم کا وعدہ ایک وقت بھی ایسا گزرے تو پورا ہو جاتا ہے چنانچہ مدت تک ایسا ہی رہا۔ کہ یہود و نصاریٰ اسکے اندر جاتے ڈرتے تھے بوجہ رعب اسلام کے چوری چھپے جانے تھے درمیان میں ایک مدت ایسی گذری حسین نصاریٰ کا قبضہ ہو گیا اور سلطان صلاح الدین آویبی نے اسکو پھر فتح کیا اور اب بھی ایسا ہی ہے خدا پھر مسلمانوں کو فتح نصیب کرے مگر ان واقعات سے یہ لازم نہیں آتا کہ پیشین گوئی صحیح ہونے میں کچھ فرق ہو وہ ہو گئی۔ بعض لوگ کہتے ہیں مراد اس جگہ نہیں ہے اگرچہ بصورت نفی کے ہے یعنی اس امر کا اہل اسلام کو حکم ہے کہ وہ بیت المقدس کو اپنے قبضہ میں رکھیں اور ایسا تسلط جائے کہ ان میں کہ اس میں یہود و نصاریٰ رعب مسلمانوں سے خائف ہی داخل ہوں مگر یہ کہنا قوی نہیں ہوا سوائے کہ یہ آیت ایسے وقت میں نازل ہوئی ہے جبکہ بیت المقدس پر کسی قسم کا تسلط مسلمانوں کو حاصل نہ تھا اس وقت اس قسم کا حکم تکلیف مالا یطاق کے مانند ہو ممکن ہے کہ کہا جاوے کہ مسلمانوں کو حکم اسکو قبضہ میں لانا بھی اس آیت کے ہوا کہ جب تک قبضہ میں نہ لاوین گے انشالہ اللہ تعالیٰ پر نہیں ہو سکتا ہے تو یہ موقوف علیہ واجب کا ہوا اور وجوب کا موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے۔ مگر اس وجوب کے ادائی میں تاخیر اسوجہ سے ہوئی کہ اسکے قبضہ کرنے کی قدرت نہ تھی اور وہ رفتہ رفتہ کر کے حاصل ہوئی اور مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اس امر کو مان لینے کے بعد تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ پھر اگر اس پر قبضہ اہل اسلام کا اٹھ جاوے تو اہل اسلام کو اسکے قبضہ میں لانے کی فکر میں رہنا چاہئے اور جب تک قبضہ حاصل نہ ہو غافل نہ ہونا چاہئے۔

مساجد میں غیر مسلم کے داخل ہونے میں اللہ نے اختلاف کیا ہے امام اعظم فرماتے ہیں کہ عام طور پر مسجد میں غیر مسلم کا داخل ہونا رواسے محض اسکی نجاست اعتقادی اسکے دخول کو مانع نہیں ہے اس حکم میں مسجد حرام اور غیر مسجد حرام سب داخل ہیں مگر جزیرۃ العرب میں بطور تسلط و غلبہ کے غیر مسلم کا داخلہ انکے نزدیک بھی ناروا ہے وہ اسی آیت سے جواز دخول ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ داخل ہونگے مگر خائف و خاشع اور اگر ان کا دخول ہی ناروا ہوتا تو یہ قید بیکار تھی اس قید سے معلوم ہوا کہ انکا دخول اگر خشوع اور خوف کے ساتھ ہو تو وہ ممنوع نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بلا ضرورت کسی کا فر کو کسی مسجد کے اندر داخل ہونے کو روکا نہیں سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کفار نجس ہیں اور نجاست سے مسجد کو پاک رکھنا لازم ہے اور امام شافعی نے حکم

سب مساجد میں جائز کہتے ہیں۔

لَا تَمْرُقُوا فِي الدُّنْيَا خِزْيًا۔ یہاں ترنوبین تنظیم کی ہے یہ بہت بڑی تخری اور تخری کے منہ شرمندگی کے ہیں مراد اس سے جو امردوں کا قتل ہونا اور ان کے بون کا ٹوٹا جانا اور ان کی لایعقلی اور جہالت کا ظاہر ہونا اور عرب میں نفیض ان کی ہونا جو امت امی تھی یہ سب دنیاوی عذاب تھا اسکے فریب برآں حکم ہوا کہ ہرگز یہ دین اور اسطور پر کہ اپنے کو چھوٹا ہی بنائے رکھیں کسی قسم کی بڑائی نہ دکھا دین اور جو چیز نہ دے وہ قتل کر ڈالا جاوے۔

وَلَكُمْ فِي الْأَخْيَارِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ اور ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے جو جہنم کی آگ سے بڑھ کر اور کون عذاب ہو جس سے حران رویت الہی سے و دخول جنت سے بھی ہوتا ہو۔

اس جگہ قابل سوال یہ بات ہو کہ جب یہ آیت متحمل ہے کہ نہی ہو بصورت خبر کے اور مساجد سے عام مساجد بھی مراد ہیں تو چاہئے کہ جس جگہ مسلمانوں نے مساجد بنا لیا ہے پھر ان مساجد میں کم سے کم ایسے ظالموں کو تسلط وغلبہ دینا روانہ ہو۔

اس صورت میں جن ممالک میں مسلمان آباد ہیں انھوں نے مسجد بنالی ہے اُس ملک پر تسلط حاصل کرنا لازم ہو جائے اسکا جواب یہ ہو کہ جن ممالک میں مسلمانوں کو کمین غلبہ حاصل نہیں ہوا اُن ممالک میں مساجد کا بنانا محض غیر مسلم کی اجازت سے ممکن ہو وہ اجازت دینے والے ہیں منع کرنے والے نہیں ہیں پھر اگر وہ ان مسلمانوں کی بود و باش نہیں ہے یا رہے مگر مسجد سے روک دی گئی تو ظاہر ہے کہ بوجہ عدم استطاعت وہ کچھ نہیں کر سکتے ہیں حیطہ اس مقام میں جان غلبہ سلام ہو چکا ہے اور پھر ہر شہر و آبادی کفار ہو مگر اتصال دارالاسلام سے وہاں باقی ہے اور ایمان و امان سے لوگ آباد ہیں اور بعض شہر و آبادی اور احکام دین بھی قائم ہیں اس صورت میں وہ ممالک سلامیہ کے حکم میں ہیں اُن کی مساجد اور ان کے ممالک کا انتقاد کفار کے ہاتھوں سے لازمی ہے اور بہ نیت انفاذ کے وہاں رہنا ضروری ہو۔ جس طرح بیت المقدس کے قبضہ میں لائیکا حکم تو بوجہ اس آیت کے آنحضرت کے وقت میں ہوا اگر اسکی تعمیل حضرت عمر کے وقت میں ہوئی مگر اہل اسلام برابر اس فکر میں رہے کہ وہ بیت المقدس پر قبضہ کر لیں اس طرح ان ممالک کے رہنے والوں کا بھی فرض ہو کہ وہ ہمت اور وقت کے منتظر رہیں اور جن ممالک میں کسی قسم کا غلبہ اہل اسلام باقی نہیں رہا اور اتصال دارالاسلام سے بھی جاتا رہا اور کوئی ایماندار بھی امن نہ رہ سکا جو اور کوئی حکم بھی باقی نہ ہو تو وہ کفار کے ملک میں آگیا اسکی مساجد یا اسکی حفاظت یہ ہمارے ذمہ لازم نہیں رہی کیونکہ تہر وغلبہ سے ملک حاصل ہوتی ہے حیطہ مسلمانوں کے ملک تہر سے حاصل ہوتی ہو

وَاللّٰهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ قَايِمًا تَوَلَّوْا فَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ
اور اللہ ہی کیلئے جو مشرق و مغرب تو جس طرف تم رخ کرو اور وہی کو اللہ ہے ایک وہ گنجائش والا ہے اور سب کچھ
عَلِمٌ
جاتا ہے

بقیہ صفحہ ۲۴۱۔ اسی طرح مسلمانوں کی اmlاک پر کفار کی ملک تہر وغلبہ سے حاصل ہوتی ہے کفار تعمیر مساجد اور
آبادی مساجد کے مکلف نہیں ہیں۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ ایسے مالک مین کہ جہاں کفار حاکم ہیں وہ
مسائل کیونکر تصفیہ پاسکتے ہیں۔ جو موقوف حاکم شرع پر ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ قاضی مسلمانوں کا بنایا
ہوا ان مسائل کا تصفیہ کر سکتا ہے اگر قاضی من طرف کفار ہو اور اسکو لوگوں نے بھی قاضی تسلیم کر لیا
ہے تو اسکا تصفیہ بھی صحیح ہے مگر کفار کے ملازم خصوصاً وہ جو قانون غیر شرع پر حکم دیتے ہیں اگرچہ مسلم
ہوں انکا حکم ظاہراً و باطناً اذرو دے شرع نافذ نہیں ہے برخلاف حاکم شرع کے کہ اسکا حکم سوائے حقوق اموال کے
سب مین ظاہراً و باطناً نافذ ہے اگر کسی جگہ قاضی نہ ہو تو علماء اس جگہ کے بمنزلہ قاضی کے ہیں ان کے
فیصلہ کو بھی شرعاً وہی قوت حاصل ہے جو قاضی کو حاصل ہے اور حکم کو بھی قاضی کا استحقاق ہے اور ان
لوگوں کو اگر قوت انتساب ہے یا احکام فقہیہ مین کسی امام کا مقلد ہے ائمہ اربعہ سے اور اپنے مقتدی کے
حکم کے مطابق انھوں نے فیصلہ کیا ہے تو یہ فیصلہ متنق علیہ ہو جائیگا اور اگر غیر مجتہد اور غیر مقلد ہے تو
اگر اس نے خلافت فیصلہ کیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا چہ جائیکہ کافر یا اس کا ملازم اُس کا فیصلہ
بالکل نافذ نہیں ہے۔

لام تملیک کا ہے مراد یہ ہے کہ اللہ کی ملک ہر طرف جو مشرق ہو یا مغرب اسکی ملک ساری زمین ہے
یا مشرق و مغرب سے نقطہ مشرق و مغرب ملا ہو اور ارض کے گردی ہونے کی وجہ سے ہر نقطہ حرکت مین کسی نہ کسی جگہ
کا مشرق بھی ہے اور مغرب بھی ہے اس سے بھی مقصود کامل مالکیت ہے۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن مجید
مین اکثر جہت مین بین و شمال یا یسار نہیں مذکور ہوتا ہے بلکہ مشرق و مغرب کا استعمال ہوتا ہے اسکا جواب یہ
ہے کہ اکثر جگہ اس سے مراد عام جہات ہوتے ہیں یہ عموم لفظ مشرق و مغرب سے حاصل ہو سکتا ہے جیسا کہ
گذرانہ کہ جنوب و شمال یا مین و یسار سے دو سے علت یہ ہے کہ نصحاء ایسے لفظ سے ہمیشہ تحریر کرتے ہیں
جن مین ایہام مذموم کا ہو شمال کو عرب منخوس سمجھتے تھے اور اصحاب شمال قرآن مین بھی دو رخ والوں
کے لئے مذکور ہوا ہے اس ایہام مذموم سے نصحاء کے کلام مین اس کا استعمال کم ہوتا ہے اسی کی موافقت
قرآن مین بھی کی گئی۔

فَاَيُّهَا تَوَلَّوْا یعنی جس مکان میں تم کعبہ کی طرف رخ کرو تو وہی جہت تھا جس کے لئے قبلہ ہے جس کے لئے تم کو حکم دیا گیا ہے۔ رخ سے اشارہ مکان کعبہ کی طرف ہوتا ہے اور وجہ اور جہت کے ایک ہی معنی ہیں جیسے الوزن اور الزنتہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اس صورت میں اس جہت کی اضافت اللہ کی طرف اسوجہ سے ہو کہ یہ جہت مامور بالسجود اللہ کی طرف سے ہو اور اس جہت میں سجدہ اسکی رضامندی کا باعث ہو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وجہ کے معنی ذات کے ہیں قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کل شیء ہا لک الا وجہہ نام چیزیں ہا لک ہیں سوائے اسکی ذات کے اس آیت میں وجہ کے معنی ذات کے ہیں اسی طرح یہاں بھی ذات کے معنی ہو سکتے ہیں۔ بعض وجہ کے معنی جاہ کے بھی مراد لیتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ قَاسِعٌ عَلَیْہُمْ۔ تمام کو گھیرے ہوئے لہذا ملک اور رحمت کے جاننے والا ہی بندوں کے اعمال کا اور انکے مصلح کا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت بطور پیشین گوئی کے ہے مقصود یہ ہے کہ حبشہ کے مسلمان رخ کر سینگے اور اللہ کی رضامندی اور فتح و نصرت اور جاہ و جلال ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تنبیہ و تذکرہ کے نسخ ہونے کی اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ خدا کی تعزیر بہت اور حیرت ہے جو کہ حبشہ کے مسلمانوں کو دیکھو دوسری جہت کو کوئی خاص امتیاز اسکی ذات کے لحاظ سے نہیں ہو سب مساوی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صلوة مسافر کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہو اور صلوة نفل کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ یہ ہو کہ اگر کوئی مسافر فرض کے علاوہ نماز میں نفل پڑھے تو اسکو اختیار ہے کہ سواری سے اتر کر نماز قبلہ کے رخ پڑھے اور اگر چاہے تو سواری کے جانور پر بیٹھے بیٹھے جدھر وہ جارہا ہو اور رخ کر کے نماز پڑھے اور اشارہ سے رکوع و سجود کرے۔ مگر ریل گاڑی کا حکم تحت کا اور کشتی کا ہے وقت ابتداء نماز کے رخ بہ قبلہ ہونا لازمی ہے اور جب تک تسخیر قبلہ کا علم نہ ہو جاوے اسی رخ پر نماز پڑھنا چاہیے۔ اُنہائے نماز میں اگر تسخیر قبلہ کا علم ہو گیا تو رخ پھیرنا چاہیے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جو اندھیا رہے ہیں رخ قبلہ کا بھول گئے اور بہت کوشش کی مگر رخ نہ معلوم ہو سکا انھوں نے اپنی تحری پر ایک رخ تجویز کر لیا اور نماز ادا کی تو اب انکی یہ نماز ادا ہو گئی زمین اختلاف ہو کہ یہ آیت اس حکم کے بتانے کے لئے نازل ہوئی یا جماعت اہل اسلام نے اس کے موافق عمل کیا اور یہ بطور تصدیق کے اور حکم کے برقرار رکھنے کے نازل ہوئی اسوجہ سے مروی ہوا ہے ایک گروہ صحابہ کا سفر کر رہا تھا راہ میں اُسے قبلہ کی جہت کو سو کر ڈالا اُسے کوشش کی مگر بجائے قبلہ کے دوسرے رخ پر ہو گئے انکے نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ سمت غلط تھی انکے حکم کو اس آیت نے واضح کر دیا نہ اُن کی نماز ہو گئی۔

کہتا ہو کہ میری اولاد ہو مگر اللہ پاک ہو اس سے کہ وہ کسی کو اپنا ساتھی یا اولاد نہ بنائے
بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَآلِ الْاَرْضِ۔ بلکہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہ سب اس کے عیدہ ملک

میں۔ کُلُّ شَیْءٍ کَانَ یَحْیُوْن۔ ہر ایک قانت ہو۔ تنوت کے معنی اطاعت کے ہیں مراد یہ ہے کہ ہر ایک مطیع و متقار
اس کے احکام و اوامر کا ہو یا اسی کی عبادت کرتا ہے خواہ بواسطہ ہو یا بلا واسطہ یا قائم باشہادت ہے۔
بعض کہتے ہیں مراد کل سے عزیز و مسیح و ملائکہ ہیں یا اہل طاعت ہیں۔ بعض کہتے ہیں کل مقتضی احاطہ کو ہے ب
مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں مراد اس سے قیامت کے دن کی حالت ہی بعض کہتے ہیں قنوت مسخر ہونے کو
کہتے ہیں کل مسخر ہیں یا ذلیل ہیں ظاہر امر ادبی ہے کہ تمام مخلوق اس کے قضا و قدر کے اندر مسخر ہے بریل
کے معنی مبرع کے ہیں بلا مثال سابق پیدا کر نوالا قضا کے معنی مضبوطی اور احکام اور اتقان کے ہیں
اور اصل اسکی ماخوذ فراغت کے معنی سے ہے ایو جہ سے قضا و قدر کہتے ہیں۔
فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فِیْکُوْنُ۔ مراد اس سے امر کو دینی ہے یا کلام نفسی حضرت باری کا ہو جو سب
تخلیق عالم ہے۔

اس جگہ یہ شبہ ہوتا ہو کہ بقول کہ کن سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خطاب جس شے سے ہو اور موجود
نہی و نہ خطاب کے کوئی معنی نہیں ہیں اور وہ شے بالذات اگر موجود ہو تو اسکا ہونا تحصیل حاصل ہے لہذا
اسکا مادہ موجود ہونا چاہئے اس صورت میں مادہ کی قدامت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ آریہ کا مسلک ہے
وہی قرآن کا بھی مقصد ہو اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ مادہ کی قدامت کے خلاف دلائل قائم ہو چکے ہیں ان سے
قطع نظر کر کے حکمای یورپ کے گروہ میں قابل ترین اشخاص مادہ کے متعلق جو رائے قائم کر چکے ہیں ان پر
غور کیا جاوے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مادہ غیر موجود شے ہے برکتے اور ہیوم کے مسلک نیمواتق
نازکی کا جھلکا مثلاً لیجئے اسکے اوصاف کہ جو اعراض ہیں در در کرنے جاوین تو پھر وہاں کوئی شے باقی
نہیں رہتی ہو تو اگر مادہ موجود فی الخارج ہو تو اسکا باقی رہنا ضروری ہے اور اگر مادہ موجود فی الخارج
نہیں ہے تو غیر موجود ہی ہے اگرچہ وہ دہی شے واقعی ہے جیسے کردیہ مگر جوشی وہی ہو اس سے
منتقل موجود فی الخارج مرکب نہیں ہو سکتا ہو اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اگر مادہ موجود مان لیا جاوے تو تمام
عالم وہی ہو جاوے جیسا کہ بعض حکماء خصوصاً ہیوم و برکتے اسی کے قائل ہیں ان کے نزدیک نہیں
کلی میں کسی امر کا متعلق ہونا اسکے وجود کا سبب ہو اور سوا ہی اسکے کچھ نہیں ہے یہ خیال وجود مادہ سے
زیادہ تر قریب بصواب ہو اسواسطے کہ اعیان ثابتہ بن کر نہ مین کلی کے ہیں اور اعیان ثابتہ حقیقتاً اعلیٰ

اور صفات فعلیہ میں یہی صفات فعلیہ مخاطب کن کے ہیں انکا ظہور وجود عالم ہے سوائے اسکے کچھ نہیں ہے یہ مرتبہ صفات کا تشبیہ کہلاتا ہے اسکو خطاب کن کا ہوا اور خطاب کرنے والافات کا مرتبہ ہے۔ کہ جو تنزیہ کہلاتا ہو لیکن کن یہاں محض تعلق ذات کا صفات کے ساتھ ہے حکما و سابقین تشبیہ کے نزدیک گویا وہ قدیم ہے اور وہ جو ہر ہے مگر عقل اول کو وہ بھی صادر ذات مبدو فیہ من سے سمجھتے ہیں اور عقل عالیہ میں سے عقل فعال میں تمام صور کائنات کا جمع ہونا اور قابل سے موانع کا دفع ہونا اسکے بعد افاضہ مبدو فیہ من سے جان بخل نہیں ہوکن سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اشراقیہ صور کو اعراض سمجھتے ہیں مگر مادہ کو جو ہر سمجھتے ہیں اسواسطے اسکے نزدیک بھی افاضہ صور امر تکوینی کے قائم مقام ہے لیکن مادہ کا بطلان ہو جانے کی صورت میں سوائے اسکے کوئی چارہ نہیں ہے کہ کن کا نام سے لیا جاوے جسکے معنی خلق کے ہیں نہ کہ کان ناقصہ ہو جو اسم و فعل کو چاہے اور سبق مادہ کی حاجت پڑے اشاعرہ کے مذہب کے موافق یہ امر تکوینی تعلق بردالات کرتا ہے مگر امر علاوہ تکوینی کے اگر کلامی ہو تو بھی ظاہر ہے کہ قول سے بیان کلام لفظی مراد نہیں لے سکتے ہیں کیونکہ کلام لفظی مرتب حادث ہے ذات قدیم اسکا محل نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ محل حوادث حادث ہے اس صورت میں سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ قول کلام نفسی سے ہو۔ اشاعرہ کلام نفسی کے قائل ہیں کن کلام نفسی ہو سکتا ہے اسکا ثمرہ تعلق ہے اور یہی تعلق خلق کا مخلوق کے ساتھ مخلوق کو بلا جمل مرکب کے جعل بسیط سے حیر عدم سے حیر وجود میں لاتا ہے حاصل کلام نفسی اگر لفظ کن ہو تو ہو سکتا ہے اور مجرد تعلق امر تکوینی ہے بلا سبق مادہ کے شے کو مخلوق کرتا ہے اس سے استدلال سبق مادہ پر عربی کی ناواقفیت سے ہے اسواسطے کہ عربی میں کان صرف ناقصہ نہیں ہوتا ہے جو دو چیزوں کے ہونے کو چاہے بلکہ کان نامہ معنی خلق کے ہے جسکے معنی پیدا کرنے کے ہیں اُس میں دو مفعول کی حاجت نہیں ہے اگر ارباب کشف و تصوف کا مذہب لیا جاوے تو اور بھی واضح ہوتا ہے کہ کان نامہ ہے اور مخاطب مرتبہ تشبیہ ہے اسی کا ظہور وجود عالم ہے ایسا مخفی ہونا عدم عالم ہے اسی کی تعبیر طور عقلی متوسطہ سے ذہن کلی کے لفظ سے ہوتی ہے جسکو حکما و یورپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

یہی مرتبہ تضاد و قدر کا ہے اسوجہ سے ارشاد فرماتا ہے اِذَا قَضٰی اَمْرًا جَب تَخْلِقُ کا تفسیر کہلتا ہے تو پھر کوئی امر غرض باقی نہیں رہتا سوائے اسکے کہ اس سے کہا جائے اور وہ امر ہو جائے۔ یہاں تشبیہ ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے عالم کو چھ دن میں پیدا کیا تو اسکی کیا صورت ہو یہ آیت مقتضی ہے کہ فرما کہ عدم سے حیر وجود میں شے آجاوے اسکا جواب یہ ہو کہ اول تو یوم کے معنی مطلق نہ

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِيلًا يَرْكَذَلِكِ
اور جن لوگوں کو علم نہیں جو وہ کہتے ہیں کاش کیوں نہیں خدا ہم سے کلام کرتا جو یا ہم کو کوئی آیت و نشانی نازل فرماتا
قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ
ایسی ہی حوالہ گئے پہلے تھے کہتے تھے انھیں کی ایسی بات ان کے قلوب کیسان ہیں
بَيِّنًا اَلَا يَتْلُوْنَ هُوَ
مجھے بیان کر دیا اپنی آیات کو اس قوم کے لئے جو یقین رکھتی ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۲۷۔ کے ہیں اور وہ زمانہ بھی حرکت فلک افلاک یا گردش ارض نہیں ہے بلکہ محض تقدیر و
اندازہ ہے اسکا اثر حوادث یومیہ پر پڑتا ہے اور تبدیلیک وہ حادثات زمانہ میں پائی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ ان
حوادث میں تعلق بھی حادث ہے حادث بومی میں آج تعلق ہوا کل گذری ہوئی میں خوشی پیدا ہوئی۔
اس سے کل متعلق ہوا تھا اور آئندہ جب پیدا ہوگی تو تعلق ہوگا۔
فیکون۔ قانون بیان تعقیب کی ہے تراخی کی نہیں ہے جو امر کن اور فعل کیوں کے درمیان میں مدت
کی ضرورت ہونم ہوتا تو البتہ تراخی و تاخیر کے معنی محتمل ہوتے یہ قانون تعقیب بھی زیادہ احتمال تعلیل کا کہتی
ہے اور ظاہر ہے علت تامہ سے معلول منشا نہیں ہوتا ہے علت و معلول کے درمیان میں تاخیر زمانی
نامکن ہے لہذا یہ مقدم تاخر ذاتی ضروری ہے مگر اس سے مہلت ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ مہلت و امانت
ہے لہذا یہ شبہ کہ فار فیکون کے دلائل کرتی ہے کہ کن کے بعد پھوڑی مدت صرت ہو دفع ہو گیا
اس واسطے کہ فاء اس صورت میں نفی مہلت و مدت پر دلالت کرتی ہے واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما الذین لَا يَعْلَمُونَ سے مراد یہود کو لیتے ہیں اس واسطے کہ گویا علم کتاب
رکتے تھے مگر جب انھوں نے اس کے مطابق عمل نہ کیا تو وہ اور جاہل برابر ہو گئے انہیں لا یعلمون کہنا صحیح
ہو گیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مراد اُن سے نصاریٰ ہیں قتادہ کہتے ہیں کہ مراد اس سے مشرکین عرب ہیں۔
لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ۔ کیونکہ ہم سے خدا نے خود کلام کیا اور نہ کہہ دیا کہ تم اس کے رسول ہو۔
اَوْ تَنْزِيلًا اٰیۃ۔ یا ہم کو خود آیت نہ دی گئی جو نشانی ہوتی رسول کے صدق کی جس سے ہم
تصدیق کرتے۔

كَذٰلِكَ قَالَ الذِّیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ ایسے ہی تول ان لوگوں کا تھا کہ جو اُن سے قبل ہوئے خواہ
مراد انھیں کے اسلاف ہیں یا دیگر اہم حضرت ابراہیم و حضرت نوح کی امت کہ دل ان سب کے

اِنَّا ارْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَّلَا تُسْئَلُ
 ہنہ تم کو بھیجا حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور

عَنْ أَصْحَابِ الْحَجِّمِ

بارہمین سوال نہ ہوگا۔

بقیہ صفحہ ۲۲۷۔ شقاوت میں یکساں ہیں۔ اس آیت میں قباحت اس قول کی بیان نہیں کی گئی
 اس واسطے کہ اپنی کم ظرفی اُن کو محسوس نہیں ہو سکتی تھی اُسکو سمجھ نہیں سکتے تھے کہ وہ اللہ کے کلام
 کرنے کے قابل نہیں بنی بننے کے سزا دار نہیں کتاب اور آیات انبر اتارے نہیں جاسکتے ہیں۔ اس واسطے
 اس امر کو اتنا کی گئی کہ وہ جہاں سال رسول آگے بیان کی گئی۔

مراد حق سے یا صدق ہے کیونکہ صدق معنی میں حق کے قرآن میں وارد ہوا ہے یا مراد اس
 اسلام اور اس کے شرائع ہیں یا مراد یہ ہے کہ ہنہ تمہارے رسالت حق کے عبث اور بیکار نہیں کی ہے
 بلکہ اسکا مفاد کھٹے خوشخبری دیکھنے کی طاعت کرنے والوں کو جنت کی اور ڈرانے نافرمانوں کو دوزخ سے
 لائش کو بعض نفی کا صیغہ پڑھا ہے مراد اُس سے یہی ہے کہ آپ کو رسالت عطا کی گئی آپ نے
 تبلیغ فرمادی۔ بشارت اور خوف سب دلادیا اب آپ کے ذمہ کوئی امر نہیں رہا بعض نے ہکو بطور
 نہی کے پڑھا ہے اسکی دو تاملین ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اصحاب حجیم کے اعمال اس قدر عجیب و غریب ہیں
 کہ انکی حالت سے آپ سوال مت کیجئے یا یہ کہ جن کے اصحاب حجیم ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اور جو قطعی
 جہنمی ہیں انکے لئے آپ کوئی سوال نہ کیجئے دعانہ فرمائیے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ فرماتے
 ہیں کہ آنحضرت نے اپنی والدین کے متعلق کہا کہ کاش مجھے معلوم ہو جانا کہ میری ماں باپ کیسے تھے۔
 تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ انکے احوال کو مت دریافت کیجئے۔

بیان مراد ابوطالب ہوں تو یہ روایت ممکن ہے کہ قابل تسلیم ہو حالانکہ آنحضرت کو انکے احوال کی
 بھی خبر دی گئی تھی جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے انکے خلاف کی حالت ذکر کی اور اگر
 مراد اس سے حضرت عجلہ شدہ حضرت اسمہ میں تو ظاہر ہے کہ یہ دونوں اصحاب حجیم سے نہ تھے بلکہ اپنے وقت
 کے صلحا سے تھے اور ابن عباس کی تفسیر سے انکا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہ ممانت ابتداء اسلام
 میں ہوتا کہ دیگر اہل اسلام اپنے والدین کے حالات کا تفحص نہ کریں جب اسلام کو تقویت ہو گئی تو آنحضرت
 کو آپ کے والدین کی حالت بتا دی گئی ہو واللہ اعلم۔

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ

اور ہرگز خوش نہونگے تیرے یہود نہ نصاریٰ جب تک کہ تم انکا دین نہ اختیار کر لو فرما دیجئے کہ تم

إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ

اللہ کی ہدایت سہی اہل ہدایت ہو اور اگر تم پیروی کرو گے انکی خواہشات کی بعد اسکے

الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ

کہ تمہارے پاس علم آگیا ہے تو پہلو سے ابھارنے والا نہ ہوگا دوست ہوگا نہ مددگار ہوگا۔

الَّذِينَ آمَنُوا أَكْتُبُ لَكُمْ فِي تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ

جن لوگوں کو مینے کتاب دہی ہے اور اُسکو وہ اچھی طرح پڑھتے ہیں جیسا پڑھنے کا حق ہو تو وہی اسپر ایمان رکھتے ہیں

وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ

جو اس کتاب کے ساتھ کفر کرے تو وہی لوگ کفر کر نیوالے نقصان میں پڑنے والے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت قبلہ کی تحویل کیوت نازل ہوئی یہود و نصاریٰ نے جب دیکھا کہ آنحضرت مدینہ طیبہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں تو انکو خیال ہوا کہ شاید یہ انکے دین کی طرف مائل ہو جاوین آنحضرت کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ صرف تحویل قبلہ پر اکتفا کر نیگے وہ تو اسی وقت رضی ہوئے جب بالکل نکو تمہارے دین سے پھیر لیں اور یہ ہونہیں سکتا ہے بلکہ اللہ نے ہدایت کی ہے وہ ہدایت فنا نہیں ہو سکتی ہے ایسی صورت میں وہ راضی نہیں ہو سکتے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیت اسوقت آئی جب آپ نے کفار قریش سے صلح کی یا یہود سے صلح کی اس امید پر کہ شاید یہ لوگ صلح کے باعث دین اسلام کی طرف مائل ہوں اس واسطے کہ دیا گیا کہ یہ صلح کیجئے یا جنگ کیجئے اسلام نہیں لائیں گے بلکہ یہ تو آپکو اپنی طرف کھینچا چاہتے ہیں۔

وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ لَآتِيَنَّكَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ

اگر تم انکی خواہش کی پیروی کر دے گے خطاب آنحضرت سے ہی مراد اہمیت ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا أَكْتُبُ لَكُمْ فِي تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ

حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہمراہ کشتی پر آئے تھے کل چالیس آدمی تھے تیس عرش مروئے اور اٹھ رہبان

تھے شام کے رہنے والے تھے بجز اراہب بھی انہیں تھا اخاک کہتے ہیں کہ مراد اسے وہ یہود ہیں جو ایماں

لائے جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ عکرم کہتے ہیں کہ مراد اس سے کل صحابہ ہیں بعض کہتے ہیں کہ حج امت ہو۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآئِيْلُ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَيُّهَا
اسے بنی اسرائیل یاد کرو وہ نعمت جسکو میں نے تم پر انعام کیا اور تمہیں میں نے تم کو

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا
نصیلت دی تمام عالموں پر اور ڈرو تم اس دن سے کہ جب میں کوئی شخص کسی شخص کے کام نہیں آ سکتا
وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ
نہ کسی شخص سے عوض قبول کیا جاوے گا نہ کسی شخص کو تسفاعت نفع دیگی اور نہ وہ مدد دے گا جو دینگے۔

بقیہ صفحہ ۲۴۹ بیلو کہ حق تبارک و تعالیٰ کے معنی و وصف کرنے کے بھی ہیں اور پڑھنے کے بھی ہیں اور
ضمیر آنحضرت کی طرف بھی پھر سکتی ہو اور کتاب کی طرف بھی جہاں کہیں کہیں کہ آنحضرت کی توصیف کرتے
ہیں جیسا توصیف کرنے کا حق ہو اور کوئی وصف پوشیدہ نہیں کرتے اور بعض نے کتاب کی طرف ضمیر راجع کی ہو
ابن مسعود کہتے ہیں تیلو نہ حق تبارک و تعالیٰ جیسا کہ نازل ہوا ویسا پڑھتے ہیں تحریر نہیں کرتے جو قرآن میں
حلال ہو اسکو حلال اعتقاد کرتے ہیں جو حرام ہو اسکو حرام سمجھتے ہیں امام حن بصری کہتے ہیں حکمت پر
عمل کرتے ہیں تشابہات پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اسکا علم اس کے عالم کے تفویض کرتے ہیں مجاہد کہتے
ہیں اتباع کرتے ہیں پوری اتباع جو حق ہے اتباع کرنے کا وہ بجا لاتے ہیں واللہ اعلم۔

نبی اسرائیل کو پہلے ان کے انعامات کا ذکر کر کے ترغیب دی گئی کہ ایمان لاؤ پھر ان کو خون دلایا گیا اور
ان کی تمام امیدیں منقطع کر دی گئیں صاف کہا گیا کہ نہ تو کسی سے کسی کو از خود نفع پہونچ سکتا ہو بلکہ ہر شخص
اپنے لئے کا گرفتار رہے نہ سفارش قبول ہوتی ہو نہ عوض لیا جاسکتا ہو نہ کسی دوسری طرح مدد پہونچانی جاسکتی ہو
اس کے بعد حضرت موسیٰ کے قصص مذکور ہوئے اور امانین نعمتوں کا ذکر اور بنی اسرائیل کی ناشکر گزاری کا ذکر
انکی خطائیں سپر سزائیں ذکر کی گئیں اور زمین میں اس کے ہر طریقہ پر نصیحت کی گئی انکوں کے قصوب نصیحت کی گئی
پھر ان کے خود احوال مذکور ہوئے انکی گستاخانہ اعتراضات ذکر ہوئے رسالت کے مراتب منازل کی خوش ہمش
اور اسکی استدعا بلکہ قہر دانہ لہجہ میں اسکی تحقیر کرنے پر ارسال رسول کی ضرورت اور ان کے استدعا سے بالاتر پہونچو
ظاہر کر کے پھر ان کو ترغیب و ترہیب بعنوان بالاک کی گئی۔

اول مرتبہ اسی مضمون کی جو آیت ذکر ہوئی ہے اس کے بعد تشریح حکایات قدما بنی اسرائیل کے ہیں۔
اب پھر اس کے ہم معنی آیت کا نازل ہونا محض ان کے خود حالات کی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے جو اس واسطے کہ
اس آیت کے بعد پھر حواشاد کیا جاوے گا وہ بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل کو دونوں کیلئے ہوگا اور حضرت

فَاذْأَبْنَىٰ اِبْرَاهِمَ رَبُّهُ بِكَلِمَتٍ فَاَتَمَّتْ ؕ قَالَ فَاْتِيْ جَاعِلًا لِلنَّارِ
 اديا دکر دہوت کو کہ جب جانیا (ابراہیم نے اپنے رب کو) ابراہیم کو اسکے رب نے تو اس نے ان کلمات کو پورا کر دیا: کہا اے نبی! وہ لوگ اس کے
 اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنْالُ عَهْدِيْ لظَلَمِيْنَ ؕ
 میں تم کو لوگوں کیلئے امام بنانا چاہتا ہوں کہا ابراہیم نے اور میری ذریت کو امام بنانا کما کہ اپنے میل پر عہد ظلم کر رہا ہوں کہ نہ ملے گا۔

تفسیر صفحہ ۲۵۰۔ ابراہیم کے واقعات کے ضمن میں تذکیر ہو گئی۔ گویا ان کے خاص واقعات کی ابتدا اور انتہا میں ان کے
 اوپر جو کچھ کیا گیا ہو بالاجمال ان کو یاد دلایا گیا ہو اور جو کچھ اُن کو پتہ نہ آئے وہ ظاہر کر دیا گیا ہو مگر
 باوجود تذکرہ کے ایک لطف خیز تفصیل عبارت میں کیا گیا ہو تاکہ بے استثنائی سے نہ سنیں اور تذکرہ سے بیزار
 نہ ہوں پہلے کہا گیا تھا لَا تَنْفَعُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ اِسْ جگہ لَا يُوْخَذُ مِنْهَا
 عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُ شَفَاعَةُ ذکر کیا گیا ہو ظاہر ہے کہ اصل نجات اسی صورت میں ہے کہ بلا معاوضہ کے
 رہائی ہو جائے اور بلا معاوضہ رہائی اصل نہیں ہو اصل مقدم ہو مگر اس سے طریقہ ادا میں بھی مقدم ہو
 لیکن اس سبق کو اختیار کرتے ہیں اس جانب اشارہ ہو کہ بعض لوگوں کو محبت مال کی ہو تو وہ مقدم کرنے میں
 اس کے وہ کسی دوسرے شفع کا احسان اُٹھائیں ان دونوں مزاجوں کی حالت کیجا نہ اشارہ کر نیکی غرض سے
 دو اسلوب بیان اختیار کئے گئے۔ ممکن ہو کہ اس جانب بھی اشارہ ہو کہ ملائکہ نبی اسرائیل میں محبت مال کی نہ
 تھی اس واسطے ان کے ذکر کرتے وقت سفارش مقدم کی گئی جو ان کے مقتضی حال کے مناسب تھی اور انھیں
 کے زمانہ کے نبی اسرائیل میں جو صحبت اہل عرب کے مال کی محبت کے زائد ان کو عبرت اور احسانندی کو بار سمجھنے کی
 استعداد ہو گئی تھی اس واسطے ان کے مناسب حال یہی اسلوب تھا فضیلت ان کی ظاہر ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم کے زمانہ سعادت میں موجود تھے اور حضور کی شرف صحبت کے فائز ہو کر اس سے زیادہ فضیلت کیا ہوگی خیر القرون
 میں تھے لیکن اصل ثمرہ فضیلت کا اُنھوں نے بلا جھٹون نے نعمت مہدۃ کو قبول کیا اور نہ فضیلت دینی میں شک
 نہیں چاہتے غرت کی عدم صلاحیت کے باعث وہ نعمت نعمت ہو جائے۔

پھر اللہ جل شانہ اپنے بندوں کو عموماً اور نبی اسرائیل کو خصوصاً حضرت ابراہیم کے اقوال ذکر کر کے
 تحریریں کرتا ہو کہ اتباع ایسے رسول کی تلازم ہو جو دعوت ابراہیم ہو اور قدم بقدم حضرت ابراہیم کے ہو اور
 شریعت ابراہیمی لایا ہو اسی سلام کی دعوت کرتا ہو۔ جب سلام کی دعوت ابراہیم علیہ السلام نے کی ہو اسکے
 قبول کر نہیں پیش قدمی کرو جب ریاست مانع نہ ہو اس واسطے کہ ان کو حکم عند اللہ اتفاقاً اللہ کے
 نزدیک بزرگ تر وہی ہو جو پرہیزگار اور اللہ سے ڈر رہا ہو ابت ہو ریاست و امامت کا اللہ نے ابراہیم

وعدہ کیا ہو۔ مگر اسمین ایک شرط پر وہ یہ کہ حدود سے تجاوز نہ کر و تعصب چھوڑ و جو خدا کا بھیجا ہوا ہے اسکو مانو بالخصوص ایسی صورت میں کہ وہ احکام ابراہیمی پہنچاتا ہو اور تم ابراہیم علیہ السلام پر نازل کرتے ہو ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کے طواف کا حکم دیا اسکے ظاہر رکھنے کیلئے ارشاد فرمایا اسکے مناسک بتائے وہی سب آنحضرت بھی تعلیم فرماتے ہیں جب وہی ملت ابراہیمی ہے تو پھر کچھ قبول کرنے میں کیا باک ہو عطف اس جگہ قصہ کا قصہ پر ہے اوپر کے قصص کا جو مقصود ہے وہی اس قصہ کا ہے وہی تحریریں اسلام قبول کرنے پر ہے۔

آخ اس جگہ یا تو قال جہاگے ہوا اسکے متعلق ہے یا فحل مضمون ہے یا فحل مضمون مقدم ہے اور اذکر یا اذکر ا ہے یا اذکر و اسوقت کو جب متلا کیا ا تبار کے معنی جانچنے کے ہیں کسی کے حال کو دریافت کرنے کے ہیں ابراہیم لفظ عجی ہے اسکو بعض ابراہام بھی کہتے ہیں بعض ابراہیم پڑھتے ہیں قبل اسکے کہ یہ لفظ نام رکھا جائے رب رحیم کے معنوں میں متعل تھا۔ سبکے پہلے تاریخ کے فرزند کا نام رکھا گیا۔ تاریخ حضرت نوح کی اولاد میں ہیں اس طرح کہ تاریخ بن ناحربن ارغوبن اشرع بن شالخ بن فالخ بن ارغش بن سام بن نوح یہ مرد وہ بن کنعان بن کراش بن سام بن نوح کے زمانہ حکومت میں پیدا ہوئے شب جموع عاشوراء تھی مرد و خفا کی طرف سے سواد عراق کا حاکم تھا اور بڑا استکبر اور خودی میں تھا سبکے پہلے تاج اسی نے سر رکھا ہے طوفان نوح سے ولادت ابراہیم علیہ السلام میں بارہ سو بائیس برس کا زمانہ گذرا اور حضرت آدم گئے وقت سے تین ہزار آٹھ سو نینتالیس سال گزے اور زمانہ ہجرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ولادت حضرت ابراہیم دو ہزار آٹھ سو تیرا نوے سال بعد ہے اس حساب سے حضرت ابراہیم کی ولادت کو تقریباً چار ہزار دو سو چونتیس سال گزے ہیں۔

حضرت جب پیدا ہونے والے تھے پہلے سے مرد کو اسکے زمانہ کے کاہنوں نے خبر دی تھی کہ تمہاری اس شہر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے تمہاری ہلاکت ہو نیوالی ہے وہ شہر یا تو بابل عراق کا تھا یا کوئی ایک مقام سواد کو فہ میں ہو وہ تھا یا کسکر تھا اور بعض خزان کہتے ہیں کہ یہ مقام مملکت سے مرد کے باہر تھا مگر ابراہیم کے چچا آزر نے انکو لیکے ملک مرد میں سکونت اختیار کی تھی کاہنوں سے یہ سن کے مرد کو بڑی حشت ہوئی کہ وہ لڑکا میسے شہر میں پیدا ہوگا اور مجھے ہلاک کرے گا حکم دیدیا کہ کوئی شخص اپنی عورت سو جماعت نہ کرے بلکہ ساتھ بھی نہ رہے ہجر اس زمانہ کے کہ عورت غیر ظاہر ہو کیونکہ وہ ایسی حالت میں جماعت سے پرہیز کرتے تھے جس کی حشت بڑھی تو اُس نے حکم دیا کہ سب لوگ باہر شہر کے چلے جاوین خصوصاً اس شب کو جبکہ کاہنوں نے اسکو خبر دی کہ وضع حمل اس شب کو ہوگا وہ سب مردوں کو لیکے نکل گیا اسکو تاریخ پر بڑا اعتماد تھا

اتفاق سے اسکو شہر میں کسی ضرورت سے کسی شخص کو بھیجا پڑا سب زیادہ معتمد تاریخ تھے اُن کو بھیجا اور کہا کہ تم کسی طرح اپنے گھر نہ جانا یہ بھی اسکو معلوم تھا کہ انکے زوجہ غیر طاہرہ، و اعتماد کے ساتھ اطمینان بھی تھا اتفاق سے ضرورت جلد پوری ہو گئی وقت تھا تاریخ اپنے گھر میں گئے دیکھا عورت طاہرہ ہو چکی ہو جماعت کی نظر نہ لگایا بڑی کوشش غرود کی مگر تضائی آئی سے مجبوری تھی جب سب اہل اُن تمام عورتوں کو اچھی طرح جانچا گیا کوئی حل نہیں معلوم ہوا اور برابر باہ جانی ہوئی تھی لیکن ام ابراہیم ضمیر الحسن تھیں اور حل بھی کچھ اس طرح کا تھا کہ محسوس نہ ہو سکا جب حل پورا ہو گیا حضرت ابراہیم تولد ہوئے تو اس وقت خیر جبریل نے آ کے تمام مرآئم ولادت ادا کئے آپ کی والدہ نے ایک تہ زمین حصہ میں آپ کو جناح آپ زمین پر شریف لائے تو اس دن آزاد آپ کے چچا غرود کے پاس بیٹھے تھے غرود کے تخت کے چرچرائی کی آواز آئی اور غرود نے سنا کہ کوئی ہاتھ کتا ہو قصص من کف بالہ ابراہیم برباد ہو گیا وہ جس نے خدا، ابراہیم کا انکار کیا غرود نے خواب میں اُسی شب کو دیکھا کہ والد ابراہیم کے رانوں کے درمیان سے ایک نور خارج ہوا ہے جسے اطراف و اکانات کو روشن کر دیا ہے زمین و آسمان پر اسکی روشنی ہے اور کوئی شخص کئے والا کتا ہے جاء الحق و رھق الباطل ان الباطل کان زھوقا لوگوں نے دیکھا کہ بُت اوندھے منہ گر پڑے یہ سب واقعات غرود کو تعجب کرنے کیلئے کافی تھے چنانچہ اُسے آذر سے دریافت کیا کہ ابراہیم کون ہے انھوں نے لاعلمی ظاہر کی اور واقعی اسکو علم بھی نہیں تھا انکی بیوی نے بالکل پوشیدہ کر دیا تھا غرود نے آذر سے خواب اپنا بیان کیا انھوں نے جواب دیا کہ میں چونکہ بتوں کی عبارت بہت کرتا ہوں اور وہ مقبول ہو گئی ہے اس واسطے یہ خواب اپنے دیکھا ہے غرود بوقوت بہت زائد تھا اسنے یہ تعبیر قبول کر لی۔ الحاصل خدا نے اُس ظالم سے حضرت ابراہیم کو پوشیدہ رکھا بعض کہتے ہیں کہ جب ابراہیم کے والد کو خبر ہوئی تو حاملہ کو ایک مقام برس ہے کو فہ کی سرزمین میں دہان بھیج دیا۔ یہاں اس امر کو ذکر کرنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ و آذر ایک شخص ہیں یا دو اور والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون ہیں قرآن شریف میں آذر نام ابراہیم کے والد کا کہا گیا ہے اور مفسرین اور مورخین تاریخ نام بتاتے ہیں بعض تو کہتے ہیں کہ ایک ہی شخص ہے اور بعض کہتے ہیں دو شخص ہیں انہیں سے تاریخ والد ابراہیم ہیں اور یہ وفات کر گئے اسکے بعد ابراہیم تولد ہوئے اور اُن کو آذر نے پرورش کیا اور آذر ہی غرود کے رشتہ دار اور خواصل جاب تھے اور بُت پرست تھے مگر حضرت ابراہیم انکو باپ کہتے تھے موافق محاورہ کے اور لوگ بھی انھیں کو باپ سمجھتے تھے آذر نے انکو اپنے غرود کے طور پر دکھا تھا اسی رشتہ سے سارہ بت کفان بن آذر کیساتھ حضرت ابراہیم کا نکاح ہوا ہے بہر حال ہم آذر کو جُوت پرست

حضرت ابراہیم کا محاورہ کے لحاظ سے اب سمجھنے میں حقیقتہً باپ حضرت ابراہیم کے مشرک نہ تھے جیسا کہ علما و متبحرین نے اسکی تحقیق کی ہے۔

حضرت ابراہیم کی والدہ نے حضرت کو زمین کے غار میں پوشیدہ کر دیا تھا مگر بار بار آتی جاتی تھیں بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابراہیم کی انگیلوں کے مناسب غذا نکالتی تھی اسی سے وہ پرورش پاتے تھے اس مدت میں بہت اختلاف ہو کہ جس مدت غار میں رہے بعض کہتے ہیں صرف دس ماہ رہے اور شونما انکا دس برس کے ایسے لڑکے کا ہو گیا بعض کہتے ہیں کہ سات برس رہے بعض کہتے ہیں کہ تیرہ برس رہے بعض کہتے ہیں کہ تیرہ برس رہے پھر باہر نکلے دیکھا انھوں نے بکریوں کو اونٹ کو گھوڑوں کو دریافت کیا کہ یہ کیا ہیں سب کو مان نے بنایا اسکے بعد انھوں نے کہا کہ انکار بکریوں کو مان نے اسکے مالک بنایا پوچھا کہ میرا رب کون ہے اسنے کہا کہ میں ہوں انھوں نے دریافت کیا کہ تمھارا رب کون ہے اسنے جواب دیا کہ آزر ہے انھوں نے فرمایا کہ آزر کا رب کون ہے اسنے جواب دیا کہ فرود ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ فرود کا رب کون ہے تو مان نے ڈانٹا کہ اسکارب کون ہوگا مگر ابراہیم علیہ السلام کو اس جواب سے اطمینان نہیں ہوا۔ آزر سے مان نے ابراہیم کے سوالات کے آزر نے بھی آخرین سمجھایا اور ڈانٹنا مگر حضرت ابراہیم کو تشفی نہیں ہوئی شب کی وقت نکالے گئے تھے اور مان باپ کو کو اکب کی تعظیم کرتے دیکھا تھا یا دن گذر کے شب کو آئے تھے کہ مشتری کو دیکھا یا زہرہ کو دیکھا بوقت چاند طلوع نہیں ہوا تھا انھوں نے تارہ کو روشن دیکھ کے کہا کہ یہ رب ہے پھر جب غروب ہوا چاند نکلا تو کہنے لگے کہ یہ رب ہے جب وہ بھی ڈوب گیا اور سورج نکلا تو کہا یہ بڑا ہے یہ رب ہے مگر خدا نے ان کو عقل سلیم اور ملکہ نبوت عطا فرمایا تھا ان نعینات میں گرفتار نہیں رہے۔ متلاشی رب لا را باب کے تھے آخر بالقاء والکی فرمایا اِنی و جئت و جی للصدی فطر السموات والارض اور مان باپ سے کہہ گیا کہ میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا وہی ایک رب ہے اس جگہ ایک شبہ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے قبل بعثت کے شرک کیا اسکا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ شرک نہیں کیا بلکہ یہ استفہام ہے اور بصورت یہ انکار ہے کیونکہ تمام قوم غرود اور آزر کو اکب اور قمر و شمس کی پرستش کرتے تھے انکے شبہ کے رد کرنے کی غرض سے یہ صورت اختیار کی مگر حضرت اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ غور حضرت حق ابراہیم کے پیش نظر تھا اور اس ظہور کے باعث اسنی دید و قرب کے اعتبار سے مراتب کی ترقی کرتے گئے اور ہوتے ہوئے نعین سے لافین تک پہنچ گئے کوکب و قمر و شمس کو رب نہیں کہا تھا باوجود اسکے یہ قول انکا ابتداء مراتب کے لحاظ سے تھا اشد نے خود ہدایت فرمادی و وجدک ضالاً قہدنی اشد نے راہ راست پر لگادیا یہی نظرت سلیمہ کا مقتضی ہے

آؤ نے حضرت ابراہیم کو اپنے طریقہ کی تعلیم دینا چاہی مگر کچھ اثر نہ ہوا اور بت بنانا تھا اسکی تجارت کرتا تھا
 حضرت ابراہیم جب جوان ہو گئے تو ان کو بت بنانے کے دینا کہ فروخت کر لاؤ وہ لیجائے اور بچارے کہتے کہ
 کون ایسی چیز کو لیگا کہ جو نفع مند نہیں ہو ضرر رسان ہو کوئی نہ خریدتا جب آپس ہوتے تو بتوں کو پانی میں
 جھکاتے اور اتارنے سے مخاطب ہو کے کہتے کہ اب پانی پیو یہ کہنا محض لوگوں کو ان کی عقل کے خلاف حرکات
 کرنے پر تنبیہ کرنے کا تھا جب چالاک لوگوں نے دیکھی تو ان کو ڈرایا کہ اگر اس قسم کی گستاخی بتوں کے
 ساتھ کرو گے تو تمکو سخت نقصان پہونچے گا تم جنوں میں مبتلا ہو جاؤ گے اور سخت سے سخت بیماری لاحق
 ہوگی مگر حضرت ابراہیم جواب دیتے کہ اخاف ما تنشر کون بدہ میں اُسے نہ ڈروں گا جن کی وجہ سے
 تم لوگ شرک کرتے ہو آخر حضرت ابراہیم نے تبلیغ شروع کر دی اور سب قوم سے کہا ماہلنہ
 التماثل للثقل شتم لہما الکفون۔ کیا ہن یہ تماثل جن کے لئے تم غمکات کئے ہو انھوں کوئی جواب
 نہیں دیا مگر کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اگلوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ یہ لوگ ہر سال ایک میلہ کرتے
 تھے سب باہر چلے جاتے تھے بتوں کیلئے کھانا رکھ جاتے تھے جب واپس آتے تھے تو اسی کھانے کو
 تبرک کر کے کھاتے تھے حضرت ابراہیم کو بھی لہجہ مانا جا با مگر آپ نے عذر کیا یا راستہ سے واپس آ گئے کہ سقیم
 ہن سقم کیا تھا پاؤں میں کچھ ضرب آگئی تھی یا طاعون کا اندیشہ بتایا۔ طاعون سے وہ بت ڈرتے تھے
 ان کو چھوڑ دیا مگر لوٹنے لوٹنے ایسے الفاظ کہے کہ جو ایک شخص نے سنے اور سبے کہدیا بتوں کی بُرائی
 تھی یہ پہلے بت خانہ میں پہونچے سات بت تھے ایک بت دوسرے سے بڑا تھا اور مختلف دیات کا تھا
 سب بڑا بت تھا وہ سو نیکا تھا سب کے پاس گئے اور کہا کہ کھانا کھا وہ کیسے کھاتا تیرے توڑتے
 گئے یہاں تک کہ تبر کو بڑے بت کے ہاتھ میں لگا دیا اور چلے آئے جب لوگ واپس آئے اور انھوں نے
 دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہن تو اسوقت اس شخص نے جسے حضرت ابراہیم سے بتوں کے متعلق سنا تھا
 کہا کہ ابراہیم نامی نے اسکو توڑا ہے آپ بلائے گئے آپ نے فرمایا کہ بڑے بت نے انہیں کے یہ حرکت کی
 ہی اسکو غصہ آیا کہ میری موجودگی میں لوگ چھوٹے چھوٹے بت پوجتے ہن انھوں نے کہا کہ بھلا وہ کیا کرتا
 اسکو کیسے قدرت ہوئی آپ نے فرمایا کہ جو اپنا نفع نقصان نہیں کر سکتا ہو وہ نہ کو کیا فائدہ پہونچا سکتا ہے ابراہیم
 غور کر کے خود بھی اپنے فعل کو فضول سمجھنے لگے اور ابراہیم علیہ السلام کی اس تنبیہ کا اثر ہوا بجائے اسکے
 کہ ان کو مانتے ان کو جلانے کی فکر کی کہ زبان جمع کی گئیں ہر شخص بقدر وسعت صحیح کرتا تھا بلکہ اعصہ
 میں جو مراد ہوتی اور اسکی منت مانی جاتی تو یہی کہ اگر یہ کام ہو گیا تو اتنی لکڑی جمع کی جاوے گی ایک ماہ یا
 چالیس دن برابر لکڑی ڈھوئی گئی اور اسکے گرد ایک دیوار بنائی گئی جس کا طول ساٹھ گز کا تھا کم سے کم

تیس گز کا تھا پھر اسمین آگ دلیگی مروی ہو کہ بزرگ برسے گذر نہیں سکتا تھا جو گدے راجل جاتا یا تینک کہ پوری لپکے اسکے سب تنگ آ گئے حضرت ابراہیم کو قید کر دیا تھا قید سے لائے گئے اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر صرف سولہ برس کی تھی بعض کا خیال ہے کہ آگ کا واقعہ تیس برس کے سن میں ہوا مگر یہ روایت کرتے ہیں کہ تیرہ برس قید ہے اسکے بعد آگ میں جلائے جانے لگے۔

حضرت ابراہیم کو مخینق میں بٹھا کے اس دیوار پر آگ میں ڈالا اس وقت ملا، اعلیٰ میں سخت اضطراب تھا ہوا کے موکل فرشتے نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ اگر فرمائیے تو آپ کی مدد کر دے آپ نے کہا کہ جسی اللہ فرمے الوکیل اسکے بعد حضرت جبریل مع فرشتوں کے آئے اور انھوں نے عرض کی الگ حاجت کیا آپ کو کوئی ضرورت ہو آپ نے فرمایا کہ انا الیک فلا لیکن تمھاری ضرورت تو مجھے نہیں ہے اس وقت حضرت جبریل نے عرض کی کہ سل رکب اپنے پروردگار سے عرض کیجئے فرمایا علمہ کالی جسی عن سوالی۔ اُسکا علم میرے حال کو کفایت کرتا ہے یہ سوال سے جب ہوا میں آئے تھے اس وقت یہ گفتگو حضرت جبریل سے ہوئی لیکن جب زندہ جانے لگے تو فرمایا لا الہ الا انت سبحانک انک الحمد للک لا شریک لک جب یہ استقامت ظاہر ہوئی رحمت حق جوش میں آئی حضرت جبریل کے ذریعے ارشاد ہوا آگ کو کوئی ہوا وسلا ماعلیٰ ابراہیم اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی ہو جا ابراہیم پر پھر وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی بلکہ مشہور ہے کہ تھوڑی مدت تمام آگ دنیا کی سرد ہو گئی ایک دن کسی نے کچھ پکایا نہیں نہ آگ کوئی کام لیا جاسکا۔

حضرت ابراہیم جس وقت زمین پر آئے تو وہاں بجائے آگ کے ایک ٹھنڈا چشمہ پانی کا جاری ہو گیا گلاب و رگس کے پھول نکل آئے سات دن تک حضرت ابراہیم اسمین رہے مشہور ہے کہ غصہ نامی نمزدکی لڑکی نے حضرت ابراہیم کا حال ادھر سے دیکھا وہ اتنی حضرت ابراہیم سے کہا کہ میں آپ کے پاس آنا چاہتی ہوں آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ کہ تو تجھ کو یہ آگ گزند نہ پہونچائیگی۔ اسنے کہا اور حضرت ابراہیم کے پاس پہونچ گئی اس واقعہ سے قوم پر اور فرد پر سخت اثر ہوا ناچار ہوکے کہنے لگے حضرت ابراہیم سے کہ اگر تم کو آگ نہیں اثر کرتی ہے تو باہر چلے آؤ حضرت ابراہیم اس آگ کے دسیان سے باہر نکل آئے نمزد کو تعجب ہوا اور شرمندگی بھی ہوئی اسنے حضرت ابراہیم سے کہا کہ تمھارے رب کی یہ قدرت دیکھ کے کہو اسکا اعتراف ہو ابراہیم جانتے ہیں کہ قربانی پیش کریں حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ وہاں کی قربانی قبول نہ ہوگی اسنے ایمان قبول کرنے سے انکار کیا باوجود اسکے کہ وہ گائے کی پریش کرتا تھا چار ہزار گائیں اُسنے قربان کیں۔

پھر حضرت ابراہیم کو چین سے رہنے نہیں دیا اور طرح طرح کے مفرخات کرتا تھا باوجود اسکے ایک خلعت نے ایمان قبول کیا اور سب سے پہلے حضرت لوط بن ہاران نے اور سارہ بنت ہاران نے ایمان قبول کیا حضرت سارہ کے ساتھ آپ کا عقد ہو گیا بعض کہتے ہیں کہ ہاران بن آزر آپ کے حقیقی بھائی تھے اس وقت تک بھتیجی کے ساتھ عقد درست تھا مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ آذر چا حضرت ابراہیم کے تھے اور یہ چچا زاد بھائی کی لڑکی تھیں ناچار ان سب کو لیکے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اس وقت عمر حضرت ابراہیم کی پچیس برس کی تھی حران بن آکر آذر مر گیا پھر حضرت بلبلک بن آئے کچھ دن کیلئے مصر میں بھی گئے اور رہے وہاں اس وقت فرعون شان بن علوان تھا سام بن نوح کی اولاد سے وہاں سے پھر شام واپس آئے مقام سبج بین ارض فلسطین کے قیام کیا حضرت لوط نے سدوم میں قیام کیا اور وہاں کے نبی ہوئے۔

حضرت سارہ کے متعلق واقعہ ملک اردن میں پیش آیا وہاں کا حاکم بہت عیاش تھا اسے حضرت سارہ کا حسن و جمال شکے حکم دیا کہ اسکے پاس ایک شب لائی جاوے حضرت ابراہیم لاجپا تھے زبردستی لوگ لینگے مگر اسکو قدرت نہ ہو سکی حضرت ابراہیم کو خود تمام حال انکا دکھائی دیتا تھا جب وہ مقاربت کرنا چاہتا اسکے ہاتھ پیر رہ جاتے آخر آئے واپس کیا اور ہاجرہ جو قبلی شہزادی تھی بطور لونڈی رہتی تھی اسکو حضرت سارہ کو دیدیا حضرت ابراہیم کے اس وقت تک اولاد نہ تھی حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کے سامنے پیش کیا چنانچہ حضرت اسماعیل تولد ہوئے اسکے ذبح کرنے کا حکم ہوا کہ یہ کے بنائیکا حکم ہوا قصہ کا حکم ہوا ان سب امور میں حضرت ابراہیم نے ایشال امر کیا اور کمال صبر و استقلال ظاہر فرمایا کہ جو آئندہ مسلمانوں کے لئے سنتہ ابراہیمی ہو گیا ان سب واقعات کی تفصیل اپنے اپنے محل پر ہوگی اس جگہ مشہور قرأت یہ ہو کہ ابراہیم ربہ ابراہیم منصوب ہو اور ربہ مرفوع ہے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم کو ان کے رب نے آزمایا جائے تھا کہ فاعل مقدم کیا جانا مگر اخبار قبل الذکر ہو جاتا اس واسطے مؤخر کیا گیا مگر حضرت ابن عباس و حضرت ابو اشعار و حضرت امام ابو حنیفہ نے واذا ابتلی ابراہیم وہ بکلمات میں ابراہیم کو مرفوع اور ربہ کو منصوب پڑھا ہے معنی یہ ہوئے کہ یاد کرو اس وقت کو جبکہ ابراہیم نے اپنے رب کو آزمایا ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اس مفہوم کو ان الفاظ سے نہیں کہہ سکتے تھے سو ادبی کا احتمال تھا مگر خدا کو فرمانے میں کوئی سوراہی نہیں ہے اسی سوراہی کے لحاظ سے ایک جماعت فقہاء کی اس قرأت کو ناجائز کہتی ہے بلکہ بعض نے تو اسقدر مبالغہ کیا ہے کہ کہد یا جو اس طرح پڑھے گا وہ کافر ہو جاوے گا حالانکہ اسمین کفر کی بات نہیں خصوصاً جبکہ قرأت اس طرح مروی ہے اور فقہاء میں امام ابو حنیفہ

یہ قرأت مروی ہو ظاہر مناسبت بھی معلوم ہوتی ہو اس بنا پر ابتداء کے حقیقی معنی ہونگے۔ ابتداء کے معنی دریافت حال اور جانچ کے اعتبار سے حضرت ابراہیم کا موت کے حقیقت کو دریافت کرنا جب ولاد کو غیر فی نزع مقام پر ڈال آئے تو ان کی پرورش کی دعا کرنا اور بھی مختلف اوقات کی دعائیں ایسی ہی ہیں کہ جن کو اللہ جل شانہ نے اتلی سے تعبیر کیا ہے یہ ظاہر ہے کہ اللہ کے اوصاف کا تفصیل اور اس کی جانچ ایک متدین کیلئے ضروری ہو اور یہ منافی اسکے بھی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ اس صورت میں شک ہو گا حالانکہ شک کا ہونا ایمان کی دلیل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے بہر حال اگر ابراہیم فاعل ہوں اور یہ مفعول ہو تو اس صورت میں کلمات سے وہی دعائیں اور تحقیق حق مراد ہے جو وقتاً فوقتاً حضرت ابراہیم نے کیں کہ چونکہ کلمات جج کلمہ کی ہر کلمہ لفظ مفرد کو کہتے ہیں مگر جملہ پر بھی بولا جاتا ہو اور کبھی معانی پر بھی بولا جاتا ہے بلکہ کبھی ذات پر بولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہو بحیث اللہ و کلمہ حضرت عیسیٰ پر کلمہ کا لفظ بولا گیا ہو بیان معانی مراد ہیں اور وہ معنی وہی دعائیں اور تحقیقات ہیں یہ تو وہ صورت ہے کہ جب ابراہیم کو مرفوع پڑھا جائے اگر منصوب پڑھا جائے تو اس وقت مراد کلمات سے چند امور محتمل ہیں قریب تیرہ قول کے اس بارہ میں منقول ہوئے ہیں بعض نے کلمات سے بھی آگے کے مذکورات کو لیا ہے انہیں سے امامت ہو اور بنا و کعبہ ہے اور اسکے مناسک ہیں حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ وہ دس باتیں تھیں کلی کرنا ناک میں پانی لینا داڑھی بڑھانا موچھین گھٹانا ناگ نکالنا اور نعل کے بالوں کو دور کرنا ناخن کا حنا زیناف بالونکو دور کرنا استنجا پانی سے کرنا ختنہ کرنا بعض کہتے ہیں کہ اکب کے اور قمر و شمس کے رد و روانے اور باوجود قوم کے تخفیم کرنے کے ابراہیم علیہ السلام انکی پرتش سے محفوظ ہے انکا اس طریقہ پر سامنے لایا جانا گویا ابتلاء ہے اور اسکے ساتھ کبر سنی میں ختنہ کرنا ہو مروی ہو اہم کہ سوا سو برس کی عمر میں ختنہ کا حکم دیا گیا اور آپ نے کہا اسکے علاوہ آگ میں ڈالا جانا حضرت کے صاحبزادہ کو قربان کر نیکا حکم ہجرت کو کوئے شام کی جانب یہ سب کلمات سے جن غرض حکم تمام اقوال سے یہ اقوال زائد متبرہن انہی سے زائد شامل یہ کہ قرآن شریف میں تین یا چار آیتوں میں ان سب کلمات کو ذکر کر دیا گیا یعنی تذرون میں آیا لَتَبْقَ الْعَابِدُونَ الْآلِیَّہِ اور قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ کی آیات اور ان المسلمین والمسلمات ومن یقینت کے آیات اور سورہ معارج کے آیات میں جن اوصاف کا ذکر ہے وہ مراد ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوصاف جنہیں ہوں گے وہی امامت کا مستحق ہو حضرت ابراہیم نے اسل امتحان میں کامیابی حاصل کی یا اللہ نے ان کو پورا اطمینان دلادیا فاتھن پس اُس نے پورا کیا ان کلمات کو اس جگہ میں چار احتمال ہیں اول یہ کہ ابراہیم منصوب ہو اس وقت مراد یہ ہو کہ حضرت ابراہیم نے ان کو پورا کیا اور انکو ادا کیا

جب کہ ان کی ادائی کے لائق تھا دوسرے بر فروع ہو اور اتم کا فاعل اللہ ہو مرد اس جگہ اس صورت میں یہ ہوگی اللہ نے ان کو قوت عطا فرمائی اور ان اوصاف کے حاصل کرنے کی سہولت دی بدو ان کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہے میرے ابراہیم مرفوع ہو اور ضمیر ان کی طرف بھرتی ہو تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ ابراہیم نے آزمائش میں پورا ادب ملحوظ رکھا اور تمام شرط اجابت بجالائے جو تھے ضمیر اتم کی وجہ کی طرف ہو اور وہ منصوب ہو اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کلمات کو پورا کر دیا یعنی قبول فرمایا اور عطا کیا قال انی جاعلک للناس اماما صا فرمایا پروردگار نے کہ تم لوگوں کیلئے امام بنا نا چاہتے ہیں یا یتینا بیانی ہے گویا کہا گیا کہ بھرجب پورا کر دیا اُس نے کلمات کو تو کیا ہوا اسکا جواب دیا گیا اللہ نے ابراہیم کو لوگوں کا امام بنا دیا الناس سے یا تو مراد تمام لوگ ہیں جو حضرت ابراہیم کے بعد ہوئے خواہ مومن ہوں یا کافر یا مراد لوگوں سے صرف وہی لوگ ہیں جو حضرت ابراہیم کو وقت میں تھے یا مراد الف لام سے الناس کے عہد ہے اور مراد اُس سے جو بہترین لوگ ہیں بغیر انبیاء کی کہ علیہم السلام ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام انبیاء کے بعد کے اب اور پیشوا ہیں خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولاد ہوئے کوان کے مشابہ ہونے کو فرسے ظاہر فرماتے ہیں حضرت ابراہیم کی اتباع کو اپنا دین بتاتے ہیں دوسرے نبی کا کیا ذکر ہے۔ امامت حضرت ابراہیم کی عام ہو یا خاص تمام ادیان پر آپ کے تعلیم کا اثر موجود ہے اس واسطے یہ بحث بیکار ہے کہ عام ہے یا خاص ہے امام کے معنی پیشوا کے ہیں اور امام متبع کا بھی ہوتا ہے اُس تاگے کو بھی امام کہتے ہیں جو مزدور دن کے آدھ مساحت میں بندھا ہوتا ہے امام نماز کا بھی ہوتا ہے سفر کا بھی ہوتا ہے اچھا بھی ہوتا ہے بُرا بھی ہوتا ہے امام مذہب کا بھی ہوتا ہے قسم کا بھی ہوتا ہے عام بھی ہوتا ہے مگر مراد بیان امامت سے نفس رسالت ہو جو اصلی امامت ہے کہ اسکے اوپر دوسری کوئی امامت نہیں ہو اس امامت کے متعلق حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ یہ امر میرے لئے خاص ہے یا میری ذریت بھی شامل ہو ذریت اولاد صغار کو کہتے ہیں مگر بھر عالم صغار و کبار دونوں پر بولی جانے لگی قال ومن ذریتتی فرمایا میری ذریت بھی کیا امام بنائی جاوے گی ارشاد ہوا کہ ہاں مگر میرا عہد ظالم نہ حاصل کر سکیں گے یعنی ظالم امام نہ ہو گا مراد اس جگہ عہد سے یہی عہد امامت ہے جو جبکا تذکرہ ہو رہا ہے بعض نے اور عہد مراد لیا ہے مگر سابق اسکے خلاف ہے فرمایا کہ امامت خواہ نبوت ہو یا اور کسی نیا بت ہو ظالم کو یعنی مشرک کو نہیں مل سکتی ہے ظاہر ہے کہ مشرک سے بڑھ کر کیا ظلم ہے ان الشرائک لظلم عظیم اور شرک و کفر حکماً یکساں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت کی صلاحیت کافر نہیں رکھتا ہر اہل تشیع اور دیگر فرق اسلام یہ اس سے صحت نبوت ثابت کرتے ہیں اور اہل تشیع

وَاذْجَعْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمِّنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ

اور یاد کرو اسوقت کو جب ہم نے اُس گھر کو اجتماع کی جگہ اور جائے پناہ بنایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ابراہیم کی جگہ نماز

ابراہیم مصلیٰ و عہدنا الیٰ ابراہیم واسمعیل ان کلما یتنبی

پڑھنے کی جگہ بناد اور عہد لیا ہے ابراہیم اور اسمعیل سے کہ وہ میرے گھر کو ظاہر کریں

لِّلطَّائِفِیْنَ وَالْعَکِیْفِیْنَ وَذَکَرُ السُّجُودِ

طواف کرنا والوں کے لئے اور اٹھکان کرنا والوں کیلئے اور کعبہ کرنا والوں کے لئے اور سجدہ کرنا والوں کے لئے

بقیہ صفحہ ۲۵۹۔ اس سے خلافت خلفاء کی ناراد ہونے پر دلیل لاتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ مشرک اُس کو کہتے ہیں کہ حسین بالفعل شرک ہو جو تائب ہو جائے وہ مشرک نہیں کہلاتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ نبی شرک کرے مگر توبہ کرے یا خلفاء کا شرک ثابت ہو جائے اور پھر توبہ بھی ثابت ہو جائے تو انہیں فقط ظالم سمجھنے مشرک کا اطلاق کیونکر صحیح ہوگا۔ اسبطح وہ بھی استدلال صحیح نہیں جو بعض فقہائے شافعیہ کہتے ہیں کہ جو فاسق ہو وہ امام نہیں ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ توبہ کرنے کے بعد امام ہو سکتا ہے مگر بیان امامت سے مراد نبوت ہے اور نبوت پر اس مسئلہ میں قیاس امامت کا صحیح نہیں اس واسطے کہ عصمت نبی کیلئے شرط ہے بادشاہ اسلام کیلئے شرط نہیں ہے البتہ وقت انعقاد عدل کو مقرر کرنا ضروری ہے لیکن اگر فاسق کو مقرر کیا تو وہ بھی امام ہو جائے گا اس واسطے کہ کافر نہیں ہو غیر کافر بیان مراد نہیں ہے یہ اختلاف انعقاد میں ہے اور بقایا میں بھی آیا فاسق معزول ہو جاتا ہے یا مستحق عزل ہوتا ہے ہم لوگ مستحق عزل سمجھتے ہیں اور بعض فقہاء معزول سمجھتے ہیں اسبطح یا استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ ظالم کا عہد کوئی لازم الا یفاد نہیں ہے مگر ظاہر ہے کہ یہاں مراد صرف عہد امامت ہے نہ کہ مطلق تمام عہود حالانکہ بالعموم عہود کے ایفاء کرنے کا وجوب نصوح صحیح سے ثابت ہے اس کے خلاف اس آیت سے ثابت نہیں ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔

اُس آیت کا عطف واذ بتلی پر ہے اور اذ کر یا اذ کروا محذوف ہے جہاں سے حضرت ابراہیم کی شریعت کا رکن اور مرکز ثقل بتایا جاتا ہے کہ وہ بیت اللہ ہے البیت سے مراد کعبہ ہے جس طرح النجم سے مراد ثرا ہے مشاہیر اور شباب مثل مقامہ اور مقام کے مصدق ہیں اور تا زیادہ ہے یا مبالغہ کی ہے ثوب کے معنی رجوع کرنے کے اور ثواب پانے کے ہیں الناس میں الف لام یا تو جنس ہے یا عہد ہے یا استعراق مراد اس سے تمام لوگ ہیں یا اطاعت کرنے والے یا حج کی غرض سے آنی والے۔ اٹھا جائے امن مراد ہے پہلے ہر جگہ لوگ

قتل و غارت کر دے جاتے تھے مگر حد حرم میں اور شہر حرم میں قتل نہیں ہونا تھا یا یہ عذاب الہی سے محفوظ
 ہو جانے کی جگہ ہے جو وہاں داخل ہوا وہ امن میں آگیا فساق المکۃ خشا بختہ اتحدوا با توامی ہے کہ
 کہا گیا مقام ابراہیم سے وہ لوگ نماز کی جگہ قائم کریں یا امر ہے مطلب یہ ہے کہ تم اے امت محمدی مقام ابراہیم
 کو مصلے بناؤ اس جگہ مختصراً بیت اللہ اور مقام ابراہیم کے کچھ حالات جان لینا چاہیے۔ بیت سے حرا
 خانہ کعبہ ہے قرآن میں ارشاد فرماتا ہے ان اول بیت وضع للناس للذی بیکہ مبارک
 وھدی للعالمین فیہ آیات بینات مقام ابراہیم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے
 پہلے عبادت گاہ مکہ میں خدا کا گھر ہے اسکے پہلے کوئی عبادت گاہ رہے زمین پر نہ تھی حضرت طاہرہ سے فرمایا
 میں وارد ہوا ہے کہ قبل خلقت آدم علیہ السلام کے جب زمین بنائی گئی ہے تو اُس وقت پہلے پہل حصہ زمین کا
 وہی بنایا گیا ہے جہاں کعبہ بنا ہے پھر فرشتوں نے گروہ میں اس امر کا اعلان کیا گیا کہ یہ کعبہ ہو گا اور جب
 اتنی جا عل فی الارض خلیفہ کی ندا ہوئی اور فرشتوں نے اعتراض کیا اس پر اعتراض ہوا فرشتوں
 نے اسکی معافی چاہی نماز پڑھی اور طواف بیت المعمور کا کیا خطا معاف ہوئی اس پر ارشاد ہوا کعبہ بنایا
 جائے تاکہ انسان اگر خطا کرے تو اسکے طواف سے اسکی خطا معاف کی جاوے گی ان روایات سے معلوم
 ہوتا ہے کہ کعبہ کی تعمیر انسان کی خلقت کے بھی پہلے سے ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم نے
 اس جگہ عبادت خانہ تعمیر کیا بعض حضرت ثبوت کو کہتے ہیں حضرت نوح کے طوفان کے وقت تک برابر
 اسکی تعمیر رہی اسکے بعد یہ ایک ٹکڑے کی ایسی زمین ہو گئی چنانچہ حضرت ہود سے یعر ب نے زیارت
 کے وقت کہا کہ اسکی تعمیر کی جائے تو حضرت ہود نے کہا کہ یہ ایک بڑا مرتبہ کے نبی کا کام ہے۔ چنانچہ حضرت
 ابراہیم علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر سے چالیس برس قبل مکہ کو بنایا جب حضرت ابراہیم نوے برس
 کے قریب پہنچے تو حضرت اسمعیل پیدا ہوئے پھر حضرت آحق ہوئے اور حضرت سارہ کے حکم کی موافق
 حضرت ہاجرہ بننے لڑکے کے ساتھ مکہ میں آئے بسین اور چند دنوں کی بعد مین کے اقوام میں سے علاقہ
 کا ایک گروہ آئے آباد ہوا اور حضرت اسمعیل جوان ہو گئے ان کی شادی اس قوم کی لڑکی سے ہوئی
 ایک بار حضرت ابراہیم ان کو دیکھنے آئے مگر وہ مکان پر نہ تھے ان کی زوجہ نے حضرت ابراہیم سے
 بدخلقی کی حضرت ابراہیم نے کہا کہ جب آئیں تو کہنا کہ تمھارے چوکھٹ دروازہ کی درست نہیں ہے چنانچہ
 ویسا ہی کہا گیا تو حضرت اسمعیل سمجھ گئے انھوں نے کہا وہ ابراہیم کے والد تھے انکی خوشی تھا کہ
 رکھنے میں نہیں ہو اس واسطے تکو طلاق ہوا اسکے بعد دوسرا عقد کیا حضرت ابراہیم پھر ملے آئے تو اس
 دوسری زوجہ نے خاطر مدارات کی ایک پتھر پر برہنہ رکھے دوسرا بچہ دھلا دیا اور جب حضرت آئے اور

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ
اور یاد کرو اس وقت کہ جب کہا ابراہیم نے اے رب اس شہر کو جگہ امن کی کرے اور اسکے رہنے والوں کو رزق دے
مِنَ الثَّمَرَاتِ مِّنْ أَمْنٍ مِّنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ
میسودن کے وہ لوگ اس روزی سے حصہ پائیں کہ جو ایمان لائے اللہ اور یوم آخرت کے ساتھ ارشاد کیا اللہ نے اور وہ جو کفر کیا
فَأَمْسَعَهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَخْطَرَهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَلَيْسَ لِمُصِيبِهِ
تو اُسکو تھوڑا نفع ہوگا پھر وہ لاچار عذابِ نار کی طرف جائے گا اور وہ بہت ہی بڑا ٹھکانا ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۶۱۔ کھانا پیش کیا مگر حضرت ابراہیم ٹھہرے نہیں واپس جانے لگے اور فرمایا کہ جب اسمعیل آمین تو
کہنا کہ اب تمھارے دروازہ کی چوٹ اچھی ہے چنانچہ حضرت اسمعیل کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ وہ حضرت
ابراہیم تھے اور یہ مقصود ہی کہ اب جو بیوی ہو وہ اچھی ہے جس پر تیرے قدم حضرت ابراہیم نے رکھا تھا وہی
مقام ابراہیم ہے مقام ابراہیم سے لوگوں نے پورا حرم بھی مراد لیا ہے بت اللہ کو جس پتھر پر کھڑے ہو کے
بنایا ہوا اسکو بھی مراد لیا ہے جس پتھر پر کھڑے ہو کے نکاح کر دیا اسکو بھی مقام ابراہیم کہتے ہیں۔
مکن ہو کہ پتھر ایک ہی ہو پہلے عاشق کعبہ کے تھا پھر یسریل کی وجہ سے یہ گیا اسکو حضرت عمرؓ نے اوس جگہ پر رکھ دیا
جہاں اب یہ مقام ابراہیم کہلاتا ہے اس پر قدم کا نقش بھی بنایا ہو مگر اب مٹ چلا ہے۔
اسکے بعد ارشاد ہوا کہ ابراہیم و اسمعیل دونوں کو حکم دیا گیا کہ وہ میرے گھر کو جو بوجہ تعظیم کے اللہ کا
گھر کہلایا ظاہر رکھو شرک سے نجاست سے بچو دینے سے مگر مقصد اس سے محض گھر نہیں بلکہ عبادت
کرنے والے ہیں طاعت و اعتکاف کا حکم بھی آگے آتا ہے۔

حضرت ابراہیم نے جب اپنی اہل و ولد کو چھوڑا تو اس وقت دیکھا کہ یہ غیر آباد ہے اور یہاں کوئی
کھانے پینے کا سامان نہیں ہے اس لئے دعا کی چنانچہ دونوں دعائیں اللہ نے قبول کیں حرم آسن ہو گیا
اب کوئی قاتل نفس بھی ہو تو بھی قتل نہیں کیا جاسکتا ہے حضرت احمد بن حنبل کے نزدیکی کسی حال میں وہ
نقل کیا جاسکتا ہے نہ اس پر کوئی سختی ہو سکتی ہے حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب میں وہ قتل نہیں کیا جاسکتا
کسی حال میں بلکہ وہ اس قدر تنگ کیا جاوے گا کہ نکل جائے اور حجبِ حد حرم سے باہر ہو جائے گا تو
نصاب لیا جاوے گا۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک اگر تنگ کرنے پر بھی نہ نکلے تو قتل کیا جاوے گا
مگر مصلوب الدم کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچایا جاسکتا ہے بلکہ جانور بھی شکار نہیں کئے جاسکتے ہیں۔
حضرت ابراہیم نے دعائے امانت میں ذریت کو عام رکھا تھا تو اسکے متعلق ارشاد ہو گیا کہ کوئی

وَأَذِیْقُهُمْ إِبْرَاهِمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلَ رَبَّنَا
 اور یاد کرو اس وقت کو جب بلند کیا ابراہیم نے خدا کے گھر کی بنیادوں کو اور اسماعیل نے
 تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِیعُ الْعَلِیمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ
 پھر کہا ان دونوں نے کہ قبول کر ہم سے یقیناً تو سننے والا جانتے والا ہو لے پروردگار ہمارے بھوکو اپنا فرمانبردار بنا
 لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا أُمَّةٌ مُّسْلِمَةٌ لَّكَ وَارِنَا مَنَّا سَكَنًا وَثَبَّ
 اور ہمارے اولاد سے ایک جماعت فرمان بردار تیری رہی اور ہمارے تعلیم کرا حکام جمیع کو اور ہمارے توبہ قبول کر
 عَلَیْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ
 یقیناً تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے لے پروردگار ہماری اولاد میں سے ایک
 رَسُولًا مِّنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ
 رسول بھیج جو تیری آیات اُن کو سنائیں اور ان کو علم و حکمت کی تعلیم دین
 وَالْحِکْمَةَ وَیُنْزِلْ لَهُمْ مِنْ لَّدُنْکَ أَنْتَ الْغَنِیُّ الْحَکِیمُ
 اور اُن کو پاک کر میں یقیناً تو ہی زبردست جانتے والا ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۶۲۔ عاصی فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہے اسلئے نزدیکانِ راہِ نبی بود جہانی کے قاعدہ سے حضرت ابراہیم
 نے اس جگہ ایمانداروں کی قید کردی ارشاد ہوا کہ جسمانی انعام ہے اسمین نیک و بد کی تفریق نہیں ہو
 بنجاناتِ امامت کے کہ اسمین صلاحیت کی حاجت ہو جسطحِ طبیب غیر صحیح کو برہیزر تانا ہے اسی طرح بعض
 روحین بعض انعاماتِ روحانی اور رزقِ الوار کے قابل نہیں ہوتا ہے تو وہ سرفراز نہیں ہوتا مگر رزق
 جسمانی میں کوئی تفریق نہیں ہے۔

بیان سے حضرت ابراہیم کے عمل صالح بنائے بیت اللہ کو ذکر کیا ہے کہ یہ گھر بنایا ہوا۔
 ابراہیم علیہ السلام کا جو اور انکی مدد کو انکے فرزند اسماعیل حاضر تھے جب دیدار میں بلند کرنے لگے تو اپنے
 عمل کی قبولیت کی دعا کی اور خواہش کی کہ ہمارے اعمال مقبول ہوں ہمارے اولاد میں ایک جماعت
 حق پر ہے۔ ہمارے توبہ قبول ہوتی ہے اسکے بعد اپنی اولاد سے ایک رسول کے ظہور کی خواہش کی اسمین
 اشارہ ہو کہ درستی امت کی ہر شخص کے اعمال صالحہ پر ہے اور ایک جماعت دیندار کے موجود ہونے پر
 ہو اور اس جماعت کے شیرازہ کیلئے ایک سردار ہونے پر ہے چنانچہ اولاد اسماعیل میں یقیناً وہ چھوڑے

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ

اور کون ہو وہ جو ابراہیم کی ملت سے لوٹ جاوے گرد ہی جو پورا حق ہو اور ہے ابراہیم کو دنیا میں منتخب کر لیا

اصْطَفَيْنَا فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ إِذْ

اور تعینا وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہو یا کر دوسرے کو جب کہا اے انکے پروردگار نے کہ فرما بزرگوار چاہا

قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ وَوَصَّى بِهَا

تو اسے کہا کہ میں فرمانبردار ہوں دونوں جہان کے پالنے والے کا اور یاد کر دوسرے کو جبکہ وصیت کی

إِبْرَاهِيمَ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ

ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے لے بیٹوں اللہ نے تمھارے لئے دین کو منتخب کر دیا

فَلَا تُمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ

تو مرنے دم تک مسلمان ہی رہو

بقیہ صفحہ ۲۶۳۔ انکے اوصاف کیلئے دعا کی تاکہ جس قدر لوگوں کی تعلیم مقصود ہوا اسکے لئے وہ کافی ہوں

اولیٰ طبقہ کیلئے آیات اللہ اور حکم خداوندی کا پوچھا تا کافی ہے متوسط کیلئے علم و حکمت تاکہ علماء و مجتہدین

قائم مقام رسول ہمیشہ ہوتے رہیں اور مکمل اولیاء کے نفوس کی طہارت لفظ یزید کہیم سے تعلیم عقول عالیہ

کی جانب اشارہ ہو خدا نے یہ دعائیں قبول کیں اور ایسا ہی رسول ظاہر ہوا۔

ادھر جب ظاہر کر دیا کہ دین ابراہیم وہی ہے جسکو آنحضرت لائے اور ارشاد فرماتے ہیں

تو اب بتایا جاتا ہے کہ منکر اس دین کے اس دین میں نقصان نہیں بتاتے بلکہ خواہ مخواہ حد کے

سبب سے یہ سب مخالفت ہو ورنہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے ہمیشہ اس دین کی تلقین کی

اور عہود و موافقت لے۔ اب انکا رنج و حاق و حد کے اور کس سبب سے ہو اسکے بعد حضرت ابراہیم

علیہ السلام کی فطرت کی طرف اشارہ ہوا کہ جیسے اللہ نے دلائل اپنے وجود اور وحدانیت کے ظاہر کئے

یا ان کو القا ہوا یا وحی نازل کی کہ سلام لاؤ تو انھوں نے بلا یحیون و چرا اسلام قبول کر لیا اور اسکی

وصیت کی پھر صرف انھوں نے نہیں بلکہ یعقوب نے کہ جو اسرائیل ہیں اور بنی اسرائیل سب انھیں کی

اولاد ہیں ان کو چاہئے کہ اُن کی پیروی کریں ایمان قبول کریں کچھ عذر نہ کریں اور وصیت کو اپنے

بزرگوں کی پورا کریں اسکو راہنما نہ کریں۔

اَمْ كُنْتُمْ شُرَكَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ
 کیا تم گواہ و موجود تھے اس وقت جب یعقوب کو موت آئی اور جب کہا انھوں نے اپنے بیٹوں سے۔

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَائِكَ
 کہ کئی عبادت کرو گے میرے بعد تو انھوں نے کہا کہ تمہارے مہبود کی اور تمہاری باپوں کے

اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا
 مہبود کی کہ جو ابراہیم و اسمعیل و اسحق ہیں وہ مہبود ایک ہی ہے اور

تَخٰنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ۚ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ
 ہم اسکے فرمانبردار ہیں یہ گروہ ہے کہ گزر گیا اسکے لئے وہ ہے جو اُس نے کہا

مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا
 اور تمہاری لئے وہ ہر جو سننے کہا تم سے انھوں نے جو کیا اس سوال ہوگا۔ اور کہتے ہیں وہ کون کون ہو جاؤ گے

اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِثْلَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِ
 نصاریٰ ہدایت پا جاؤ کہہ دو کہ بلکہ ملت ابراہیم کہ جو سیدھی راہ پر تھے وہی ہدایت ہوا و نہ شرک کہ نبوالون ہیں نہ تھے۔

حضرت یعقوب کی وصیت سے یہود اپنے دین پر قائم ہونے کی دلیل لانے تھے ارشاد ہوا کہ اس وقت تم کہاں تھے
 وصیت حضرت یعقوب کی تمہارے عمل کے بالکل خلاف ہو انھوں نے تو اسلام لانے کی وصیت کی اس
 جگہ حضرت اسمعیل کو ابراہیم شمار کرنے کی وجہ عبادہ اور طریقہ عرب ہو کہ علم کو بھی اب کہتے ہیں اور ائمہ
 کہنے سے اس شبہ کو دفع کر دیا کہ انکے ہر ایک شخص کا ایک ایک خدا نہیں ہے بلکہ ان سب کا ایک ہی
 خدا ہوا کسی کی ہم پریش کریں گے۔

اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب نے وصیت کی یا نہیں کی نہ کو اس پر پھر دوسرے نہ کرنا چاہیے خود
 اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔ اپنی عقل پر زور دینا چاہیے ہر شخص اپنے کئے کا گرفتار ہے۔

یہود کہتے تھے کہ یہود ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ اور نصاریٰ کہتے تھے کہ نصرتی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ
 تو اسکا جواب دیا گیا ہے کہ ہدایت ابراہیم علیہ السلام سے ہو سکتی ہے کیونکہ ابراہیم راہ راست پر
 تھے حنیف کہتے ہیں ننگرے کو محیط سلیم کہتے ہیں اس شخص کو جسکو سانپ یا بچھو نے گزند پہنچایا ہو
 اور بصیر کہتے ہیں نابینا کو لیکن مراد اس سے وہ ہے کہ سیدھا اور درست کھڑا ہو اور ٹھیک چل سکے

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا مِنْ أَمْرِ أِبْرَاهِيمَ وَ

اسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَ

عِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفْرَقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ فَإِنِ الْمَوْتُ بِمِثْلِ مَا أَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ أَهْتَدَوْا

وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

بقیہ صفحہ ۲۶۵۔ یہ ظاہر ہے کہ راہِ ستقیم اور جاوہِ توہم ایک ہے وہ دینِ حنفی حضرت ابراہیم کا ہے اور حضرت ابراہیم مشرک نہ تھے کہ وہ خدا کی ذات میں کسی کو شریک نہ کرتے تھے نہ انکے نزدیک کوئی اسکا ساتھی تھا نہ اسکی کوئی اولاد تھی نہ اسکی کوئی زوجہ تھی جیسا کہ بعد کو یہود و نصاریٰ خدا کے متعلق کہنے لگے ہیں۔

اس آیت شریفہ سے مقصود یہ ہے کہ تمھارا یہ دعویٰ کہ یہودیت یا نصرانیت دینِ ابراہیمی ہے غلط ہے۔ اور جو دینِ ابراہیمی نہیں وہ ہدایت بھی نہیں ہو سکتا ہے لہذا تمھارا یہ کہنا خلافتِ واقع ہے۔

اسباط سے اولاد حضرت یعقوب مراد ہیں اور صحت منزل من اللہ میں تورات و انجیل و زبور و قرآن اور صحت آدم و نوح و ابراہیم اور جبرائیل پر نازل ہوا خواہ معبود ہو یا غیر معبود پر ایمان لانا ضروری ہے اور مرتبہ نبوت کے اعتبار سے کل انبیاء و ابراہیم اگر ایک کا منکر ہو تو سب کا منکر ہی چاہیے وہ حضرت سلیمان ہوں یا حضرت رسالتیاب ہوں البتہ جن کی نبوت میں شک ہو مثل ذوالقرنین اور لقمان اور حضرت یونس وغیرہ انکی نبوت کا انکار کفر نہیں ہے۔ اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے اگر ایمان لائے تو بہت اچھا ہے ورنہ تم انکی مخالفت سے نہ ڈرو اللہ ضرور انکے شر کو دفع کر دیگا اور تمکو غالب کر دیگا وہ تمھارا حامی و مددگار ہے اسکی مدد کانی ہی۔ ویسا ہی ہوا۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ
 اللہ کا رنگ ہی اور کو شمار رنگ اللہ کے رنگ سے اچھا ہے اور ہم اسکی عبادت کرنے والے ہیں۔

قُلْ أَتُحِبُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُكُمْ
 کہہ دو کہ کیا تم مجھ کو اپنے خدا کے بارہ میں محبت کرتے ہو اور ہماری اور تمہاری عبادت کے لئے ہمارے اعمال میں

أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ
 تمہارے لئے تمہارے اعمال میں اور ہم اس کے ساتھ اخلاص کئے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا
 اور اسمعیل اور اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد یہودی تھے

أَوْ نَصَارَى قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ
 یا نصاری کہہ دو کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور اس شخص سے زیادہ کون ستمگار ہے

كُتِبَ شَهَادَةٌ عَلَيْكَ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ
 جس پر شہادت ہو اسکو وہ پوشیدہ رکھے اللہ کے سامنے اور اسے غافل نہیں رہتا

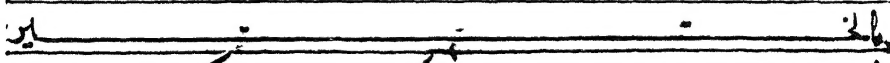
تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَ
 جو وہ گزرتے ہیں یہ گروہ ہے کہ جو گزر گیا ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کمایا اور

لَا تَسْأَلُونَهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

تم انہوں نے جو کیا جو اس سے پوچھنے نہ جاؤ گے۔

عیسائی جیوت کسی لو اپنے دین میں لانے تو حوض میں غوطہ دیتے مگر عرب میں بجائے اسکے پانی پھرتے
 بانی میں رنگ ڈالنے اللہ فرماتا ہے کہ یہ کوئی رنگ ہے رنگ حقیقتہً دین اسلام ہے کہ جو اللہ کا رنگ ہے
 وہ ہے اچھا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ نارا حقیقت سے آدمی کچھ کے تو وہ غدر بھی ہوتا واقف ہوتا تھا علم میں ہو کہ
 یہ بزرگان دین نہ یہود تھے نہ نصاری تھے تم اس کے خلاف دھوکے کرتے ہو اور شہادت کو چھپاتے ہو تم سے
 بڑھ کر کون ظالم ہو گا کہ دیدہ و دانستہ اللہ کے دئے ہوئے علم کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ اس کے خلاف
 کہتے ہو۔



بہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد مالک مطبع نامی پریس لکھنؤ میں چھپی
 بار اول۔ ماہ شوال ۱۳۲۳ھ مطابق مئی ۱۹۰۵ء